آیات علم المخاصمہ کی روشنی میں باطل نظریات کا ردّ

(منتخب اردو تفاسیر کی روشنی میں تحقیقی جائزہ)

مقالہ برائے **پی۔ایچ۔ڈی، علوم اسلامیہ**

مقالہ نگار

رابعہ کرم دین

پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ علومِ اسلامیہ

رجسٹریشن نمبر:614-PhD/IS/S16

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

نومبر ۲۰۲۱ء

آیات علم المخاصمہ کی روشنی میں باطل نظریات کا ردّ
(منتخب اردو تفاسیر کی روشنی میں تحقیقی جائزہ)

مقالہ برائے پی ایچ۔ڈی، علوم اسلامیہ

مقالہ نگار

رابعہ کرم دین

پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ

رجسٹریشن نمبر:614-PhD/IS/S16

نگران مقالہ

ڈاکٹر نور حیات

صدرِ شعبہ علوم اسلامیہ

نمل، اسلام آباد

یہ مقالہ پی ایچ ڈی علومِ اسلامیہ کی جزوی تکمیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

© (رابعہ کرم دین، ۲۰۲۱ء)

بسم الله الرحمن الرحيم

منظوری فارم برائے مقالہ ودفاع مقالہ

(Thesis and Defense Approval form)

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالہ کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہے اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: آیات علم المخاصمہ کی روشنی میں باطل نظریات کا ردّ
(منتخب اردو تفاسیر کی روشنی میں تحقیقی جائزہ)

Rejecting False Ideology in the Light of Mukhasma Verses

(In the Light of Selected Tafaseer Investigative Research)

نام ڈگری: ڈاکٹر آف فلاسفی علوم اسلامیہ

نام مقالہ نگار: رابعہ کرم دین

رجسٹریشن نمبر: 614-PhD/IS/S16

ڈاکٹر نور حیات خان
(نگران مقالہ)
____
دستخط نگران مقالہ

ڈاکٹر نور حیات خان
(صدر، شعبہ علوم اسلامیہ)
____
دستخط صدر، شعبہ علوم اسلامیہ

پروفیسر ڈاکٹر مستفیض احمد علوی
(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز)
____
دستخط ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز

پروفیسر ڈاکٹر محمد سفیر اعوان
(پرو-ریکٹر اکیڈمکس)
____
دستخط پرو- ریکٹر

میجر جنرل(ر) محمد جعفر
(ریکٹر نمل)
____
دستخط ریکٹر نمل

تاریخ: ____________________

حلف نامہ فارم

(Candidate declaration form)

میں رابعہ کرم دین ولد چوہدری کرم دین

رول نمبر: رجسٹریشن نمبر: 614-PhD/IS/S16

طالبہ، پی ایچ ڈی، شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل) اسلام آباد حلفاً اقرار کرتی ہوں کہ

مقالہ بعنوان آیات علم المخاصمہ کی روشنی میں باطل نظریات کا ردّ

(منتخب اردو تفاسیر کی روشنی میں تحقیقی جائزہ)

Rejecting False Ideology in the Light of Mukhasma Verses

(In the Light of Selected Tafaseer Investigative Research)

Aayat Ilm ul Mukhasmah Kee Roshni Main Batel Nazareyaat Ka Rad
(Muntakhib Urdu Tafasir Kee Roshni Main Tahqiqi Jaiza)

پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے، اور **ڈاکٹر نور حیات** کی نگرانی میں تحریر کیا گیا ہے، راقم الحروف کا اصل کام ہے، اور یہ کہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کروایا گیا ہے، نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لئے کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

میں اس بات کو جانتی ہوں کہ ایچ ای سی (HEC) اور نمل (NUML) علمی سرقہ (Plagiarism) کے حوالے سے عدم برداشت کی پالیسی پر سختی سے عمل پیرا ہے۔ اس لیے میں بطور مقالہ نگار اس بات کا اقرار کرتی ہوں کہ یہ میرا ذاتی علمی کام ہے۔ اس مقالہ کا کوئی حصہ بھی سرقہ شدہ نہیں ہے اور میں نے جہاں سے بھی کسی علمی کام کو اپنے مقالے میں شامل کیا ہے اس کا باقاعدہ حوالہ دیا ہے۔ میں اس بات کا بھی اقرار کرتی ہوں کہ اگر میرے مقالے میں کسی بھی قسم کا باقاعدہ علمی سرقہ پایا جائے تو یونیورسٹی میری ڈگری کو ختم کرنے / واپس لینے کا اختیار رکھتی ہے۔

نام مقالہ نگار: رابعہ کرم دین

دستخط مقالہ نگار: ____________

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

(ABSTRACT)ملخصِ مقالہ

Rejecting False Ideology in the Light of Mukhasma Verses
(In the Light of Selected Tafaseer Investigative Research)

At the time of advent of Islam, people with different thoughts and schools were living together. The revealed verses of Quran and Islamic teachings brought a great change in the prevailing thoughts and schools of different religions. The present research aims at exploring like topics based on different schools of thought and religious beliefs. Under the discussion related different principle of Al-Mukhasama. The researcher elaborates the ideologies and misguided differences by the four groups consisting of Jews, Christians polytheists and hypocrites in the light of principle on Quranic methodologies where exploring the misrepresented ideologies. The researcher analysis all these thoughts in the light of different selected commentaries of the Quran and the discussion purely revolve around these ideologies in context of its critical analysis. The basics of the principle of Al-Mukhasma, consists of society, love, truthfulness, justice, patience and good manners. Further the basics are different between right and wrong and sermons and advices. We also found a list of many Prophets (علیہم السلام) who has deals with the people of Mukalama. Where specifically, mentioned in the Quran that how they did Mukhasama with Jews, Christians, Polythasts and hypoarated. In Arab world there exists number of studies related knowledge of Jadl and Mukalama ad Adab al Khilaf. Although, in subcontinent, researchers have less focused and these issues. So, it is the need of current time, to carried our work on such related issues. In the light of Ayats of Mukalma and Mukhasma there is a dine need to conduct study on methodologies and principles related Mukalma and Mukhasma.

فہرست مضامین بالترتیب

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱.	مقالہ اور دفاع کی منظوری کا فارم(Thesis Acceptance Form)	i
۲.	حلف نامہ (Declaration)	ii
۳.	ملخص مقالہ(Abstract)	iii
۴.	فہرست عنوانات (Table of Contents)	iv
۵.	اظہار تشکر (Acknowledgements)	vi
۶.	انتساب (Dedication)	vii
۷.	مقدمہ	viii
۸.	**باب اول: علم المخاصمہ کا تاریخی پس منظر اور قرآن کریم کا ادیان باطلہ کے ساتھ مخاصمہ کا اسلوب**	۱
۹.	فصل اول: علم المخاصمہ کا مفہوم، مترادفات اور اس کے اصول و مقاصد	۳
۱۰.	فصل دوم: علم المخاصمہ کا تاریخی پس منظر	۳۰
۱۱.	فصل سوم: قرآن کریم کا مختلف ادیانِ باطلہ کے ساتھ مخاصمہ کا اسلوب	۴۶
۱۲.	**باب دوم: توحید سے متعلق نظریات اور آیات علم المخاصمہ کے تناظر میں ان کا رد**	۵۶
۱۳.	فصل اول: توحید سے متعلق یہود کا نظریہ	۶۷
۱۴.	فصل دوم: توحید سے متعلق نصاریٰ کا نظریہ	۷۹
۱۵.	فصل سوم: توحید سے متعلق مشرکین کا نظریہ	۹۴
۱۶.	فصل چہارم: توحید سے متعلق منافقین کا نظریہ	۱۲۰
۱۷.	**باب سوم: فرشتوں سے متعلق نظریات اور آیات علم المخاصمہ کے تناظر میں ان کا رد**	۱۴۴

۱۵۷	فصل اول: فرشتوں سے متعلق یہود کا نظریہ	۱۸.
۱۷۴	فصل دوم: فرشتوں سے متعلق نصاریٰ کا نظریہ	۱۹.
۱۸۳	فصل سوم: فرشتوں سے متعلق مشرکین کا نظریہ	۲۰.
۱۹۱	**باب چہارم: آسمانی کتب سے متعلق نظریات اور آیات علم الخاصمہ کے تناظر میں ان کا رد**	۲۱.
۱۹۷	فصل اول: آسمانی کتب سے متعلق یہود کا نظریہ	۲۲.
۲۱۱	فصل دوم: آسمانی کتب سے متعلق نصاریٰ کا نظریہ	۲۳.
۲۲۴	فصل سوم: آسمانی کتب سے متعلق مشرکین کا نظریہ	۲۴.
۲۳۲	**باب پنجم: رسالت سے متعلق نظریات اور آیات علم الخاصمہ کے تناظر میں ان کا جائزہ**	۲۵.
۲۳۴	فصل اول: رسالت سے متعلق یہود کا عقیدہ	۲۶.
۲۵۰	فصل دوم: رسالت سے متعلق نصاریٰ کا عقیدہ	۲۷.
۲۵۸	فصل سوم: رسالت سے متعلق مشرکین کا عقیدہ	۲۸.
۲۶۴	فصل چہارم: رسالت سے متعلق منافقین کا عقیدہ	۲۹.
۲۶۶	**باب ششم: آخرت سے متعلق نظریات اور آیات علم الخاصمہ کے تناظر میں ان کا جائزہ**	۳۰.
۲۶۹	فصل اول: آخرت سے متعلق یہود کا عقیدہ	۳۱.
۲۷۹	فصل دوم: آخرت سے متعلق نصاریٰ کا عقیدہ	۳۲.
۲۸۴	فصل سوم: آخرت سے متعلق مشرکین کا عقیدہ	۳۳.
۲۹۱	نتائج البحث	۳۴.
۲۹۵	سفارشات	۳۵.
۲۹۷	فہرست قرآنی آیات	۳۶.
۳۰۵	فہرست احادیث نبویہ	۳۷.
۳۰۷	فہرست اعلام	۳۸.
۳۱۲	فہرست مصادر و مراجع	۳۹.

اظہار تشکر (Acknowledgements)

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين وعلى آله وصحبه اجمعين.

أما بعد!

کسی بھی میدان میں علمی تحقیق وجستجو محنت طلب کام ہوتا ہے، بغیر محنت ومشقت کے انسان اپنا مقصود حاصل نہیں کر سکتا۔ علومِ اسلامیہ میں تحقیقی کام نہ صرف دنیاوی تفاخر کا باعث بنتا ہے بلکہ اخروی ثواب کی امید بھی رکھی جا سکتی ہے۔ یہ محض اللہ تعالی کا فضل وکرم اور اس کی بے پناہ عنایت ہے کہ یہ تحقیقی کام پایۂ تکمیل تک پہنچا۔ فله الحمد والشکر۔ بعد ازاں بے حساب وکتاب درود وسلام آقائے دوجہاں محمد مصطفیٰ ﷺ پر ان کے آل اطہار اور صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور علماء، فقرائے امت پر جن کی محنتیں، کاوشیں اور رہنمائی ہر وقت امت کے لیے مشعل راہ رہتی ہیں۔

اس کے ساتھ میں شکر گزار ہوں اپنے نگرانِ مقالہ محترم جناب ڈاکٹر نور حیات خان صاحب، صدر شعبہ علومِ اسلامیہ، نمل یونیورسٹی جنہوں نے مسلسل راہنمائی فرما کر مقالہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا اور ہمیشہ باریک بینی سے جائزہ لیکر ہر مرحلے میں تحقیقی کام میں مفید مشوروں سے نوازا۔ ان کے علاوہ میرے خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں میرے استاد ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری صاحب کا جن کے مفید مشوروں سے یہ خاکہ تحقیق مرتب ہوا۔ ناسپاس گزاری ہو گی اگر میں اپنے قابل صد احترام والدین کریمین کا شکر گزار نہ ہوں جنہوں نے بچپن میں ہی میرے دل میں علم کی محبت ڈالی اور حصولِ علم کے لئے ہر مرحلہ میں مشکلات کو آسان کیا، نیز علم کے ساتھ تربیت کرنے میں بھی کوئی قصر نہ چھوڑی اور اپنی دعاؤں کا حصار میرے ارد گرد باندھے رکھا۔

میں شکریہ ادا کرتی ہوں اپنی تمام دوستوں کا، جن کی دعائیں میرے لئے مدد گار ثابت ہوئیں۔ آخر میں شکر گزار ہوں انٹر نیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد، ڈاکٹر حمید اللہ لائبریری اسلام آباد، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی لائبریری کے عملے کا جن کی وساطت سے یہ کام تکمیل کو پہنچا نیز برادرم قاری محمد ابرار صدیقی کی بھی ممنون ہوں جنہوں نے خوبصورت طریقے سے یہ کام سرانجام دیا ہے۔

اللہ تعالی ہم سب کو خلوص نیت کے ساتھ محنت کرنے اور اپنے فرائض کو احسن طریقے سے سرانجام دینے کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری کاوشوں کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازے۔ آمین

رابعہ کرم دین

(مقالہ نگار)

انتساب (Dedication)

میں اپنی اس تحقیقی کاوش کو پیارے والدین

رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا

اور اپنے عظیم و مشفق اساتذہ کرام کے نام کرتی ہوں

جن کی دعائیں اور رہنمائی میرے

شامل حال رہی ہیں۔

مقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی سید الأنبیاء والمرسلین وعلی آله و أصحابه أجمعین، وبعد!

موضوع کا تعارف اور اہمیت:(Introduction to the Topic)

قرآن پاک تمام الہامی کتابوں میں سے آخری کتاب ہے ۔ جو اللہ تعالیٰ عزوجل کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ پر وقفے وقفے سے نازل ہوئی۔ یہ واحد اسلامی کتاب ہے جس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ عزوجل نے خود لی ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ یہ الہامی کتاب لفظ، بالفظ محفوظ ہے اور دین اسلام کی پیروی کرنے والوں کی رہنمائی کرتی ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ عزوجل کا قرب حاصل کر سکیں اور اپنی زندگی اسلام کے سنہری اصولوں کے مطابق بسر کر سکیں۔ قرآن کریم سے پہلے نازل ہونے والی کتابیں اور صحیفے اس کے نازل ہوتی ہی منسوخ ہو چکے ہیں یہی وجہ ہے کہ اس کے ماننے والوں (یعنی دین اسلام کی پیروی کرنے والوں) کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ان آسمانی کتابوں پر ایمان رکھیں مگر انکی تعلیمات پر عمل نہ کریں۔

ایسی واضح ہدایات جو اللہ تعالیٰ عزوجل نے اپنے آخری نبی حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمائیں اور وہ واضح ہدایات قرآن پاک کا حصہ بن گئی ان کو مضامین قرآن کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ قرآن پاک میں موجود آیات مبارکہ کے پوشیدہ نکات کے رازوں کو مضامین قرآن کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ مضامین قرآن کی تعداد ہر مفسر قرآن نے اپنے اپنے علم کے مطابق بیان کی ہے ان میں سے سب سے زیادہ اہمیت کے حامل مضامین قرآن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے مانے جاتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الفوز الکبیر" کے باب اول میں بیان فرمایا ہے ہ قرآن مجید میں جو معانی اور مطالب بیان کیے گئے ہیں وہ صرف پانچ قسم کے ہیں۔ ان کو علومِ خمسہ یا علوم پنجگانہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ان علوم کو اس طرح بیان کیا ہے:

۱۔ علم الاحکام

۲۔ علم المخاصمہ

۳۔ علم تذکیر بآلاء اللہ

۴۔ علم تذکیر بایام اللہ

۵۔ علم تذکیر بالموت ومابعد الموت

ان سے میں نے راہنمائی لی اور علم المخاصمات کو موضوع بحث بناکر یہ مقالہ تحریر کیا ہے۔"علم المخاصمہ" سے مراد ان آیات قرآنیہ کا علم ہے جس میں گمراہ اقوام مشرکین، یہود، نصاریٰ اور منافقین کے باطل عقائد کو واضح کرنے کے ساتھ ساتھ ان کو دلائل کی بنیاد پر رد بھی کیا گیا ہے۔"علم المخاصمہ"کو"علم المناظرٰی" بھی کہتے ہیں۔

موضوع تحقیق سے متعلق سابقہ کام کا جائزہ: (Literature Review)

متکلمین نے علم مخاصمہ میں چار فرقوں / مذاہب یعنی مشرکین، یہود، نصاری اور منافقین سے متعلق تشریحات بیان کی ہیں۔ مقالہ ہذا سے متعلق کوئی باضابطہ تحقیقی کام سامنے نہیں آیا۔ جس میں خصوصی طور پر علم المخاصمہ کا جائزہ اور تجزیہ پیش کیا گیا ہو۔ موضوع سے متعلق قریب قریب گزشتہ تحقیقات کچھ یوں ہیں:

۱۔ ۱۹۹۶ء میں پنجاب یونیورسٹی میں ایم اے لیول پر شاہ ولی اللہ کی کتاب الفوز الکبیر کا تنقیدی جائزہ کے نام سے محترمہ فاطمہ بیگم نے ایک مقالہ تحریر کیا۔

۲۔ فوزیہ برکت نے ۱۹۹۹ء میں ایم اے کا مقالہ "تذکیر بآلاء اللہ قرآنی حکمت واسلوب" کے نام سے پنجاب یونیورسٹی لاہور میں اپنا مقالہ پیش کیا۔

۳۔ عارف اللہ نے ۲۰۱۲ء میں پی ایچ ڈی کا مقالہ "اسلام اور دیگر ابراہیمی مذاہب کی اساسی نصوص کے تناظر میں انسداد، فساد اور اقامت کا تقابلی مطالعہ" پشاور یونیورسٹی میں پیش کیا۔

۴۔ ڈاکٹر محمد الشنوانی نے اپنا پوسٹ ڈاکٹریٹ کا مقالہ "الیھودیہ بین القرآن الکریم والدراسات المعاصرہ" کے نام سے جامعہ الازہر الشریف میں ۲۰۱۴ء میں پیش کیا ہے۔

۵۔ عبد الرؤف باجوہ نے ۲۰۰۷ء میں اپنا ایم فل کا مقالہ "اہل کتاب سے مسلمانوں کے تعلقات" کے نام سے اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور میں پیش کیا۔

یہ تمام مقالہ جات میرے مقالے سے بالکل مختلف عنوانات رکھتے ہیں۔ میں نے اپنے اس تحقیقی مقالہ جس کا عنوان ہے: آیات علم المخاصمہ کی روشنی میں باطل نظریات کا ردّ (منتخب اردو تفاسیر کی روشنی میں تحقیقی جائزہ) میں مشرکین، یہود، نصاری اور منافقین کے ان تمام عقائد باطلہ کو سامنے لایا ہے جس پر قرآن کریم نے رد کیا ہے اور عصر حاضر میں ان سازشوں اور تحریکات سے ہم بچ سکتے ہیں جو قرآن کریم کی نظر میں بالکل باطل عقائد میں شمار ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ دور حاضر کی بحث و مباحثوں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

بیان مسئلہ:(Statement of the Problem)

قرآن سابقہ شرائع کی طرح لوگوں کی تہذیب نفس اور ان کے باطل عقائد اور فاسد اعمال کی اصلاح کے لیے نازل ہوا اور یہی سبب آیات مخاصمہ کے نزول کا ہے تاکہ برے اعمال کی بیخ کنی اور عقائد باطلہ کو مٹایا جاسکے۔ چنانچہ آج کے دور میں اس چیز کی اشد ضرورت ہے کہ عقلی دلائل کے علاوہ قرآنی اسلوب کو مد نظر رکھ کر عصر حاضر کے باطل نظریات کو واضح کیا جائے۔ جو قرآن نے حدود مقرر کی ہیں ان کو مد نظر رکھا جائے۔ چنانچہ مقالہ ہذا میں اس علم مخاصمہ کی اہمیت اور عصر حاضر میں اس سے کیسے استفادہ کیا جائے، پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

ضرورت واہمیت(Significance of the Study)

قرآن مجید میں چار گمراہ قوموں مشرکین، یہود، نصاریٰ اور منافقین سے بحث ومباحثہ کیا گیا ہے۔ پہلا گروہ مشرکین کا جو اپنے آپ جو حنیفی کہتے تھے۔ ان کا دعوی تھا کہ وہ دین ابراہیمی پر ہیں۔ ابراہیمی طریقے میں جو احکام شامل تھے، ان پر عمل کرنا نیکی اور بھلائی سمجھا جاتا تھا لیکن مشرکین کی اکثریت ان سب باتوں کو بھلا چکی تھی۔ اسی طرح یہود کا دعویٰ تھا کہ وہ تورات کو مانتے ہیں۔ مگر ان کی گمراہی یہ تھی کہ انہوں نے تورات کے احکام بدل ڈالے تھے۔ یہ تبدیلی الفاظ میں بھی کی گئی اور معانی میں بھی کر دی گئی۔ تیسرا گروہ عیسائی قوم کی تھی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت پر ایمان کا عویٰ رکھتی تھی لیکن ان کی گمراہی یہ تھی کہ وہ خدا کو ایسی تین چیزوں کو مرکب قرار دیتے تھے، جو کبھی ایک دوسرے سے مختلف اور کبھی تینوں ایک۔ جسے انہوں نے "اقانیم ثلاثہ" کا نام دے رکھا تھا۔ اسی طرح چوتھا گروہ منافقین کا تھا، جو زبان سے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے تھے، لیکن حقیقت میں وہ مسلمان نہ تھے۔

قرآن مجید نے جہاں ان تمام گروہوں کے عقائد کی تفصیل بیان کی ہے اور ان میں پیدا ہونے والی خرابیوں کا تذکرہ کیا ہے وہاں ان پر رد بھی کیا ہے۔ اس مقالہ میں ان تمام گروہوں، جن کے ساتھ مخاصمہ کیا گیا ہے، ان کے عقائد کا قرآن کی روشنی میں مختلف اردو تفاسیر سے جمع کیا گیا ہے۔

تقابل ادیان پر کام کرنے والے محققین اور وہ تمام لوگ جو حقیقت سے باخبر ہونے میں دلچسپی رکھتے ہیں، مقالہ ہذا سے ان تمام لوگوں کے لیے فائدہ مند ثابت ہوگا اور انہیں یہ جاننے میں مدد دے گا کہ کس مذہب کی تعلیمات محوظ ہیں اور کس میں ترامیم کر دی گئی ہیں۔

مقاصد تحقیق:(Objective of the Study)

اس مقالے کے اہم مقاصد میں سے درج ذیل ہیں:

١. آیات علم المخاصمہ کی روشنی میں چار گروہ یہود، نصاریٰ، مشرکین اور منافقین کے نظریات اور طرز استدلال کو قرآن مجید کی روشنی میں جانچنا

٢. غلط اور باطل نظریات کے رد میں اسلوب قرآن کا اطلاقی پہلو واضح کرنا

٣. اردو تفاسیر کی روشنی میں ان عقائد و نظریات کے بارے میں بیان کردہ حقائق کو جمع کرنا۔

سوالات تحقیق: (Research Questions)

١. قرآن کریم نے بنیادی عقائد کے حوالے سے کن گروہوں کے ساتھ مخاصمہ کیا ہے؟

٢. قرآن کریم نے مشرکین، یہود، نصاریٰ اور منافقین کے نظریات کو کس اسلوب اور دلائل سے رد کیا ہے؟

٣. اردو تفاسیر میں مذکورہ گروہوں کے افکار و عقائد سے بحث کا کونسا طریقہ اختیار کیا گیا ہے نیز ان کا طرز استدلال کیا ہے؟؟

تحدید اور دائرہ کار موضوع:(Delimitations of the Study)

علم مخاصمہ ایک اہم علم ہے جس کے مختلف پہلوؤں پر منفرد انداز میں کام کیا گیا ہے اور مزید اس پر کام کیا جاسکتا ہے۔ میں نے اس موضوع پر منتخب اردو تفاسیر کی روشنی میں کام کیا ہے اور دوران تحقیق بنیادی ماخذ کو سامنے رکھا ہے۔ قرآن و سنت اور اردو تفاسیر سے تفصیلی استفادہ کیا ہے اس کے علاوہ دیگر متفرق کتب سے بھی استفادہ کیا ہے۔ تاہم اس تحقیق میں مجوزہ منتخب اردو تفاسیر درج ذیل ہیں۔

١۔ تفہیم القرآن از مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ

٢۔ معاف القرآن از مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ

٣۔ تفسیر حقانی از مولانا عبد الحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

٤۔ تفسیر ضیاء القرآن از جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

٥۔ تفسیر تبیان القرآن از علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ

منہج تحقیق:(Research Method)

۱. مقالہ ہذا کا اسلوب تجزیاتی، تنقیدی، استنباطی اور اطلاقی اختیار کیا گیا ہے۔

۲. مقالہ کا مواد بنیادی مصادر سے اخذ کیا گیا ہے۔

۳. بقدر ضرورت ثانوی مصادر سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

۴. مقالہ کی ترتیب یونیورسٹی فارمیٹ کے مطابق کی گئی ہے۔

ابواب وفصول کی تقسیم وترتیب:(Chapterization of Research Theme)

باب اول: علم المخاصمہ کا تاریخی پس منظر اور قرآن کریم کا ادیان باطلہ کے ساتھ مخاصمہ کا اسلوب

فصل اول: علم المخاصمہ کا مفہوم، مترادفات اور اس کے اصول ومقاصد

فصل دوم: علم المخاصمہ کا تاریخی پس منظر

فصل سوم: قرآن کریم کا مختلف ادیانِ باطلہ کے ساتھ مخاصمہ کا اسلوب

باب دوم: توحید سے متعلق نظریات اور آیات علم المخاصمہ کے تناظر میں ان کا رد

فصل اول: توحید سے متعلق یہود کا نظریہ

فصل دوم: توحید سے متعلق نصاری کا نظریہ

فصل سوم: توحید سے متعلق مشرکین کا نظریہ

فصل چہارم: توحید سے متعلق منافقین کا نظریہ

باب سوم: فرشتوں سے متعلق نظریات اور آیات علم المخاصمہ کے تناظر میں ان کا رد

فصل اول: فرشتوں سے متعلق یہود کا نظریہ

فصل دوم: فرشتوں سے متعلق نصاری کا نظریہ

فصل سوم: فرشتوں سے متعلق مشرکین کا نظریہ

باب چہارم: آسمانی کتب سے متعلق نظریات اور آیات علم المخاصمہ کے تناظر میں ان کا رد

فصل اول: آسمانی کتب سے متعلق یہود کا نظریہ

فصل دوم: آسمانی کتب سے متعلق نصاری کا نظریہ

فصل سوم: آسمانی کتب سے متعلق مشرکین کا نظریہ

باب پنجم: رسالت سے متعلق نظریات اور آیات علم الخاصمہ کے تناظر میں ان کا جائزہ

فصل اول: رسالت سے متعلق یہود کا عقیدہ

فصل دوم: رسالت سے متعلق نصاری کا عقیدہ

فصل سوم: رسالت سے متعلق مشرکین کا عقیدہ

فصل چہارم: رسالت سے متعلق منافقین کا عقیدہ

باب ششم: آخرت سے متعلق نظریات اور آیات علم الخاصمہ کے تناظر میں ان کا جائزہ

فصل اول: آخرت سے متعلق یہود کا عقیدہ

فصل دوم: آخرت سے متعلق نصاری کا عقیدہ

فصل سوم: آخرت سے متعلق مشرکین کا عقیدہ

نتائج البحث

سفارشات

فہرست قرآنی آیات

فہرست احادیث نبویہ

فہرست اعلام

فہرست مصادر و مراجع

رابعہ کرم دین

باب اول

علم المخاصمہ کا تاریخی پس منظر اور قرآن کریم کا ادیان باطلہ کے ساتھ مخاصمہ کا اسلوب

فصل اول: علم المخاصمہ کا مفہوم، مترادفات اور اس کے اصول و مقاصد

فصل دوم: علم المخاصمہ کا تاریخی پس منظر

فصل سوم: قرآن کریم کا مختلف ادیانِ باطلہ کے ساتھ مخاصمہ کا اسلوب

تمہید:

قرآن کریم میں مختلف محرفہ ادیان کے پیروکاروں سے جو مخاصمہ ہوا ہے، ان آیات کو لیکر چندہ منتخب تفاسیر کی روشنی میں اس کا تحقیقی مطالعہ پیش کرنے سے پہلے اس باب میں تین فصول لکھی جائے گی۔

فصل اول میں لغت عرب کی مشہور ومتداول کتب سے لغوی تحقیق نقل کی جائے گی، اس کے بعد اصطلاحی مفاہیم لکھی جائے گی۔

لغوی واصطلاحی تعریفات کے بعد لغت عرب میں مستعمل دیگر مترادف کلمات ذکر کی جائے گی، ہر ایک اصطلاح کی لغوی واصطلاحی تعریف اور مثالیں نقل کی جائے گی۔ ان مترادفات میں جو لغوی فروق ہیں اس کو بھی واضح کیا جائے گا۔ نیز علم مخاصمہ کے آداب اصول اور مقاصد بھی اس فصل میں تحریر کیے جائیں گے۔

فصل دوم میں علم المخاصمہ کا تاریخی پس منظر بیان ہو گا، جس میں اولین مکالمہ جو اللہ تعالی اور فرشتوں کا تخلیق آدم کے حوالے سے ہوا ہے، اس کے بعد اللہ تعالی اور ابلیس کا جو مخاصمہ کلامی ہوا ہے، اس سے ہوتے ہوئے اللہ تعالی کا انبیاء سے اور انبیاء کے توسط سے عامۃ الناس سے جو مکالمات اور مخاصمات کلامیہ ہوئے ہیں مرحلہ وار ذکر کیا جائے گا۔

فصل سوم میں قرآن کریم میں جو ادیان محرفہ ذکر ہوئے ہیں اور ان کے باطل نظریات کے ساتھ جو مخاصمہ ہوا ہے، ان آیات کی روشنی میں جو اسالیب اخذ ہوتے ہیں ان اسالیب کو ذکر کیا جائے گا۔ مثلا قرآن کریم کے آیات مخاصمہ کا ایک اسلوب یہ ہے کہ اس میں دعوت کا پہلو سمویا ہوتا ہے توحید کی دعوت، رسالت کی دعوت، فرشتوں اور کتابوں اور یوم آخرت پر ایمان کی دعوت۔

ایک اسلوب ان آیات میں دعوت کے ساتھ ساتھ خیر خواہی وہمدردی کا عنصر نمایاں نظر آتا ہے۔ اسی طرح ترغیب وترہیب کا اسلوب بھی موجود ہے، انکار ورد کا اسلوب بھی پایا جاتا ہے۔ خصم کی نفسیات اور احساسات کا بھرپور لحاظ بھی اس میں رہتا ہے۔ عدل وانصاف سے عدم احتراز یہ چند اور چند دیگر اسالیب ہیں جو قرآن کریم کی آیات مخاصمہ سے معلوم ہوتی ہیں چنانچہ فصل سوم میں اس کو تفصیلا ذکر جائے گا۔

فصل اول:

علم المخاصمہ کا مفہوم، مترادفات اور اس کے اصول ومقاصد

عربی لغت میں مخاصمہ کی لغوی تحقیق کیا ہے اور اس کا اصطلاحی مفہوم کیا بنتا ہے؟ نیز اس کے مترادفات کون کونسے ہیں ان میں باہمی فرق کیا ہے؟ نیز مخاصمہ کے اصول ومقاصد کیا ہے ذیل میں یہ تمام تفصیلات لکھی جاتی ہیں۔

لغوی مفہوم:

لغوی طور پر مخاصمہ کا لفظ عربی زبان سے لیا گیا ہے اس کا عام مفہوم ہے:

بحث ومباحثہ، دشمنی کرنے والا، مخالفت کرنے والا، تنازع اور باہمی عداوت۔ اس کا مادہ اصلی "خصم" ہے۔

جیسا کہ لسان العرب میں ہے:

خصم:الخصومة:الجدل خاصمه خصاماومخاصمة فخصمه يخصمه خصما:غلبه بالحجة،والخصومة الاسم من التخاصم والاختصام۔(1)

ترجمہ:: تنازعہ، خصومت، لڑائی جھگڑا کو کہتے ہیں، اس شخص نے جھگڑا کیا، اس پر دلیل وحجت سے غلبہ پایا اور خصومت، تخاصم اور اختصام سے اسم ہے جو باب تفاعل اور افتعال سے مصدر کا صیغہ بنتا ہے۔

اس بنیاد پر علم المخاصمہ میں تشارک جانبین ہوتا ہے جو مباحثہ اور مناظرہ میں شریک ہوتے ہیں۔ جیسا کہ کتاب العین میں ہے:

اختصم القَوْم وتخاصموا وخاصَمَ فلانٌ فلاناً مُخاصَمَةً وخِصاماً(2)

ترجمہ: اختصم القوم لوگوں نے باہم جھگڑا کیا اور فلاں نے فلاں سے مخاصمہ کیا یعنی باہمی مباحثہ اور مناظرہ کیا۔

علم المخاصمہ کو مجادلہ بھی کہتے ہیں جیسا کہ فیروز اللغات میں ہے:

مخاصمہ یعنی جدال اور منازعہ کیا یعنی مباحثہ اور مناظرہ کیا۔

---

(۱) لسان العرب، ابن منظور الافریقی، دار صادر، بیروت، لبنان، ۲/ ۱۸۰

(۲) کتاب العین، الخلیل بن احمد الفراہیدی، دار الکتب العلمیہ، لبنان، ۱۴۲۴ھ، باب الخاء، الجزء الاول، ط، اولیٰ، ص:۴۱۴

اردو لغات میں مخاصمہ کا مفہوم:

مخاصم: دشمنی کرنے والا، خصومت رکھنے والا۔

مخاصمت: دشمنی، مخالفت، لاگ، بیر سے لیا گیا ہے۔ (۱)

لہذا مخاصمت سے فریقین کے درمیان خصومت، جھگڑے، باہمی دشمنی، عداوت، مخالفت اور بحث و مباحث کے معنٰی پائے جاتے ہیں۔

اصطلاحی مفہوم:

علم المخاصمہ سے مراد قرآن کریم میں چار گمراہ فرقوں یعنی یہودیوں، عیسائیوں، مشرکین اور منافقین سے بحث و مباحثہ ہے۔ (۲)

جس میں تبعاً دیگر باطل فرقے اور اہلِ ملل وادیان شامل ہیں جو زندگی گزارنے، کائنات اور خالقِ کائنات کے متعلق وہ تصور اور عقیدہ نہیں رکھتے جو قرآن مجید بیان کرتا ہے۔ بلکہ کسی نہ کسی طریقے سے اس کی مخالفت کرتے ہیں۔

یہ مباحثہ اور مناظرہ دو طرح سے ہوا ہے؛ ایک طرف سے اس کا بطلان ظاہر کر کے اس سے نفرت کا اظہار کیا گیا ہے تو دوسری طرف ان کے شبہات اور گمراہیوں کو ادلہ قطعیہ سے واضح کر دیا گیا ہے۔

لغوی اور اصطلاحی مفہوم میں مناسبت:

مخاصمت میں لغوی معنٰی میں جانبین کی مشارکت پائی جاتی ہے اور اصطلاحی معنٰی میں دینِ اسلام یا قرآن مجید کا باطل فرقوں سے ادلہ کے ذریعے مباحثہ، مجادلہ اور مناظرہ مراد ہے۔ پس یہ علم المخاصمہ و مناظرہ ادلہ کے ذریعے ان مذاہب پر کائنات، موجودات اور مؤجدِ کائنات کے بارے میں اور اس کے بھیجے ہوئے رسولوں اور انبیاء علیہم السلام کے بارے میں صحیح تصور اور معلومات کو سامنے لانا ہے، تاکہ حق، حق اور باطل، باطل قرار پائے اور انسانیت کو درست رہنمائی فراہم ہو سکے۔

---

(۱) فیروز اللغات، الحاج مولوی فیروز الدین، فیروز سنز لمٹیڈ، لاہور، ص:۱۳۵۸، علمی اردو لغت، وارث سرہندی، علمی کتاب خانہ، لاہور، ص:۱۲۱۵

(۲) دیکھئے الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، مترجم پروفیسر محمد رفیق چوہدری، مکتبہ قرآنیہ، لاہور، ص:۱۴

علم المخاصمہ کے مترادفات:

علم المخاصمہ کے مترادفات میں سے جدل، مناظرہ، حوار، مراء، الد الخصام، اللدد وغیرہ ہیں۔

☆ جدل/مجادلہ

جدل: رجلٌ جَدْلٌ مِجدالٌ أي خَصْمٌ مِخْصاموالفِعْلُ جادَلَ يُجادِلُ مُجادَلةً جَدَّلْتُه تَجديلاً أي صَرَعْتُه[1]

ترجمہ: جھگڑالو انسان اور یہ باب مفاعلہ سے جادل یجادل، مجادلۃ اسم ہے۔ دلیل کی کمزوری کے باعث میں نے اسے پچھاڑ دیا۔

مجادلہ کے لغوی معنیٰ اس طرح سے بیان ہوئے ہیں:

وجادل جدالاً ومجادلة۔اذاخاصم بما يشغل عن ظهور الحق ووضوح الصواب۔[2]

ترجمہ: اس نے خوب مناظرہ کیا تاکہ ظہور حق اور اس کی واضح ہو اور درست ثابت ہونے سے مشغول رکھیں۔

مجادلۃ کا اصطلاحی معنیٰ ومفہوم:

قال الآمدى:هى المدافعة لاسكات الخصم[3]

ترجمہ: اصطلاح میں "مجادلہ" مدمقابل کو خاموش کرنے کے لیے دفاع کا نام ہے۔

قرآن پاک میں مجادلہ کا لفظ ایسے مواقع پر استعمال ہوا ہے جو ناپسندیدہ اور غیر سنجیدہ ہیں۔

مثال:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَجَادَلُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ﴾[4]

ترجمہ: انہوں نے بنیاد باتوں کے ذریعے جھگڑا کیا تاکہ اس کے ذریعے حق (کا اثر) زائل کردیں۔

---

(۱) کتاب العین، الخلیل بن احمد الفراھیدی، دار الکتب العلمیہ، لبنان، ۱۴۲۴ھ، باب الجدل، الجزء الاول، ط اولیٰ، ص:۲۲۴

(۲) لسان العرب، ابن منظور الافریقی، دار صادر، بیروت، ۲/۱۸۳

(۳) شرح الولدیۃ فی آداب البحث والمناظرۃ، محمد امین بن محمد المختار الحلبینی الشنقیطی، دار علم الفوائد، ۱۳۸۰ھ، ص:۷

(۴) سورۃ مومن: ۴۰/۵

یہاں انبیاء کرام علیہ السلام کے ساتھ کفار کے جھگڑے کو مجادلہ مذمومہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُّنِيرٍ ﴾ (۱)

ترجمہ اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ (کی ذات وصفات اور قدرتوں) کے بارے میں جھگڑا کرتے رہتے ہیں بغیر علم و دانش کے اور بغیر کسی ہدایت و دلیل کے اور بغیر کسی روشن کتاب کے (جو آسمان سے اتری ہو)۔

ایسے باطل شغل کے بارے میں ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا يُجَادِلُ فِي آيَاتِ اللَّهِ إِلَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ﴾ (۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں کوئی جھگڑا نہیں کرتا سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے کفر کیا سوا ان کا شہروں میں (آزادی سے) گھومنا پھرنا تمہیں مغالطہ میں نہ ڈالے۔

جہاں تک مجادلہ کا تعلق ہے تو یہ بھی مخاصمہ کی طرح فریقین کے مابین کسی بات پر ہوتا ہے۔ گو مناظرہ ہی کے لیے جدال، مجادلہ اور جدل تینوں الفاظ آئے ہیں۔ یہ الفاظ عناد، غلبہ اور عداوت کے مختلف انداز ظاہر کرتے ہیں مجادلہ میں فریقین میں سے ہر ایک اپنی رائے پر ڈٹ جاتا ہے، جس سے مخالف کے دل میں دشمنی جیسی مذموم چیز پیدا ہو جاتی ہے گویا مجادلہ ہی کو مناظرہ اور مخاصمہ کہتے ہیں۔ (۳)

مباحثہ ومناظرہ کے لیے اگرچہ قرآن پاک میں جدل کے الفاظ آتے ہیں تاہم اسے احسن طریقے سے کرنے کا حکم دیا جس میں حکمت و دانائی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔

مثال:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ (۴)

---

(۱) سورۃ الحج: ۸/۲۲

(۲) سورۃ المومن: ۴/۴۰

(۳) لسان العرب، ۱۰۵/۱۱، مادہ جدل

(۴) سورۃ العنکبوت: ۴۶/۲۹

ترجمہ: اور اے مسلمانو کتابیوں سے نہ جھگڑو مگر بہتر طریقہ پر۔

دوسری جگہ مزید اس کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴾(۱)

ترجمہ: اور ان سے بحث (بھی) ایسے انداز سے کیجئے جو نہایت حسین ہو، بیشک آپ کا رب اس شخص کو (بھی) خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں کو (بھی) خوب جانتا ہے۔

☆ مناظرہ:

"الْمُنَاظَرَةُ لُغَةً: يُقَالُ: نَاظَرَ فُلَانًا: صَارَ نَظِيرًا لَهُ، وَنَاظَرَ فُلَانًا: بَاحَثَهُ وَبَارَاهُ فِي الْمُجَادَلَةِ، وَنَاظَرَ الشَّيْءَ بِالشَّيْءِ: جَعَلَهُ نَظِيرًا لَهُ.فَالْمُنَاظَرَةُ مَأْخُوذَةٌ مِنَ النَّظِيرِ أَوْ مِنَ النَّظَرِ بِالْبَصِيرَةِ"(۲)

ترجمہ: مناظرات اس کی جمع ہے اور ناظر سے مصدر ہے۔ "المناظر" لغت میں کہا جاتا ہے: "ناظر فلانا" وہ اس جیسا ہو گیا، اور "ناظر فلانا" اس نے اس سے مباحثہ کیا اور لڑائی میں آگے بڑھ گیا، اس لیے کہ اسے اس جیسا بنا دیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ مناظرہ نظیر سے ماخوذ ہے، یا نظر یعنی بصیرت سے ماخوذ ہے۔

☆ الد الخصام (اللدد):

﴿وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ﴾(۳)

ترجمہ: اور وہ سب سے بڑا جھگڑالو ہے۔

---

(۱) سورۃ النحل:۱۶/۱۲۵

(۲) المعجم الوسیط، مجمع اللغۃ العربیۃ بالقاھرۃ، ابراہیم مصطفیٰ، دارالدعوۃ، جلد، ۲، ص:۶۴۲۔ لسان العرب، ابن منظور الافریقی، دار المعارف، ۶/۷۰۹

(۳) سورۃ البقرۃ:۲/۲۰۴

قال الصنعاني: (أي: الشديد المراء، أي الذي يحجُّ صاحبه)[1]

ترجمہ: صنعانی فرماتے ہیں کہ الد الخصام کا معنی ہے سخت بحث و مباحثہ کرنے والا یعنی وہ اپنے دوست کے ساتھ بحث ومباحثہ کرتا ہے۔

وقال النووي: (والألدُّ: شديد الخصومة، مأخوذ من لديدي الوادي، وهما جانباه؛ لأنَّه كلما احتجَّ عليه بحجة أخذ في جانب آخر)

ترجمہ: علامہ النوی نے کہا: (اورالد: بہت مخالفت کرنے والا، یہ لفظ لدیدی کی وادی سے لیا گیا ہے، جو اس کے پہلو ہیں۔ کیوں کہ جب بھی اس نے کسی اور طرف جانے کے بہانے اس کے خلاف احتجاج کیا۔

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللَّهَ عَلَى مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ﴾[2]

ترجمہ: اور بعض آدمی وہ ہیں کہ دنیا کی زندگی میں اس کی بات تجھے بھلی لگے اور اپنے دل کی بات پر اللہ کو گواہ لائے اور وہ سب سے بڑا جھگڑالو ہے۔

مذکورہ آیت میں أَلَدُّ الْخِصَامِ کا لفظ استعمال ہوا ہے اور اس سے مراد جھگڑالو کے ہیں۔

مناظرۃ کی اصطلاحی تعریف:

علامہ آمدی نے اس کی تعریف یوں کی ہے:

"بانها تردد الكلام بين الشخصين يقصد كل منهما تصحيح قوله وابطال قول صاحبه ليظهر الحق"۔[3]

دوآدمیوں کے درمیان گفتگو کا تکرار ہے، جن میں ہر ایک اپنے قول میں صحیح ہونے اور دوسرے کے قول کو باطل کرنے کا خواہاں تاکہ حق کا بول بالا ہو۔

---

(۱) سبل السلام المؤلف: محمد بن إسماعيل بن صلاح بن محمد الحسني، الناشر: دار الحديث الطبعة

(۲) سورۃ البقرۃ: ۲/ ۲۰۴

(۳) شرح الولدیۃ فی آداب البحث والمناظرۃ، محمد امین بن محمد المختار الجکبینی الشنقیطی، دار علم الفوائد، ۱۳۸۰ھ، ص: ۷

۱۔ مناظرہ: بحث، مباحثہ، تکرار۔ وہ علم جس میں بحث کرنے کے قوانین درج ہوں۔ کسی چیز کی حقیقت وماہیت کے واسطے باہم فکر کرنا۔[۱]

استدلال سے دوسرے کی بات کو رد اور اپنی بات کو صحیح ثابت کرنے کا عمل، مباحثہ، خصوصاً مذہبی امور یا مسائل سے متعلق بحث، تقریر کا جواب تقریر سے (بطور مقابلہ) مناظرہ سے کرے، غصے میں نہ آئے، تندی سے نہ بولے۔[۲]

مناظرہ: باہمی بحث، مباحثہ اور تکرار کو کہتے ہیں۔ جو لغوی طور پر ناظر باب مفاعلہ سے مصدر ہے۔[۳]

مخاصمہ کی طرح مناظرہ میں بھی فریقین میں مخصوص نوعیت کے موضوع پر گفتگو ہی ہوتی ہے لیکن مناظرہ کے دوران بعض اوقات طریفین کے درمیان شدت، کشیدگی اور رجھگڑے کی سی فضاء پیدا ہو جاتی ہے۔[۴]

مثال:

جیسے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے منقول ہے:

"لا تخاصم أحدًا ولا تناظره، ولا تتعلم الجدال؛ فإنَّ الكلام في القدر والرؤية والقرآن وغيرها من السنن مكروه منهي عنه، لا يكون صاحبه -إن أصاب بكلامه السنة- من أهل السنة حتى يدع الجدال"[۵]

کسی سے مخاصمہ اور مناظرہ مت کرے، اور علم جدل مت سیکھیں، کیونکہ تقدیر، رویت باری تعالی، قرآن کریم کے حوالے سے مناظرہ کرنا ان عادتوں میں سے ہے جو ناپسندیدہ اور ممنوع ہے۔ کوئی آدمی اس وقت تک اہل سنت میں سے شمار نہیں ہو سکتا جب تک وہ علم جدل کو نہ چھوڑدے۔

اسی طرح علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ اپنی کتاب جامع بیان العلم وفضلہ میں لکھتے ہیں:

---

(۱) علمی اردو لغت، وارث سرہندی، علمی کتاب خانہ، لاہور، ص:۱۴۲۷، نور اللغات، مولوی نور الحسن، نیشنل بک فاونڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۰۴ء، ص:۱۶۴۴

(۲) اردو لغت (تاریخی اصول پر) اردو لغت بورڈ، کراچی، ۲۰۰۲ء، جلد ہژدہم، ص:۲۸۷

(۳) جواہر اللغات، پروفیسر بشیر احمد صدیقی، کتابستان پبلشنگ کمپنی، لاہور، ص:۱۰۷، قاموس مترادفات، وارث سرہندی، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۲۰۰۱ء، ص:۱۰۲۱

(۴) کیف تحاور، دکتور طارق بن علی الحبیب، دار السلام للنشر والتوزیع، ط اولی، ۱۴۱۴ھ، ۱۹۹۴ء، ص۸

(۵) الآداب الشرعیة، عبد اللہ محمد ابن مفلح المقدسی، المکتبۃ الموسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۹۹۹، ۱/۲۰۱

"وتناظر القوم وتجادلوا في الفقه، ونهوا عن الجدال في الاعتقاد، لأنه يئول إلى الانسلاخ من الدين"[۱].

☆ مناقشہ:

مخاصمہ کے مترادفات میں سے ایک مناقشہ ہے جو ناقش یناقش سے مصدر کا صیغہ ہے۔ جیسا کہ تاج العروس میں لکھا ہے:

"مناقشه: مصدر نَاقَشَ، المناقشة لغة:۔يقال: نقش الشئ نقشاً: بحث عنه، ونقش الحق من فلان، وناقشه"۔[۲]

ترجمہ: اس نے کسی چیز کے بارے میں ٹوہ لگائی اور اسے ڈھونڈ نکالا۔ اس نے فلاں سے حق کے بارے میں گفتگو کی۔

اس بنیاد پر مناقشہ، جھگڑا، قضیہ اور نزاع کو کہتے ہیں۔[۳]

قاموس مترادفات میں مناقشہ کے معنٰی اس طرح سے بیان ہوئے ہیں:

جھگڑا۔ تکرار۔ بکھیڑا۔ مجادلہ۔ منازعت۔[۴]

☆ حوار

حوار بھی مخاصمہ کے مترافات میں سے ہے۔ عربی لغت میں ہے:

"اَلْحِوَار: حَدِيْثٌ يَجْرِى بَيْنَ شَخْصَيْنِ أو أَكْثَر فِى العَمَلِ الْقَصَصِى،أو بَيْنَ مُمَثَّلَيْنِ أو أَكْثَر"[۵]

ترجمہ: یعنی دو یا دو سے زیادہ اشخاص یا کرداروں کے درمیان قصہ گوئی کے ماحول میں ہونے والی بات چیت)۔

---

(۱) صحیح جامع بیان العلم وفضلہ، ابن عبد البر الاندلسی، مکتبۃ ابن تیمیہ القاھرۃ ۲۰۱۶، ۲/ ۹۴۸

(۲) تاج العروس، محمد بن محمد بن عبد الرزاق المرتضیٰ الزبیدی، طبعۃ الکویت، ج۷، ۶:۲۴۷۔ الموسوعۃ الفقھیۃ، الجزء التاسع والثلاثون، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۲۰ھ، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیۃ، الکویت، ص:۷۳

(۳) علمی اردو لغت، وصی اللہ کھوکھر، الحسنات بکس پرائیویٹ لمیٹڈ لاہور، ص ۱۴۲۷

(۴) قاموس مترادفات، وارث سرہندی، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۲۰۰۱ء، ص ۱۰۲۱، پروفیسر بشیر احمد صدیقی، کتابستان پبلشنگ کمیٹی، لاہور، ص ۷۱۱

(۵) المعجم الوسیط، الجزء الاول، المکتبہ الاسلامیہ، استنبول، ۱۹۸۲ء، ص ۲۰۵

اَلْحِوَار : حَدِيْثٌ يَدُوْرُبَيْنَ اثْنَيْنِ عَلَى الْأَقَلّ، وَيَتَنَاوَلُ شَتَّى الْمَوْضُوْعَاتِ، أوْهُوَ كَلَامٌ يَقَعُ بَيْنَ الأدِيْبِ وَنَفْسهُ۔[1]

(یعنی کم ازکم دواشخاص کے درمیان جاری بات چیت جس میں مختلف موضوعات زیر بحث ہوں) یاادیب اوراس کے نفس ناطقہ کے درمیان جاری بات چیت۔

الحوار : المحادثۃ[2]، interlocution, talking, discussion conversation, dialogue,

الحوار : مُرَاجَعَةُالْكَلَامِ[3] (بات کابار بار دھرانا)۔

مثال:

قرآن پاک میں لفظ الحوار صرف تین جگہوں پر آیا ہے:

﴿ قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِن تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوَّاكَ رَجُلاً ﴾[4]

ترجمہ: اس کے ساتھی نے اس سے کہااور وہ اس سے تبادلہ ءخیال کر رہا تھا: کیاتو نے اس (رب) کا انکار کیاہے جس نے تجھے (اوّلاً) مٹی سے پیدا کیا پھر ایک تولیدی قطرہ سے پھر تجھے (جسمانی طور پر) پورامرد بنادیا؟

﴿ فَقَالَ لِصَاحِبِهِ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ ﴾[5]

ترجمہ: اپنے ساتھی سے بولا اور وہ اس سے ردوبدل (بات چیت) کرتا تھا۔

﴿قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِي إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ﴾[6]

---

(۱) المعجم الادبي، الدکتور جبور عبد النور، دار العلم للملايين، الطبعۃ الثانیۃ ۱۹۸۴: ص ۱۰۰

(۲) المورد الوسیط المزدوج، روحی البعلبکی، مکتبہ دار العلم للملایین، لبنان ۱۹۹۸، ص ۳۱۱

(۳) مقاییس اللغۃ، ابن فارس، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۲/ ۱۱۷

(۴) سورۃ الکہف: ۱۸/ ۳۷

(۵) سورۃ الکہف: ۱۸/ ۳۴

(۶) سورۃ المجادلۃ: ۵۸/ ۱

ترجمہ: بیشک اللہ نے اس عورت کی بات سن لی ہے جو آپ سے اپنے شوہر کے بارے میں تکرار کر رہی تھی اور اللہ سے فریاد کر رہی تھی، اور اللہ آپ دونوں کے باہمی سوال وجواب سن رہا تھا، بیشک اللہ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔

ان تینوں مقامات سے ظاہر ہوا کہ حوار دو طرفین کے درمیان ہوتا ہے۔[۱]

جیسا کہ ندوۃ العالمیہ شباب نے اس کی تعریف یوں کی ہے:

"الحوار هو:نوع من الحديث بين شخصين او فريقين،يتم فيه تداول الكلام بينهما بطريقة متكافئة فلايستأثر به احدهمادون الآخر"۔[۲]

ترجمہ: حوار یہ ہے کہ: دو افراد یا دو گروہوں کے مابین گفتگو کا ایک قسم ، جس میں ان دونوں کے مابین ایک جیسے انداز میں الفاظ کا تبادلہ ہوتا ہے ، پس اس میں ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش نہیں ہوتی ۔

☆ مراء:

لغت عرب کے استقصاء سے معلوم ہوتا ہے، کہ مخاصمہ کے مترادفات میں سے لفظ مراء بھی ہے۔

تاج العروس میں اس کی لغوی تحقیق یوں لکھی گئی ہے:

"وماراه مماراة ومراء جادله ولاحه ومنه قوله تعالی أفتمارونه على ما يرى أي أفتلا حونه مع ما يرى من الايات المثبتة لنبوته كما في الاساس قال وهو مجاز، وأصل المماراة المحالبة كان كل واحد يحلب ما عند صاحبه "[۳]

مادہ مماراۃ اور مراء کا معنی ہے مجادلہ، مباحثہ، اسی سے اللہ تعالی کا قول ہے ﴿أَفَتُمَٰرُونَهُۥ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ﴾ [۴] "کیا تم رسول اللہ ﷺ سے جھگڑتے ہو اس بات پر کہ انہوں نے جو جبریل کو دیکھا ہے۔" ان آیات میں بحث کرتے ہو کہ جو انہوں نے نبوت کو ثابت کرنے والی نشانیوں کو دیکھا

---

(۱) ابو جعفر محمد بن جریری، تفسیر طبری، الطباعۃ والنشر والتوزیع، ۱۴۲۲ دار المعرفہ ،بیروت۔لبنان ھ، ۲۰۰۱ء، ۱۵/ ۲۴۷

(۲) الندوۃ العالمیۃللشاب الاسلامی فی اصول احوار، الریاض، الندوۃ العالمیۃ، ۱۴۱۵ھ، ص:۱۱

(۳) تاج العروس، محمد بن محمد الزبیدی، ۱\۸۵۹۷

(۴) سورۃ النجم: ۵۳/ ۱۲

ہے، جس طرح کتاب اساس میں ہے، کہتے ہیں یہ مجاز ہے، مماراۃ کا اصل باہم دودھ دھونا، کیونکہ ان میں سے ہر ایک نکالتا ہے جو ان کے پاس ہوتا ہے۔

نیز حدیث مبارکہ میں ہے:

((عن أبي أمامة الباهلي: أنا زعيمٌ ببَيْتٍ في رَبَضِ الجَنَّةِ لِمَن ترَك المِراءَ وإنْ كان مُحِقًّا، وببَيْتٍ في وسَطِ الجَنَّةِ لِمَن ترَك الكَذِبَ وإن كان مازحًا، وببَيْتٍ في أعلى الجَنَّةِ لِمَن حَسُنَ خُلُقُه)) (۱)

ترجمہ: 'ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ 'رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں اس شخص کے لیے جنت کے اندر ایک گھر کا ضامن ہوں جو لڑائی جھگڑا ترک کردے، اگرچہ وہ حق پر ہو، اور جنت کے بیچوں بیچ ایک گھر کا اس شخص کے لیے جو جھوٹ بولنا چھوڑ دے اگرچہ وہ ہنسی مذاق ہی میں ہو، اور جنت کی بلندی میں ایک گھر کا اس شخص کے لیے جو خوش خلق ہو"۔

مراء کی اصطلاحی تعریف:

مراء کے معنی لغت میں:

[اسم] جھگڑا کٹ حجتی بحث، مناظرہ کرنا، بحث ومباحثہ کرنا حجت بازی کرنا جھگڑنا۔(۲) قرآن کریم میں ہے ﴿فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ إِلَّا مِرَاءً ظَاهِرًا﴾(۳) ترجمہ: تو ان کے بارے میں سرسری گفتگو کے سوا جھگڑا نہ کر۔

مراء کی اصطلاحی تعریف میں علامہ زبیدی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

"وقال المناوی المراء طعن في كلام الغير لاظهار خلل فيه من غير أن يرتبط به غرض سوى تحقير الغير وقال ابن الاثير المراء الجدال والممارأة المجادلة على مذهب الشك والريبة ويقال للمناظرة مماراة لان كل واحد يستخرج ما عند صاحبه ويمتريه كما يمترى الحالب من الضرع"(۴)

---

(۱) أبوداود، سنن أبي داود، سکت عنہ [وقد قال في رسالته لأهل مكة كل ما سكت عنه فهو صالح

(۲) https://www.almaany.com/ur/dict/ar-ur/%D9%85%D8%B1%D8%A7%D8%A1/

(۳) سورۃ الکہف:۱۸/۲۲

(۴) تاج العروس، محمد بن محمد الزبیدی،۱\۸۵۹۷

علامہ مناوی کہتے ہے، المراء بغرض خلل کسی دوسرے کے کلام میں طعن کرنا، اس میں سوائے تحقیر کے اور کوئی غرض نہیں ہوتی، ابن اثیر کہتے ہے، المراء کا معنی ہے جدال اور ممارات کا معنی ہے مجادلہ کرنا شک اور تردد کے طور پر اسی طور پر مناظرہ کو بھی ممارات کہتے ہے، کیونکہ ان میں سے ہر ایک کہ پاس جو دلائل ہوتے ہیں وہ پیش کرتا ہے اور اس میں باری باری کرتے ہیں جس طرح دودھ دھونے والے باری باری تھن سے دودھ نکالتے ہیں۔

مثال:

قرآن کریم میں سورت کہف میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے:

﴿سَيَقُولُونَ ثَلاثَةٌ رَابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ قُلْ رَبِّي أَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَا يَعْلَمُهُمْ إِلا قَلِيلٌ فَلا تُمَارِ فِيهِمْ إِلا مِرَاءً ظَاهِرًا وَلا تَسْتَفْتِ فِيهِمْ مِنْهُمْ أَحَدًا﴾[۱]

ترجمہ: بعض کہیں گے تین ہیں چوتھا ان کا کتا ہے اور بعض اٹکل پچو سے کہیں گے پانچ ہیں چھٹا ان کا کتا ہے اور بعض کہیں گے سات ہیں آٹھواں ان کا کتا ہے کہہ دو ان کی گنتی میرا رب ہی خوب جانتا ہے ان کا اصلی حال تو بہت ہی کم لوگ جانتے ہیں سو تو ان کے بارے میں سرسری گفتگو کے سوا جھگڑا نہ کرو ان میں سے کسی سے بھی انکا حال دریافت نہ کر۔

اسی طرح معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"عن معاذ بن جبل ﷺ أنّه قال: إذا أحببت أخًا فلا تماره"[۲]

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں جب تم کسی سے محبت کرو تو ان سے مراء یعنی بحث ومباحثہ میں جھگڑا مت کرو۔

مذکورہ مترادفات میں فروق لغویہ:

مذکورہ مصطلحات اگرچہ مترادفات ہیں ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں تاہم ان میں لغوی فروق بھی موجود ہیں۔

الفروق اللغویۃ میں جدال اور مراء کا باہم فرق یہ بیان ہوا ہے:

---

(۱) سورۃ الکھف:۱۸/ ۲۲

(۲) رواہ البخاري في الأدب المفرد ۵۴۵، وأبو داود في الزھد ص ۱۸۰، صحیح الأدب المفرد: ۴۲۴۔

"**الفرق بين الجدال والمراء قيل: هما بمعنى. غير أن المراء مذموم، لانه مخاصمة في الحق بعد ظهوره وليس كذلك الجدال**"[1]

جدال اور مراء میں یہ فرق ہے کہ جدال محض مباحثہ کو کہا جاتا ہے جبکہ مراء حق کے ظاہر ہونے کے بعد بھی بحث کرنے کو کہتے ہے۔

اور مناہج الجدل فی القرآن میں جدال مناظرہ اور حوار کے باہمی فروق یوں بیان ہوئے ہیں:

"**الفرق بين الجدل والمناظرة والمحاورة: الجدل يُراد منه إلزام الخصم ومغالبته. أما المُنَاظَرَة: فهي تردد الكلام بين شخصين، يقصد كل واحد منهما تصحيح قوله، وإبطال قول صاحبه، مع رغبة كلٍّ منهما في ظهور الحق. والمُحَاوَرَة: هي المراجعة في الكلام، ومنه التحاور أي التجاوب، وهي ضرب من الأدب الرفيع، وأسلوب من أساليبه، وقد ورد لفظ الجدل والمحاورة معاً في موضع واحد من سورة المجادلة في قوله تعالى: ((قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِي إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا[2])) وقريب من ذلك المناقشة والمباحثة**[3]

جدال اور مناظرہ اور محاورہ میں فرق یہ ہے، جدل سے مراد الزام خصم ہے، اور اس پر غلبہ پانا، جہاں تک مناظرہ باہمی کلام ہوتا ہے دو انسانوں کے درمیان ان میں سے ہر ایک کا مقصد اپنے قول کی تصحیح اور دوسرے کے قول کا ابطال ہوتا ہے، اور ہر ایک اس میں سے حق کے ظہور میں رغبت رکھنے والا ہوتا ہے۔ اور محاورہ وہ کلام میں باہمی غور وفکر ہے، اور اسی سے لفظ تحاور اور تجاوب ہے جو بلند پایہ ادب کا حصہ ہے، اور ادب کے اسالیب میں سے ایک اسلوب ہے، اور لفظ جدل اور محاورہ بھی ایک ساتھ واقع ہوا ہے، جیسے سورت مجادلہ میں ہے، تحقیق اللہ تعالی نے اس خاتون کی بات سن لی جو آپ سے اپنے شوہر کے بابت جھگڑ رہی ہے، اور اللہ سے فریاد کرتی ہے،

---

(۱) الفروق اللغوية، الحسن بن عبد الله بن سهل بن سعيد أبو هلال العسكري، مكتبة دار العلم والثقافة للنشر والتوزيع بيروت، ۲۰۱۴ ۱\۱۵۹

(۲) سورة المجادلة:۱

(۳) مناهج الجدل في القرآن الكريم، زاهر عواض الألمعين، مكتبة نور بيروت، ۲۰۱۸، ص:۲۴

اور اللہ تعالی آپ دونوں کی باہمی گفتگو سن رہے ہیں۔ اور مناقشہ ومباحثہ بھی اسی کے قریب المعنی الفاظ ہیں۔

قرآنی علم المخاصمہ کے اصول:

قرآن مجید میں ادیان محرفہ سے جو مکالمہ اور مجادلہ کیا گیا ہے، محض مخالفت کی بنیاد پر نہیں کیا ہے بلکہ کائنات جو موجودات اور خالقِ کائنات کے متعلق روا رکھے گئے تصور اور عقیدہ کو اور اس پر مرتب ہونے والے اثرات کو مدنظر رکھ کر انسانوں کی رہنمائی کے لیے خاص اصول کو پیشِ نظر رکھا ہے۔ جن کا مختصر تذکرہ ان سطور میں کیا جاتا ہے۔

ا۔ اخلاص ومحبت:

اللہ تعالیٰ کا انبیاء کے ساتھ مکالمے یا بحث اور پیغمبروں کا اپنی قوموں کے ساتھ مکالمے سے اخلاص ومحبت کے جذبات جھلکتے ہیں۔ لہذا ایک مسلمان اور داعی کے لیے اس میں پیغام ہے کہ وہ اخلاص ومحبت سے یہ کام سرانجام دے تاکہ دنیاوآخرت میں اس کے اچھے اثرات نکلیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لاَّ خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلاَّ مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلاَحٍ بَيْنَ النَّاسِ وَمَن يَفْعَلْ ذَلِكَ ابْتَغَاءَ مَرْضَاتِ اللّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا﴾[1]

ترجمہ: ان کے اکثر خفیہ مشوروں میں کوئی بھلائی نہیں سوائے اس شخص (کے مشورے) کے جو کسی خیرات کا یا نیک کام کا یا لوگوں میں صلح کرانے کا حکم دیتا ہے اور جو کوئی یہ کام اللہ کی رضا جوئی کے لئے کرے تو ہم اس کو عنقریب عظیم اجر عطا کریں گے۔

لہذا اسلام کا مقصد مکالمہ برائے خیر وبھلائی ہے۔ خیر کا کوئی پہلو نہیں نکلتا اور انسانوں کی بھلائی محض اگر اس سے رضائے الٰہی مراد نہیں تو یہ مشغلہ بے کار ہے۔

۲۔ حق گوئی اور سچائی:

حق گوئی وسچائی اہم انسانی کام ہے لہذا مکالمہ کے اصولوں میں سے حق گوئی اور سچائی اہم اصول ہے جو آداب مخاصمہ کی بنیادی صفت ہے اور بندہ مومن کا شعار ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

(۱) سورۃ النساء: ۴/ ۱۴۴

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا﴾ (۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرا کرو اور صحیح اور سیدھی بات کہا کرو۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿ وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُواْ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَى﴾ (۲)

ترجمہ: اور جب تم (کسی کی نسبت کچھ) کہو تو عدل کرو اگرچہ وہ (تمہارا) قرابت دار ہی ہو۔

اسلام ایک طرف سچائی اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے تو دوسری طرف یہ بھی اصول دیا ہے کہ جب سچ کا پتہ چل جائے تو ہمیشہ سچے لوگوں کا ساتھ دیا جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ﴾ (۳)

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو۔

۳۔ عدل وانصاف:

سب سے بڑا عادل اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ ہیں لہذا مؤمنوں کے لیے یہی پیغام ہے کہ وہ عدل و انصاف کو پروان چڑھائے۔ اس لحاظ سے مخاصمہ کرتے وقت عدل وانصاف کا پایا جانا انسانی زندگی کا اہم اصول ہے۔ مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول ﷺ کی طرف سے عدل وانصاف ایک اہم امر ہے۔ اسلام نے اگر دو جھگڑتے ہوئے فریقین کے درمیان صلح کروانا بہت بڑی نیکی قرار دی ہے تاہم انصاف کو لازم و ضروری قرار دیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُواْ بِالْعَدْلِ﴾ (۴)

ترجمہ: ور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کیا کرو۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

---

(۱) سورۃ الاحزاب: ۳۳/ ۷۰

(۲) سورۃ الانعام: ۶/ ۱۵۲

(۳) سورۃ التوبۃ: ۹/ ۱۱۹

(۴) سورۃ النساء: ۴/ ۵۸

یہاں یہ بات مد نظر رکھنی چاہیے کہ اپنوں اور غیروں، دوستوں اور دشمنوں کے ساتھ ہر حال میں انصاف کو مد نظر رکھا جائے۔ اس لیے کہ جس طرح ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے مکالمہ کارآمد ہے اس طرح سماج میں امن و سلامتی کے لیے عدل وانصاف ضروری ہے۔

۴۔ تواضع، اچھے اخلاق اور سادہ اسلوب گفتگو:

اپنی بات کو صحیح طور پر بیان کرنے کی قوت زبان کی فصاحت وبلاغت، اچھا بیان کامیاب گفتگو کا حصہ ہے۔ مخاصمہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ممکن حد تک اس کی زبان میں سلیقہ اور شائستگی ہو تواضع، سادہ اسلوب اور حسنِ اخلاق سے پیش کی گئی بات دوسرے پر اثر انداز ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے توصیف بیان کرتے ہوئے مخالفین سے یہ بات کہلوائی:

﴿ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ﴾ (۱)

ترجمہ: اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں۔

۵۔ حلم وصبر:

قرآنی اور پیغمبرانہ مکالمات سے صبر و تحمل کا پیغام ملتا ہے لہذا دعوت دین کے مکالمات میں جلد بازی سے گریز کیا جانا چاہیئے۔ کوئی بات جو دیگر اہلِ ادیان کے ساتھ در پیش ہو، بار بار اسے دہرانے میں کوئی حرج نہیں۔ اس سلسلے میں صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا جائے اور درگزر سے کام لیا جائے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ﴾ (۲)

ترجمہ: اے نبی ﷺ! نرمی اور درگزر کا طریقہ اختیار کرو۔ معروف کی تلقین کیجئے اور جاہلوں سے اعراض کرو۔

اور خود آپ ﷺ کا یہ طریقہ تھا کہ تفہیم کے لیے بات کو کئی بار دہراتے تاکہ مقصد حاصل ہو جائے۔ جیسا کہ ایک حدیث مبارکہ میں وارد ہے:

---

(۱) سورۃ ص:۳۸/۸۶

(۲) سورۃ الاعراف:۷/۱۹۹

((وَإِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ أَعَادَهَا ثَلَاثًا))[1]

ترجمہ: اور جب کوئی کلمہ ارشاد فرماتے تو اسے تین بار دہراتے۔

۶۔ تحقیق پر مبنی پیغام:

جھوٹ کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ بلا تحقیق بات آگے نقل کر دی جائے جس سے اسلام نے منع کیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ﴾[2]

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق (شخص) کوئی خبر لائے تو خوب تحقیق کر لیا کرو (ایسا نہ ہو) کہ تم کسی قوم کو لاعلمی میں (ناحق) تکلیف پہنچا بیٹھو، پھر تم اپنے کئے پر پچھتاتے رہ جاؤ۔

حدیث میں سنی سنائی باتوں سے روکا گیا ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((كَفَى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ))[3]

ترجمہ: کسی انسان کے جھوٹا ہونے کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ ہر سنی سنائی بات (بغیر تحقیق کے) آگے بیان کر دے۔

۷۔ مفادِ مشترکہ پر بحث و مباحثہ سے آغاز کرنا:

قرآنی مکالمات کا بطور خاص ایک یہ اصول یہ ہے کہ ایسی باتوں سے آغاز کرنا چاہیئے جو مشترکات سے ہو کیونکہ اس امر کا اہتمام کرنے سے بعض اوقات افہام و تفہیم کے ایسے بے شمار پہلو نکل آتے ہیں جو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتے، جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

---

(۱) صحیح بخاری کتاب العلم (علم کا بیان)، حدیث: ۹۴

(۲) سورۃ الحجرات:۴۹/۶

(۳) الصحیح مسلم، مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری، دارالمعارف، بیروت، مقدمۃ، باب النھی عن الحدیث بکل ما سمع، حدیث ۷

﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْاْ إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلاَّ نَعْبُدَ إِلاَّ اللّهَ وَلاَ نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلاَ يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضاً أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللّهِ فَإِن تَوَلَّوْاْ فَقُولُواْ اشْهَدُواْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ﴾ (۱)

ترجمہ: آپ فرما دیں: اے اہلِ کتاب! تم اس بات کی طرف آجاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے، (وہ یہ) کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے اور ہم اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو اللہ کے سوا رب نہیں بنائے گا، پھر اگر وہ روگردانی کریں تو کہہ دو کہ گواہ ہو جاؤ کہ ہم تو اللہ کے تابع فرمان (مسلمان) ہیں۔"

یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ مذاہب کے درمیان جو اقدار مشترک ہیں ان کی طرف دعوت دی جائے، اختلافی مباحث سے ابتداءً پرہیز کیا جائے، کیونکہ اس اصول کو نظر انداز کرنا سے تمام ترجدوجہد پر پانی پھیر سکتا ہے۔

۸۔ زبردستی سے گریز:

دین اسلام میں زبردستی نہیں کرنی چاہیے۔ یہ مذہبی حق ہے جو ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لاَ إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾ (۲)

ترجمہ: دین میں کوئی زبردستی نہیں، بیشک ہدایت گمراہی سے واضح طور پر ممتاز ہو چکی ہے۔

۹۔ عقل وبصیرت کو مخاطب کرنا:

بنیادی طور پر اسلام ایک عقلی مذہب ہے اور عقل کو لامحدود بھی تصور نہیں کرتا۔ بلکہ اس کو مہمیز دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لاَ يَعْقِلُونَ﴾ (۳)

---

(۱) سورة آل عمران:۳/۶۴

(۲) سورة البقرة:۲/۲۵۲

(۳) سورة یونس:۱۰/۱۰۰

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہ ہے کہ جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے ان پر گندگی ڈال دیتا ہے۔

اسلام نے ہمیشہ اپنے دلائل و براہین میں عقل و بصیرت سے کام لینے پر انسان کو ابھارا ہے۔ اور جو لوگ اس سے کام نہیں لیتے انہیں بے عقل، ہٹ دھرم اور جاہل قرار دیا ہے۔

صرف اسلام ہی وہ مذہب ہے جو سلیم الفطرت انسانوں کو مخاطب کرتا ہے، ان کے عقل و بصیرت کی پذیرائی بھی کرتا ہے۔

۱۰۔ اسلام کی عملی تصویر بننے کی کوشش کرنا:

اسلام ایک ایسا دین، مذہب یا زندگی گزارنے کا طریقہ ہے جو ہمیں دو ذرائع سے حاصل ہوا ہے۔ ۱۔ عقلی ۲۔ نقلی یعنی اسلامی تعلیمات و ہدایات عقلی پیمانے پر بھی پوری اترتی ہیں اور مزید پندرہ صدیوں سے ہر صدی میں تین یا چار نسلیں متواتر طور پر یہ پیغام ہمیں پہنچاتی آرہی ہیں اور ان نسلوں کا کردار غیر متعصبانہ صداقت اور حق پرستی کا حامل رہا ہے۔ لہٰذا ان کا عمل بھی ہمارے لیے بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ ان تمام کے کردار میں یہ امر بہت واضح طور پر عیاں ہے کہ وہ تمام اسلامی تعلیمات کی عملی تصویر نظر آتے ہیں۔ شکل کے لحاظ سے بھی شمائل نبوی ﷺ سے مطابقت پیدا کرنے کی کوشش بھی کرتے نظر آتے ہیں اور عملی زندگی میں بھی اسوہ نبوی ﷺ کی پیروی کی کوشش کرتے نظر آتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک صرف آپ ﷺ کا اسوہ ہی اسوہ کامل تھا اور یہی قرآن کا مدعیٰ بھی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ (۱)

ترجمہ: بے شک تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں ایک بہترین نمونہ ہے۔

قرآنی علم المخاصمہ کے مقاصد:

جس طرح قرآن مجید میں آیات مخاصمہ کے ضمن میں اصول ذکر ہوئے ہیں اسی طرح اس ان آیات کے ضمن میں علم المخاصمہ کے مقاصد بھی مفہوم ہوتے ہیں، جن کا مختصر تذکرہ یہاں مناسب ہوگا۔

---

(۱) سورۃ الاحزاب: ۳۳/۲۱

۱۔ حق وباطل کا امتیاز:

مقاصدِ مکالمہ کو مد نظر رکھتے ہوئے حق کی طرف دعوت دی جائے اور اسے اختیار بھی کیا جائے اور ناحق وباطل بات کو رد کیا جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ﴾ (۱)

ترجمہ: تاکہ (معرکۂ بدر اس عظیم کامیابی کے ذریعے) حق کو حق ثابت کر دے اور باطل کو باطل کر دے اگرچہ مجرم لوگ (معرکۂ حق وباطل کی اس نتیجہ خیزی کو) ناپسند ہی کرتے رہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا ﴾ (۲)

ترجمہ: اور یہ (کفار) آپ کے پاس کوئی (ایسی) مثال (سوال اور اعتراض کے طور پر) نہیں لاتے مگر ہم آپ کے پاس (اس کے جواب میں) حق اور (اس سے) بہتر وضاحت کا بیان لے آتے ہیں۔

قرآن پاک کا تقاضا ہے کہ باطل کو واضح طور پر رد کرتے ہوئے حق کو اختیا کیا جائے۔ اس ضمن میں کسی کی بے جا تعریف وتوصیف بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

۲۔ اتمام حجت:

قرآنی مکالمہ کا ایک مقصد یہ ہے کہ باطل پر اتمام حجت قائم کیا جائے تاکہ اس کے لیے کوئی جواز باقی نہ رہے گو کہ یہ کام مشکل ضرور ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَّقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُواْ إِنَّ اللّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ قُلْ فَمَن يَمْلِكُ مِنَ اللّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَن يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَمَن فِي الأَرْضِ جَمِيعًا﴾ (۳)

---

(۱) سورۃ الانفال:۸/۸

(۲) سورۃ الفرقان:۲۵/۳۳

(۳) سورۃ المائدۃ:۵/۱۷

ترجمہ: بیشک ان لوگوں نے کفر کیا جو کہتے ہیں کہ یقیناً اللہ مسیح ابن مریم ہی (تو) ہے، آپ فرما دیں: پھر کون (ایسا شخص) ہے جو اللہ (کی مشیت میں) سے کسی شے کا مالک ہو؟ اگر وہ اس بات کا ارادہ فرمالے کہ مسیح ابن مریم اور اس کی ماں اور سب زمین والوں کو ہلاک فرما دے گا۔

قرآنی اسلوب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ دلائل وبراہین پر مبنی پیغام دیتاہے اور باطل کے خلاف حجت قائم کرتاہے لہذاہمیشہ دلائل سے بات کی جائے اور حقائق کو تسلیم کیاجائے۔

۳۔وعظ ونصیحت:

قرآنی اسلوب واصول میں سے ایک اصول وعظ ونصیحت بھی ہے، جس میں حکمت وبصیرت کار فرماہو۔ارشادِ ربانی ہے:

﴿ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ (۱)

ترجمہ: آپ ﷺ لوگوں کو اپنے پروردگار کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت سے بلائیں اور ان کے ساتھ پسندیدہ طریقہ سے بحث کیجئے۔

۴۔بنی نوع انسان کو محبت الٰہی کا پیغام پہنچانا:

اسلام کی بنیادی تعلیم انسان کے ساتھ محبت اور اس کے لیے خیر خواہی کے جذبے کا اظہار ہے جو ایک اصولی مسلک کا نام ہے،وہ کسی قوم کے قومی طرزِ عمل کا نام نہیں بلکہ اسلام صرف اور صرف پیغمبر اسلام اور آپ ﷺ کے نمونہ حیات کا نام ہے اور پیغمبر اسلام سید البشر محمد عربی ﷺ انسانیت، محبت، مساوات انسانی اور امن کے پیغمبر تھے۔

یہ انسان کے ساتھ محبت کا اظہار ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو کائنات کی سب سے زیادہ باعزت ہستی بنایا ہے اور زمین پر اپنا خلیفہ بنایااور اس پر اپنے احسانات کی بارش کی ہے جس طرح قرآن مجید میں ارشادِباری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا﴾ (۲)

---

(۱) سورۃالنحل:۱۶/۱۲۵

(۲) سورۃالاسراء:۱۷/۷۰

ترجمہ: اور بلاشبہ ہم نے عزت بخشی بنی آدم کو، اوران کو طرح طرح کی سواریوں سے نوازا خشکی میں بھی اور تری میں بھی اور ہم نے ان کو روزی کا سامان کیا طرح طرح کی پاکیزہ چیزوں سے، اوران کو اپنی بہت سی مخلوق پر طرح طرح کی فضیلت (وبزرگی) بخشی۔

اسی طرح محض انسانیت کی بنیاد ایک اجنبی مہمان، مسافر اور ہمسایہ بھی قابل احترام ہے۔ حدیث میں آتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ، فَلْيُكْرِمْ جَارَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ، فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ))(۱)

ترجمہ: جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ ہ اپنے پڑوسی کی عزت کرے۔ جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ وا پنے مہمان کی عزت کرے۔

دین اسلام کا پیغامِ رحمت پوری انسانیت کے لیے ہے کسی مخصوص گروہ، فرد اور قوم کے لیے نہیں جیسا کہ ایک حدیث مبارکہ میں ہے:

((قَالَ لَنْ تُؤْمِنُوا حَتَّى تَرْحَمُوا قَالُوا كُلُّنَا رَحِيمٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ إِنَّهُ لَيْسَ بِرَحْمَةِ أَحَدِكُمْ صَاحِبَهُ وَلَكِنَّهَا رَحْمَةُ النَّاسِ رَحْمَةُ الْعَامَّةِ))(۲)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم ہر گز مومن نہیں ہو سکتے جب تک رحم نہ کرو۔ لوگوں نے کہا کہ اے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ! ہم میں سے ہر شخص رحم کرنے والا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم اپنے ساتھی پر مہربانی کرو، بلکہ اس سے مراد تمام لوگوں اور تمام انسانوں پر رحم کرنا ہے اور ان سے محبت کرنا ہے۔

---

(۱) السنن الدارمی، عبد اللہ بن عبد الرحمن أبو محمد، دار الکتاب العربي- بیروت، ط، اولی، ۱۴۰۷ھ، کتاب الاطعمة، باب فی الضیافة، حدیث نمبر، ۲۰۳۵، ۲/۱۳۴

(۲) فتح الباری، أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي، دار المعرفة- بیروت، ۱۳۷۹ھ، قَوْلُهُ بَابُ رَحْمَةِ النَّاسِ وَالْبَهَائِمِ، ۱۰/۴۳۸

۵۔ اسلام کے مقابلے میں دوسرے مذاہب کی حیثیت کو واضح کرنا:

اسلام کی حقانیت ایک امرِ مسلم ہے حق کے علاوہ باقی تمام نظریات و مذاہب کے بارے میں قرآن مجید کا مدعا یہ ہے:

﴿فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلاَّ الضَّلاَلُ فَأَنَّى تُصْرَفُونَ﴾ (۱)

ترجمہ: پھر حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا باقی رہ گیا ہے۔

مکالمہ کے دوران دوسرے مذاہب اور ان کے ماننے والوں کے بارے میں ہمارے ذہن واضح ہونے چاہئیں کہ ان کی حقیقت کیا ہے جس طرح قرآن مجید میں ہے:

﴿ قُلْ أَفَغَيْرَ اللَّهِ تَأْمُرُونِّي أَعْبُدُ أَيُّهَا الْجَاهِلُونَ ﴾ (۲)

ترجمہ: فرمادیجئے: اے جاہلو! کیا تم مجھے غیر اللہ کی پرستش کرنے کا کہتے ہو "

لہٰذا اسلام جو ایک فطری دین ہے اسے چھوڑ کر دوسرا کوئی نظریہ قبول کرنا کم عقلی و بے وقوفی ہی ہو گی۔ جس میں خود غرضی اور منافقت کا عنصر شامل ہوتا ہے، حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ جیسا کہ یہود کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ حقیقت سے آگاہ ہیں تاہم حق کو چھپا رہے ہیں۔ مزید ان کے جھوٹے ہونے کے متعلق فرمایا:

﴿الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ وَإِنَّ فَرِيقاً مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ (۳)

ترجمہ: اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب عطا فرمائی ہے وہ اس رسول (آخر الزماں حضرت محمد ﷺ اور ان کی شان و عظمت) کو اسی طرح پہچانتے ہیں جیسا کہ بلاشبہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، اور یقیناً انہی میں سے ایک طبقہ حق کو جان بوجھ کر چھپا رہا ہے۔

گویا کہ یہ لوگ تمام اسلام کی حقانیت کو روزِ روشن کی طرح سمجھتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے سینے تنگ کر دیئے ہیں اس لیے یہ اسلام کو حق سمجھتے ہوئے بھی اس کی مخالفت پر کمربستہ رہتے ہیں۔

---

(۱) سورۃ یونس: ۱۰/۳۲

(۲) سورۃ الزمر: ۳۹/۶۴

(۳) سورۃ البقرۃ ۲/۱۴۶

۶۔ دوسرے مذاہب کے طریقے اختیار کرنے سے اجتناب کا درس دینا:

یہ بات ملحوظِ خاطر رہے کہ دنیا میں اسلام اور صرف اسلام ایک مکمل دین ہے۔ یہ وہ نظریہ حیات ہے جو زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہے جو تمام انسانی مسائل کا فطری اور آسان حل پیش کرتا ہے۔ پھر منبع اور مصدر وحی ربانی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ایک واضح حقیقت ہے کہ دنیا میں اگر کسی قوم کے پاس محفوظ الہامی کتاب اور رسول کی کامل محفوظ سیرت موجود ہے جس کی مثال کوئی دوسرا جدید نظریہ یا قدیم الہامی و غیر الہامی مذہب پیش کرنے سے قاصر ہے۔ لہذا اس نہایت روشن اور محفوظ دین کے طریقوں کو چھوڑ کر دوسرے باطل طریقے اختیار کرنا گمراہی کے سوا کچھ نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ)) (۱)

ترجمہ: جو زندگی کے معاملات میں کسی اور قوم کی تہذیب کو اپنائے گا وہ اسی قوم کا فرد شمار ہو گا۔

اسی طرح ایک اور مقام پر آپ ﷺ نے فرمایا:

((لاَ تَسْتَضِيئُوا بِنَارِ الْمُشْرِكِينَ)) (۲)

ترجمہ: مشرکین (غیر مسلموں) کی آگ سے روشنی بھی حاصل نہ کرو۔

یعنی اپنی آگ خود روشن کرو، اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے اور کسی دوسری قوم کی تہذیبی و ذہنی غلامی سے آزاد ہو کر صرف اسلامی تہذیب و تمدن کو امام و مقتداء بناؤ۔

۷۔ مکالمہ تبلیغِ دین کا وسیلہ ہے:

مکالمہ کے مقاصد میں سے ایک یہ ہے کہ تبلیغ دین کی نیت سے مخاصمہ کرنا مسلمانوں پر فرض ہے اور اسی فرض کی ادائیگی کا اولین حکم نبی کریم ﷺ اور ان کے ذریعہ امت کو اس طرح دیا جا رہا ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ﴾ (۳)

---

(۱) السنن ابو داؤد، ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، دار الکتاب العربی، بیروت، کتاب اللباس، باب فی لبس الشهرة، حدیث نمبر، ۴۰۳۳، ۴/۷۸

(۲) سنن کبری، أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي البيهقي، مجلس دائرة المعارف النظامية الكائنة في الهند ببلدة حيدر آباد، ط، اولیٰ، ۱۳۴۴ھ، کتاب القضاء، باب لا ينبغي للقاضي ولا للوالي، ۲۰۹۰۹، ۱۰/۱۲۷

(۳) سورة المائدة: ۵/۶۷

ترجمہ: ے (برگزیدہ) رسول! جو کچھ آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے (وہ سارا لوگوں کو) پہنچا دیجئے۔

اور پھر اسلام کے بارے میں واضح ہدایات دی گئیں کہ:

﴿ هَذَا بَلاَغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنذَرُواْ بِهِ وَلِيَعْلَمُواْ أَنَّمَا هُوَ إِلَهٌ وَاحِدٌ ﴾ (۱)

ترجمہ: یہ (قرآن) لوگوں کے لئے کاملاً پیغام کا پہنچا دینا ہے، تاکہ انہیں اس کے ذریعہ ڈرایا جائے اور یہ کہ وہ خوب جان لیں کہ بس وہی (اللہ) معبودِ یکتا ہے۔

چونکہ تبلیغ دین ایک فریضہ ہے اس کے لیے مکالمہ و مخاصمہ ایک وسیلہ ہے۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

((بَلِّغُوا عَنِّي وَلَو اٰيَةً)) (۲)

ترجمہ: میرا پیغام تمام بنی نوع انسان کو پہنچادو چاہے وہ پیغام ایک آیت قرآنی ہی کیوں نہ ہو۔

آپ ﷺ نے حجتہ الوداع کے موقع پر فرمایا:

((لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ)) (۳)

ترجمہ: جو میری اس محفل میں موجود ہیں وہ اس دین کو تمام غیر موجود ہ لوگوں تک پہنچائے۔

۸۔ محض دفاعی مکالمہ پر اکتفیٰ نہ کیا جائے:

حالات کی مناسبت سے دفاعی یا اقدامی مکالمہ میں سے کوئی انداز اختیار کیا جاسکتا ہے۔ دفاعی سے مراد یہ ہے وہ غیر مسلم مخاصمہ نگاروں کے اسلام پر کئے گئے اعتراضات کا جواب دے۔ اقدامی سے مراد یہ ہے کہ وہ اعتراضات کا جواب دینے کے بجائے سوالات کے ذریعے غیر اسلامی مذاہب و نظریات میں پائے جانے والی خامیاں ان کے سامنے رکھ کر اس بارے میں اس سے جواب طلب کرے کہ ہمارے مذاہب پر یہ اعتراضات کرنے سے پہلے یہ واضح کرو کہ یہ

(۱) سورۃ ابرہیم: ۱۴/ ۵۲

(۲) المسند احمد، أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن أسد الشيباني، دار مؤسسة الرسالة، ۱۴۲۱ھ، مُسْنَدُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، حدیث نمبر، ۶۴۸۶/ ۱۱

(۳) صحیح بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری، دار طوق النجاۃ، ۱۴۲۲ھ، کتاب العلم، باب بَاب قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ رُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعَى مِنْ سَامِعٍ، حدیث نمبر: ۶۷ /۱

اعتراض تو تمہارے نظریہ پروار ہوتا ہے۔ان دونوں انداز کار کو اختیار کرنے کے لیے وسیع مطالعہ کی ضرورت تو مسلم ہے لیکن اقدامی انداز کے لیے وسیع تر مطالعہ درکار ہے۔اقدامی انداز قرآن مجید میں اس طرح واضح ہے۔

﴿الَّذِينَ قَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوا لَوْ أَطَاعُونَا مَا قُتِلُوا قُلْ فَادْرَءُوا عَنْ أَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ (۱)

ترجمہ: یہ وہی لوگ ہیں جو خود بیٹھے رہے اور ان کے جو بھائی بند لڑنے لگے۔اور مارے گئے ان کے متعلق انہوں نے کہہ دیا کہ اگر یہ ہماری بات مان لیتے تو نہ مارے جاتے۔ان سے کہو "اگر تم اپنے اس قول میں سچے ہو تو خود تمہاری موت جب آئے اسے ٹال کر دکھا دینا۔

اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نمرود کے ساتھ مخاصمہ میں واضح کیا گیا۔

﴿ قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ﴾ (۲)

ترجمہ: ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا: بیشک اللہ سورج کو مشرق کی طرف سے نکالتا ہے تُو اسے مغرب کی طرف سے نکال لا! سو وہ کافر دہشت زدہ ہو گیا۔

یہ اقدامی انداز ہے کہ مخالف کو اس کے اعتراض کا جواب دینے کے بجائے اسی کے سوالات میں سے اس پر پڑھ کر اعتراض کر دینا جس سے وہ دفاعی پوزیشن میں چلا جائے یالاجواب ہو جائے۔

اسلام میں مکالمہ بین المذاہب ایک مقدس مذہبی فریضہ ہے جس کا مقصد تبلیغ دین صداقت اور حقانیت کو پھیلانا اور تمام مذاہب کے لوگوں کو اس کا قائل کرنا ہے۔مخاصمہ میں کامیابی کا انحصار مخاصمہ نگار کی شخصیت پر ہو گا۔وہ جس قدر صاحب علم، تربیت یافتہ اور انسانی نفسیات کی عالم ہو گی اسی قدر اس کے دوسرے مخاصمہ نگاروں پر گہرے اثرات مرتب ہوں گے۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکالمات کے کامیاب ترین ہونے کی اہم وجوہات میں سے ایک وجہ آپ کا اپنے لائے ہوئے پیغام کی حقانیت اور دوسرے مذاہب کے مبنی بر حق نہ ہونے پر مکمل یقین تھا۔

یہ علم المخاصمہ کے وہ اصول و مقاصد ہیں جو شریعت کے مطابق ہیں۔مذاہب کے بارے بحث و مباحثہ کرتے ہوئے ان اصول و مقاصد کو مد نظر رکھنا چاہیے۔

---

(۱) سورۃ آل عمران:۳/۱۶۸

(۲) سورۃ البقرۃ:۲/۲۵۸

حاصل کلام:

علوم قرآنیہ میں سے ایک فن کا نام علم مخاصمہ ہے اور مخاصمہ سے مراد قرآن کریم میں مخاطب چار فرق ضالہ یعنی یہود نصاری مشرکین اور منافقین کے عقائد باطلہ کا رد ہے۔ اس کے ضمن میں دیگر فرق و ملل بھی آجاتے ہیں لیکن مقصود بالاولیہ انہی فرقوں کے باطل نظریات کا رد ہے۔ اسی مخاصمہ کے مترادفات میں سے مجادلہ مناظرہ مناقشہ اور محاورہ بھی ہیں۔ قرآن کریم میں جو آیات مخاصمہ ہیں اس کے مطالعے سے چند اصول مترشح ہوتے ہیں کہ اس باہمی گفتگو اور احقاق حق میں اخلاص و محبت حق گوئی و سچائی عدل وانصاف حلم و صبر خوش اخلاقی کو اختیار کرنا چاہیے۔ اور اس فن کا بنیادی مقاصد میں سے احقاق حق ابطال باطل اتمام حجت اور نصیحت ہے۔

فصل دوم

علم المخاصمہ کا تاریخی پس منظر

قرآن پاک تمام الہامی کتابوں میں سے آخری کتاب ہے، جو اللہ پاک کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوئی۔ یہ واحد الہامی کتاب ہے، جس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود لی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ الہامی کتاب لفظ بلفظ محفوظ ہے اور دین اسلام کی پیروی کرنے والوں کو مکمل رہنمائی فراہم کرتی ہے، تا کہ ان کی زندگی اسلام کے سنہری اصولوں کے مطابق بسر ہو سکیں۔

لہذا علمائے امت نے اس گراں قدر کتاب کے معانی مکالب بیان کرنے میں عرصہ دراز سے غوطہ زنی کی ہے تا کہ اس سے راہنمائی لینے والوں کے لیے آسانی ہو۔ چنانچہ امام شاہ ولی اللہ الدھلوی نے اسی طرح قرآن مجید میں غوطہ زنی کرکے اس کے علوم کو پانچ قسم میں تقسیم کیا ہے، جسے علوم خمسہ کا نام دیا ہے جو درج ذیل ہیں:

۱۔ علم الاحکام

۲۔ علم المخاصمہ

۳۔ علم التذکیر بالاءللہ

۴۔ علم التذکیر بایام اللہ

۵۔ علم التذکیر بالموت ومابعدہ [۱]

علم المخاصمہ میں دو قسم کے موضوعات شامل ہوتے ہیں جو کہ حسب ذیل ہیں:

باطل نظریات کارد:

اس سے مراد یہ ہے کہ گمراہ اقوام مشرکین، یہود، نصاری اور منافقین کے باطل عقائد کو شریعت اسلامیہ کی تعلیمات کی روشنی میں رد کرنا اور انہیں اس بات کا ثبوت دینا کہ دین اسلام سچا دین ہے اور تمہارے عقائد باطلہ سے اس دین کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

---

(۱) دیکھئے: الفوز الکبیر، شاہ ولی اللہ، ص: ۱۴

شکوک و شبہات کا رد:

اس سے مراد گمراہ اقوام کے شکوک و شبہات کا ذکر کر کے ان کی مذمت کرنا اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں رد کرنا شامل ہے۔[(۱)]

گویا قرآن مجید میں چار گمراہ قوموں مشرکین منافقین، یہود و نصاریٰ سے بحث و مباحثہ کیا گیا ہے۔ یہ بحث و مباحثہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں ان گروہوں کے غلط عقیدوں کی تردید کی گئی ہے اور دوسرے حصے میں ان اعتراضات اور شبہات کا جواب دیا گیا ہے۔ سب سے پہلے ہم یہود پر بات کریں گے۔

یہودی اپنی نسبت تورات کی طرف کرتے ہیں جو کہ بلاشبہ آسمانی کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ پر نازل فرمائی۔ مگر آپ ﷺ کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد یہودیوں نے اس کتاب میں ردوبدل کر دیا۔ بہت سے اصل احکام کو اس میں سے نکال کر بعض باتیں اپنی طرف داخل کر دیں۔ اس طرح وہ کتاب الہٰی میں تحریف کے مرتکب ہوئے۔[(۲)]

دوسرے نمبر پر عیسائیت پر بحث و مباحثہ کریں گے۔

عیسائی بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی مقدس کتاب انجیل کو بگاڑ کر اس کی طرف منسوب ہو گئے۔ یہ دونوں فرقے اہلِ کتاب کہلاتے ہیں ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُونَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾[(۳)]

ترجمہ: اے اہلِ کتاب! تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں خلط ملط کرتے ہو اور حق کو کیوں چھپاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو۔

آگے چل کر اللہ نے فرمایا کہ ان میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو تلاوت کرتے وقت اپنی زبانوں کو اس طریقے سے موڑتے ہیں کہ تم اسے کتاب کا ہی حصہ سمجھو حالانکہ وہ کتاب میں سے نہیں ہوتا۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

(۱) الفوز الکبیر، شاہ ولی اللہ ص:۱۷

(۲) اصول تفسیر و تاریخ و تفسیر، عبد الحمید خان عباسی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۰۵ء، ص:۵۸

(۳) سورۃ آل عمران:۳/۷۱

﴿وَيَقُولُونَ عَلَى اللهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ (۱)

ترجمہ: اور اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور انہیں خود (بھی) معلوم ہے۔

تیسرے نمبر پر مشرکین پر بحث ومباحثہ کیا جائے گا۔

تیسرا گمراہ فرقہ مشرکوں کا ہے نزول قرآن کے زمانے میں عرب کے خطہ میں ان کی اکثریت تھی۔ ابتدا میں تو یہ لوگ دین براہیمی پر ہی تھے یعنی توحید پر ایمان رکھتے تھے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان میں اختلاف شروع ہوا اور طرح طرح کے عقیدے بنا لیے۔ (۲)

چوتھے نمبر پر اس مقالے میں منافقین پر بحث ومباحثہ کیا گیا ہے، جن کے مزید دو قسم ہیں۔

۱۔ اعتقادی منافق

۲۔ عملی منافق

اعتقادی منافقین کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ (۳)

ترجمہ: بیشک منافق لوگ دوزخ کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے۔

یہ وہ لوگ تھے جو بظاہر کلمہ پڑھتے تھے اور اسلام کے دسرے احکام پر بھی عمل کرتے تھے اور مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھتے، زکوۃ ادا کرتے اور جہاد میں بھی شریک ہوتے تھے، مگر ان کے باطن میں کفر بھرا ہوا تھا۔ حقیقت میں نہ تو یہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان رکھتے تھے اور نہ ہی پیغمبر کی رسالت کو مانتے تھے۔ یہ در اصل کافروں کی بدترین قسم ہے۔ (۴)

دوسری قسم کے منافق عملی منافق کہلاتے ہیں یہ لوگ اللہ کی واحدانیت پیغمبر کی رسالت اور قیامت پر ایمان تو رکھتے تھے، مگر ذاتی مفاد کی خاطر قوم اور برادری کی خاطر غلط رسوم کو نہیں چھوڑتے اور نت نئی بدعات کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں۔ یہ عملی منافق ہیں ان کی کچھ علامات احادیث میں بتائی گئی ہیں۔

---

(۱) سورۃ آل عمران: ۳/ ۷۸

(۲) الفوز العظیم اردو شرح الفوز الکبیر، مولانا خورشید انور قاسمی، قدیمی کتب خانہ، ۲۰۰۷ء، ص: ۴۲

(۳) سورۃ النساء: ۴/ ۱۴۵

(۴) عون الخبیر شرح الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، عبد الحمید خان سواتی، مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ، ۲۰۰۸ء، ص: ۶۵

جب یہ بات کرتے جھوٹ بولتے جب وعدہ کرتے وعدہ خلافی کرتے اور جب جھگڑا کرتے تو گالی گلوچ پر اتر آتے۔[1]

چنانچہ آیات مخاصمہ کی روشنی میں ان گروہوں کے عقائد کا جائزہ لیا گیا ہے تاکہ یہ لوگ جن برے عقائد میں مبتلا ہیں اور بد اعمالیوں کے شکار ہیں اور ایک دوسرے پر ظلم وزیادتی کے مرتکب ہیں، ایک طرف ان کی اعمال سیئہ اور دوسری طرف ان پر اتمام حجت بھی ہو جائیں۔

انبیاء ورسول کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا مکالمہ:

اس سلسلے میں چند اولوالعزم انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مکالموں کے احوال کا جائزہ لیا گیا ہے۔

۱۔ آدم علیہ السلام کے ساتھ مکالمہ:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ مکالمہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

﴿وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلاَ مِنْهَا رَغَداً حَيْثُ شِئْتُمَا وَلاَ تَقْرَبَا هَـذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الْظَّالِمِينَ﴾[2]

ترجمہ: اور ہم نے حکم دیا: اے آدم! تم اور تمہاری بیوی اس جنت میں رہائش رکھو اور تم دونوں اس میں سے جو چاہو، جہاں سے چاہو کھاؤ، مگر اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ حد سے بڑھنے والوں میں (شامل) ہو جاؤ گے۔

۲۔ سورۃ الاعراف میں اس مکالمے کے اندر قصہ آدم وابلیس کے اندر کچھ مزید ابلیسی تدابیر کا تذکرہ ہے:

ترجمہ: شیطان نے آدم کو ورغلاتے ہوئے کہا۔ تمہیں تمہارے رب نے اس پیڑ سے اسی لئے منع فرمایا ہے کہ کہیں تم دو فرشتے ہو جاؤ یا ہمیشہ جینے والے۔ اور ان سے قسم کھائی کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں۔ تو اتار لایا انہیں فریب سے پھر جب انہوں نے وہ پیڑ چکھا ان پر اُن کی شرم کی چیزیں کھل گئیں اور اپنے بدن پر جنّت کے پتے چپٹانے لگے اور انہیں ان کے رب نے فرمایا کیا میں نے تمہیں اس پیڑ سے منع نہ کیا اور نہ فرمایا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔ دونوں نے

---

(۱) الفوز العظیم (اردو شرح) الفوز الکبیر، مولانا خورشید انور قاسمی، ص ۱۶۴، السنن ابو داؤد، ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، کتاب السنۃ :۳۰/۴۶۸۸

(۲) سورۃ البقرۃ:۲/۳۵-۳۹

عرض کی اے رب ہمارے ہم نے اپنا آپ بُرا کیا تو اگر تُو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور نقصان والوں میں ہوئے۔ فرمایا اترو تم میں ایک دوسرے کا دشمن ہے اور تمہیں زمین میں ایک وقت تک ٹھہرنا اور برتنا ہے۔ فرمایا اسی میں جیوگے اور اسی میں مروگے اور اسی میں اٹھائے جاؤگے۔[1]

۳۔ سورۃ طٰہٰ میں اس مکالمے کا اعادہ اور تاکید ہے کہ یہ تمہارا دشمن ہے تم کو ابدی جنت سے نہ نکالے جس میں ہر قسم کی آسائشیں تمہیں ملی ہوئی ہیں اور آخر میں یہ تاکید ہے کہ خبردار! دنیا میں تمہیں بھیجا جا رہا ہے لیکن میری راہنمائی و ہدایات کو ہمیشہ مد نظر رکھنا۔ لیکن جس نے میری یاد سے منہ پھیرا تو بیشک اس کے لئے تنگ زندگانی ہے اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔[2]

۲۔ سیدنا نوح علیہ السلام کے ساتھ مکالمہ:

آپ علیہ السلام ایک عرصہ دراز سے اپنی قوم میں توحید خالص کے دعوت کو پھیلاتے پھیلاتے اپنے بیٹے کو قوم کے ساتھ ہلاک ہوتے ہوئے دیکھا، تو رب تعالیٰ سے یہ مکالمہ کیا:

﴿وَنَادَى نُوحٌ رَّبَّهُ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَأَنتَ أَحْكَمُ قَالَ يَا نُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلاَ تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنِّي أَعِظُكَ أَن تَكُونَ مِنَ قَالَ رَبِّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ وَإِلاَّ تَغْفِرْ لِي وَتَرْحَمْنِي أَكُن مِّنَ الْخَاسِرِينَo قِيلَ يَا نُوحُ اهْبِطْ بِسَلاَمٍ مِّنَّا وَبَرَكَاتٍ عَلَيْكَ وَعَلَى أُمَمٍ مِّمَّن مَّعَكَ وَأُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُم مِّنَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾[3]

ترجمہ: اور حضرت نوح (علیہ السلام) نے اپنے رب کو پکارا اور عرض کیا: اے میرے رب! بیشک میرا لڑکا (بھی) تو میرے گھر والوں میں داخل تھا اور یقیناً تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بڑا حاکم ہے۔ ارشاد ہو: اے نوح! بیشک وہ تیرے گھر والوں میں شامل نہیں کیونکہ اس کے عمل اچھے نہ تھے، پس مجھ سے وہ سوال نہ کیا کرو جس کا تمہیں علم نہ ہو، میں تمہیں نصیحت کئے دیتا ہوں کہ

---

(۱) سورۃ الاعراف:۹/۱۹-۲۵

(۲) سورۃ طٰہٰ:۲۰/۱۱۷-۱۲۴

(۳) سورۃ ہود:۱۱/۴۵-۴۸

کہیں تم نادانوں میں سے (نہ) ہو جانا۔ (حضرت نوح علیہ السلام نے) عرض کیا: اے میرے رب! میں اس بات سے تیری پناہ چاہتا ہوں کہ تجھ سے وہ سوال کروں جس کا مجھے کچھ علم نہ ہو، اور اگر تو مجھے نہ بخشے گا اور مجھ پر رحم (نہ) فرمائے گا (تو) میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔ فرمایا گیا: اے نوح! ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ (کشتی سے) اتر جاؤ جو تم پر ہیں اور ان طبقات پر ہیں جو تمہارے ساتھ ہیں، اور (آئندہ پھر) کچھ طبقے ایسے ہوں گے جنہیں ہم (دنیوی نعمتوں سے) بہرہ یاب فرمائیں گے پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب آپہنچے گا۔

عمومی طور پر قرآن مجید کی بے شمار آیات اس حوالے سے پیش کی جاسکتی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کا انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ مکالمے کا ذکر ہے۔ یہ چند آیات بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں جن سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور انبیاء کرام علیہم السلام کے مابین حوار اور گفت و شنید کی کیفیات موجود تھیں۔ اگر کسی رسول یا نبی کو ضرورت محسوس ہوئی تو اس نے مکالمے کی راہ اختیار کی۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ تعلق کی بناء پر کسی موقع پر اکیلا نہیں چھوڑا بلکہ ہر مرحلہ اور ہر موقع پر رہنمائی مہیا کی۔ ان مکالمات میں سب سے اہم امر یہ نظر آتا ہے کہ جب بھی کوئی سخت مرحلہ آیا تو اپنے رب سے اس میں بحث مباحثہ ضرور کیا لیکن حکم الٰہی کے سامنے اطاعت و تسلیم کا رویہ سامنے آتا ہے۔ اگر کسی مقام پر کوئی حکم سمجھ نہیں آیا تو اس کے بارے میں استفسار بھی انتہائی احترام و تعظیم کے ساتھ کیا گیا اور سبب واضح ہونے کے بعد قلب کی گہرائیوں کے ساتھ اسے تسلیم کیا۔

ان مکالمات میں سب سے اہم پہلو انسانوں کے لیے یہ نکلتا ہے کہ جب حق واضح ہو جائے تو پھر اسے ہٹ دھرمی اور ضد زیب نہیں دیتی بلکہ اسے تسلیم کر لینے میں ہی اس کی عزت ہے۔ دوسرا پہلو اور اہم فائدہ یہ ہے کہ فریق مخالف خواہ درجہ میں بڑا ہو اگر کسی مقام پر ضرورت محسوس ہو تو استفسار کیا جاسکتا ہے، جو انسانی ضمیر کی اطمینان کے لیے ضروری ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((شِفَاءُ العَيِّ السُّؤَالُ))(۱)

ترجمہ: نہ جاننے کا علاج پوچھنا ہی ہے۔

---

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، باب فی المجروح یتیمم، حدیث نمبر: ۳۳۶

۳۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ مکالمہ:

ابراہیم علیہ السلام اولوالعزم انبیاء میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام سے مکالمہ کر کے ہمیں اس کے اندر سے یہ پیغام دیا ہے کہ خبر دار! ظالموں کا آخرت میں کوئی مددگار نہیں ہو گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ لاَ يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ﴾[۱]

ترجمہ: ارشاد ہوا: (ہاں! مگر) میرا وعدہ ظالموں کو نہیں پہنچتا۔

اس مکالمے کے اندر ایک اور پیغام ربانی ہمیں ملتا ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ اپنے نافرمانوں کو بھی رزق سے محروم نہیں رکھتا تاہم آخرت میں محروم و معذوب رہیں گے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا بَلَدًا آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ آمَنَ مِنْهُم بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ قَالَ وَمَن كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلاً ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَى عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ﴾[۲]

ترجمہ: اور جب ابراہیم (علیہ السلام) نے عرض کیا: اے میرے رب! اسے امن والا شہر بنا دے اور اس کے باشندوں کو طرح طرح کے پھلوں سے نواز (یعنی) ان لوگوں کو جو ان میں سے اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان لائے، (اللہ نے) فرمایا: اور جو کوئی کفر کرے گا اس کو بھی زندگی کی تھوڑی مدت (کے لئے) فائدہ پہنچاؤں گا پھر اسے (اس کے کفر کے باعث) دوزخ کے عذاب کی طرف (جانے پر) مجبور کر دوں گا اور وہ بہت بری جگہ ہے۔

اس کے علاوہ سورۃ البقرۃ کی آیات نمبر ۱۳۱ تا ۲۶۰ بھی اس حوالے سے اہم ہیں۔

۴۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مکالمہ:

حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اولوالعزم انبیاء میں سے ہیں جن کے جدوجہد اور دعوت و تبلیغ کا طویل تذکرہ قرآن مجید میں جگہ جگہ کیا گیا ہے:

---

(۱) سورۃ البقرۃ:۲/۱۲۴

(۲) سورۃ البقرۃ:۲/۱۲۴-۱۲۶

﴿وَأَوْحَيْنَا إِلَى مُوسَى وَأَخِيهِ أَن تَبَوَّءَا لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوتًا وَاجْعَلُواْ بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً وَأَقِيمُواْ الصَّلاَةَ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ وَقَالَ مُوسَى رَبَّنَا إِنَّكَ آتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلأَهُ زِينَةً وَأَمْوَالاً فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّواْ عَن سَبِيلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَى أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَلاَ يُؤْمِنُواْ حَتَّى يَرَوُاْ الْعَذَابَ الأَلِيمَ قَالَ قَدْ أُجِيبَت دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيمَا وَلاَ تَتَّبِعَآنِّ سَبِيلَ الَّذِينَ لاَ يَعْلَمُونَ﴾[1]

ترجمہ: اور ہم نے حضرت موسٰی (علیہ السلام) اور ان کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ تم دونوں مصر (کے شہر) میں اپنی قوم کے لئے چند مکانات تیار کرو اور اپنے (ان) گھروں کو (نماز کی ادائیگی کے لئے) قبلہ رخ بناؤ اور (پھر) نماز قائم کرو، اور ایمان والوں کو (فتح و نصرت کی) خوشخبری سنادو۔ اور حضرت موسٰی (علیہ السلام) نے کہا: اے ہمارے رب! بیشک تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیوی زندگی میں اسبابِ زینت اور مال و دولت (کی کثرت) دے رکھی ہے، اے ہمارے رب! (کیا تو نے انہیں یہ سب کچھ اس لئے دیا ہے) تاکہ وہ (لوگوں کو کبھی لالچ اور کبھی خوف دلا کر) تیری راہ سے بہکا دیں۔ اے ہمارے رب! تو ان کی دولتوں کو برباد کر دے اور ان کے دلوں کو (اتنا) سخت کر دے کہ وہ پھر بھی ایمان نہ لائیں حتٰی کہ وہ دردناک عذاب دیکھ لیں۔ ارشاد ہوا: بیشک تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی، سو تم دونوں ثابت قدم رہنا اور ایسے لوگوں کے راستہ کی پیروی نہ کرنا جو علم نہیں رکھتے۔

۵۔ سیدنا عیسٰی علیہ السلام کے ساتھ مکالمہ:

حضرت عیسٰی علیہ السلام بھی اولوالعزم انبیاء میں ہیں۔ بنی اسرائیل کی ہدایت و راہنمائی کیلئے آپ علیہ السلام کو اللہ تعالٰی نے نبی بنا کر مبعوث کیا جو بغیر باپ کے پیدا کیے گئے تھے۔ آپ علیہ السلام کے بزرگی کا اندازہ اس مکالمے سے لگایا جا سکتا ہے جس میں اللہ تعالٰی نے آپ علیہ السلام پر اپنے احسانات کا تذکرہ یوں کیا ہے:

﴿إِذْ قَالَ اللّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِي عَلَيْكَ وَعَلَى وَالِدَتِكَ إِذْ أَيَّدتُّكَ بِرُوحِ الْقُدُسِ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلاً وَإِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَالإِنجِيلَ وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِي فَتَنفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِي

(۱) سورۃ یونس: ۱۰ /۸۷-۸۹

وَتُبْرِىءُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِي وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوتَى بِإِذْنِي وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَنكَ إِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُواْ مِنْهُمْ إِنْ هَذَا إِلاَّ سِحْرٌ مُّبِينٌ۞[1]

ترجمہ: جب اللہ فرمائے گا: اے عیسیٰ ابن مریم! تم اپنے اوپر اور اپنی والدہ پر میرا احسان یاد کرو جب میں نے پاک روح (جبرائیل) کے ذریعے تمہیں تقویت بخشی، تم گہوارے میں (بعہدِ طفولیت) اور پختہ عمری میں (بعہدِ تبلیغ و رسالت یکساں انداز سے) لوگوں سے گفتگو کرتے تھے، اور جب میں نے تمہیں کتاب اور حکمت (و دانائی) اور تورات اور انجیل سکھائی، اور جب تم میرے حکم سے مٹی کے گارے سے پرندے کی شکل کی مانند (مورتی) بناتے تھے پھر تم اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ (مورتی) میرے حکم سے پرندہ بن جاتی تھی، اور جب تم مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں (یعنی برص زدہ مریضوں) کو میرے حکم سے اچھا کر دیتے تھے، اور جب تم میرے حکم سے مُردوں کو (زندہ کر کے قبر سے) نکال (کھڑا کر) دیتے تھے، اور جب میں نے بنی اسرائیل کو تمہارے (قتل) سے روک دیا تھا جب کہ تم ان کے پاس واضح نشانیاں لے کر آئے تو ان میں سے کافروں نے (یہ) کہہ دیا کہ یہ تو کھلے جادو کے سوا کچھ نہیں۔

نیز سورۃ المائدۃ کی آیت نمبر ۱۱۴ تا ۱۱۹ جو مکالمہ آپ علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اس میں بنی اسرائیل پر خوان کے تارے جانے کا ذکر ہے لیکن ساتھ نافرمانی اور شرک پر عذابِ شدید کا وعید بھی ہے اور آخر میں صدق وسچائی کی بنیاد پر امید بھی دلایا گیا ہے۔

ترجمہ: عیسیٰ ابن مریم نے عرض کی اے اللہ اے رب ہمارے ہم پر آسمان سے ایک خوان اتار کہ وہ ہمارے لئے عید ہو ہمارے اگلے پچھلوں کی اور تیری طرف سے نشانی۔ اور ہمیں رزق دے اور توسب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ میں اسے تم پر اتارتا ہوں پھر اب جو تم میں کفر کرے گا تو بے شک میں اسے وہ عذاب دوں گا کہ سارے جہان میں کسی پر نہ کروں گا۔ اور جب اللہ فرمائے گا۔ اے مریم کے بیٹے عیسیٰ کیا تو نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو دو خدا بنالو اللہ کے سوا عرض کرے گا پاکی ہے تجھے مجھے روا نہیں کہ وہ بات کہوں جو

---

(۱) سورۃ المائدۃ:۵/۱۱۰

مجھے نہیں پہنچتی۔ اگر میں نے ایسا کہا ہو تو ضرور تجھے معلوم ہو گا تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے بے شک تو ہی ہے سب غیبوں کا خوب جاننے والا۔ میں نے تو ان سے نہ کہا مگر وہی جو مجھے تو نے حکم دیا تھا کہ اللہ کو پوجو جو میرا بھی رب اور تمہارا بھی رب اور میں ان پر مطلع تھا جب تک میں ان میں رہا پھر جب تو نے مجھے اٹھالیا تو تُو ہی ان پر نگاہ رکھتا تھا اور ہر چیز تیرے سامنے حاضر ہے۔ اگر تو انہیں عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بے شک تو ہی ہے غالب حکمت والا۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ ہے وہ دن جس میں سچوں کو ان کا سچ کام آئے گا ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں رواں ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی یہ ہے بڑی کامیابی۔ [1]

انکار و کفر پر اللہ تعالیٰ کا انسانوں سے مکالمہ بواسطہ رسل وملائکہ:

اللہ تعالیٰ نے جہاں رسولوں اور نبیوں کے ساتھ مکالمات کا سلسلہ جاری رکھا وہاں عام انسانوں کے ساتھ بھی مکالمہ کیا گو کہ ان مکالموں میں براہ راست گفت وشنید کی کوئی کیفیت نہیں بلکہ رسول یا فرشتے کے وسیلے سے ممکن ہوئے۔ جیسا کہ درج ذیل آیات اس امر پر شاہد ہیں:

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ﴾ [2]

ترجمہ: اور اے محبوب جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں تو میں نزدیک ہوں، دعا قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی جب مجھے پکارے تو انہیں چاہئے میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں کہ کہیں راہ پائیں۔

﴿يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلْ مَا أَنفَقْتُم مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا تَفْعَلُواْ مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللّهَ بِهِ عَلِيمٌ﴾ [3]

---

(۱) سورۃ المائدۃ: ۵ /۱۱۴-۱۱۹

(۲) سورۃ البقرۃ: ۲/ ۱۸۶

(۳) سورۃ البقرۃ: ۲/ ۲۱۵

ترجمہ: آپ سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کیا خرچ کریں، فرما دیں: جس قدر بھی مال خرچ کرو (درست ہے)، مگر اس کے حق دار تمہارے ماں باپ ہیں اور قریبی رشتہ دار ہیں اور یتیم ہیں اور محتاج ہیں اور مسافر ہیں، اور جو نیکی بھی تم کرتے ہو بیشک اللہ اسے خوب جاننے والا ہے۔

﴿ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ مِّنَ الضَّأْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ قُلْ آلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ أَمِ الْأُنْثَيَيْنِ أَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْأُنْثَيَيْنِ نَبِّؤُونِي بِعِلْمٍ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَوَمِنَ الْإِبْلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ قُلْ آلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ أَمِ الْأُنْثَيَيْنِ أَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْأُنْثَيَيْنِ أَمْ كُنتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ وَصَّاكُمُ اللهُ بِهَذَا فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللهِ كَذِبًا لِيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ إِنَّ اللهَ لاَ يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَقُل لاَّ أَجِدُ فِي مَا أُوْحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلاَّ أَن يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلاَ عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (۱)

ترجمہ: (اللہ نے) آٹھ جوڑے پیدا کئے دو (نر و مادہ) بھیڑ سے اور دو (نر و مادہ) بکری سے۔(آپ ان سے) فرما دیجئے: کیا اس نے دونوں نر حرام کئے ہیں یا دونوں مادہ یا وہ (بچہ) جو دونوں ماداؤں کے رحموں میں موجود ہے؟ مجھے علم و دانش کے ساتھ بتاؤ اگر تم سچے ہو۔اور دو (نر و مادہ) اونٹ سے اور دو (نر و مادہ) گائے سے۔(آپ ان سے) فرما دیجئے: کیا اس نے دونوں نر حرام کئے ہیں یا دونوں مادہ یا وہ (بچہ) جو دونوں ماداؤں کے رحموں میں موجود ہے؟ کیا تم اس وقت موجود تھے جب اللہ نے تمہیں اس (حرمت) کا حکم دیا تھا؟ پھر اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتا ہے تاکہ لوگوں کو بغیر جانے گمراہ کرتا پھرے۔بیشک اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں فرماتا۔آپ فرما دیں کہ میری طرف جو وحی بھیجی گئی ہے اس میں تو میں کسی (بھی) کھانے والے پر (ایسی چیز کو) جسے وہ کھاتا ہو حرام نہیں پاتا سوائے اس کے کہ وہ مُردار ہو یا بہتا ہوا خون ہو یا سؤر کا گوشت ہو کیونکہ یہ ناپاک ہے یا نافرمانی کا جانور جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام بلند کیا گیا ہو۔پھر جو شخص (بھوک کے

---

(۱) سورۃ الانعام:۶/ ۱۴۳-۱۴۵

باعث) سخت لاچار ہو جائے نہ تو نافرمانی کر رہا ہو اور نہ حد سے تجاوز کر رہا ہو تو بیشک آپ کا رب بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

درج بالا آیات سے ہمیں مکالمہ کی ایک اور کیفیت معلوم ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے بالواسطہ رسل یا فرشتے کے کلام فرماتا ہے اور یوں غلط عقائد اور اوہام کی بیخ کنی کے لیے مخلوق کو مخاطب کیا جس سے مخاصمہ کی ایک صورت سمجھ آتی ہے کہ فریقین کے مابین کوئی غلط فہمی موجود ہو تو اسے زائل کرنے کے لیے باہمی بات چیت اور گفتگو کے اسلوب کو استعمال کرنا ہی بہتر اور احسن ہے۔ جبکہ قرآن کریم کی بعض آیات سے محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے ساتھ مخاطبت اپنے فرشتوں کے ذریعے بھی کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کی آمد صرف انبیاء پر نہیں ہوتی تاہم اس میں عموم نہیں پایا جاتا۔

انبیاء کرام علیہم السلام کا اپنی اقوام کے ساتھ مکالمہ:

مخاصمہ یعنی بات چیت کے ضمن میں سب سے زیادہ اہم مرحلہ وہ نظر آتا ہے جب قرآن مجید ان مواقع کی منظر کشی کرتا ہے، جب انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی اقوام کو مخاطب کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، اس مخاطبت میں ان کے مد نظر اصلاح کا پہلو تھا، وہ اصلاح جس کا تعلق ان کی پوری حیات سے تھا۔

انبیاء کرام علیہم السلام کا اپنی اقوام کے ساتھ مکالمہ کی کیفیت کو قرآن مجید نے بہت تفصیل سے بیان کیا ہے کہ اس کا تعلق دعوت اسلام وتوحید سے ہے تاکہ ہر دور کے داعی حضرات ان احوال وکیفیات کو مد نظر رکھیں اور فریضہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا قیام تا قیامت ممکن ہو سکے اور اس میں کسی بھی طرح سے تعطل یا رکاوٹ در نہ آئے۔ جن انبیاء کرام علیہم السلام کی اپنی اقوام کے ساتھ گفتگو کو نقل کیا گیا ہے ان میں سیدنا ابراہیم، سیدنا شعیب، سیدنا صالح، سیدنا لوط، سیدنا موسیٰ، سیدنا نوح، سیدنا ہود علیہم السلام قابلِ ذکر ہیں اس کے علاوہ جن کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ بغیر نام کے کیا گیا ہے۔ ذیل میں بطور مثال چند آیات کا ذکر کیا جا رہا ہے تاکہ اندازہ لگایا جاسکے کہ اس میں مکالمہ کی کیفیات اور اسالیب کیا تھے؟

﴿ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ ۝ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ ۝ قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِينَ ۝ قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ ۝ أَوْ يَنفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ ۝ قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ﴾[1]

---

(۱) سورۃ الشعراء:۲۶/۶۹-۷۴

ترجمہ: اور آپ ان پر حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا قصہ (بھی) پڑھ کر سنا دیں ۔ جب انہوں نے اپنے باپ ☆ اور اپنی قوم سے فرمایا: تم کس چیز کو پوجتے ہو۔ انہوں نے کہا: ہم بتوں کی پرستش کرتے ہیں اور ہم انہی (کی عبادت وخدمت) کے لئے جمے رہنے والے ہیں ۔ (ابراہیم علیہ السلام نے) فرمایا: کیا وہ تمہیں سنتے ہیں جب تم (ان کو) پکارتے ہو۔ یا وہ تمہیں نفع پہنچاتے ہیں یا نقصان پہنچاتے ہیں ۔ وہ بولے: (یہ تو معلوم نہیں) لیکن ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے پایا تھا۔

سیدنا شعیب علیہ السلام کا اپنی قوم کے ساتھ دعوتِ توحید کا مکالمہ:

﴿إِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ أَلَا تَتَّقُونَ۝إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ۝فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ۝وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ۝أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ۝وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ۝وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ۝وَاتَّقُوا الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْأَوَّلِينَ۝قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ۝وَمَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا وَإِنْ نَظُنُّكَ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ۝فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِنَ السَّمَاءِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ۝قَالَ رَبِّي أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ۝﴾ (۱)

ترجمہ: جب ان سے شعیب نے فرمایا کیا ڈرتے نہیں۔ بیشک میں تمہارے لئے اللہ کا امانتدار رسول ہوں تو اللہ سے ڈرو اور میرا حکم مانو۔ اور میں اس پر کچھ تم سے اجرت نہیں مانگتا میرا اجر تو اسی پر ہے جو سارے جہان کا رب ہے۔ ناپ پورا کرو اور گھٹانے والوں میں نہ ہو اور سیدھی ترازو سے تولو اور لوگوں کی چیزیں کم کر کے نہ دو اور زمین میں فساد پھیلاتے نہ پھرو اور اس سے ڈرو جس نے تم کو پیدا کیا اور اگلی مخلوق کو۔ بولے تم پر جادو ہوا ہے۔ تم تو نہیں مگر ہم جیسے آدمی اور بیشک ہم تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں۔ تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو اگر تم سچے ہو۔ فرمایا میرا رب خوب جانتا ہے جو تم کر رہے ہو۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے مابین ہونے والا مخاصمہ خاص اہمیت کا حامل ہے کیونکہ یہ گفتگو دو انتہائی مختلف نظریات کے حاملین کے درمیان ہوئی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنی اقوام کی اصلاح کے لیے کیا

---

(۱) سورۃ الشعراء: ۲۶/۱۷۷-۱۸۸

طریقہ کار اختیار فرمایا جس میں تہذیب، اخلاق اور احترام کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو ہی مخالف فریق تک نہیں پہنچایا گیا بلکہ اس کے غلط نظریات کی شدت سے نفی کی۔ جیسا کہ درج ذیل آیات سے معلوم ہوتا ہے:

﴿ فَأْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُولَا إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ o أَنْ أَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ o قَالَ أَلَمْ نُرَبِّكَ فِينَا وَلِيدًا وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِينَ o وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِي فَعَلْتَ وَأَنتَ مِنَ الْكَافِرِينَ o قَالَ فَعَلْتُهَا إِذًا وَأَنَا مِنَ الضَّالِّينَ o فَفَرَرْتُ مِنكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُرْسَلِينَ o وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ أَنْ عَبَّدتَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ o قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ o قَالَ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِن كُنتُم مُّوقِنِينَ o قَالَ لِمَنْ حَوْلَهُ أَلَا تَسْتَمِعُونَ o قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ o قَالَ إِنَّ رَسُولَكُمُ الَّذِي أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٌ o قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ o قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ إِلَٰهًا غَيْرِي لَأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُونِينَ o قَالَ أَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِينٍ o قَالَ فَأْتِ بِهِ إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ o فَأَلْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ o وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّاظِرِينَ o قَالَ لِلْمَلَإِ حَوْلَهُ إِنَّ هَٰذَا لَسَاحِرٌ عَلِيمٌ o يُرِيدُ أَن يُخْرِجَكُم مِّنْ أَرْضِكُم بِسِحْرِهِ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ o قَالُوا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ o يَأْتُوكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيمٍ o فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ o وَقِيلَ لِلنَّاسِ هَلْ أَنتُم مُّجْتَمِعُونَ o لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ إِن كَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ o فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالُوا لِفِرْعَوْنَ أَئِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِن كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ oقَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ إِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِينَoقَالَ لَهُم مُّوسَىٰ أَلْقُوا مَا أَنتُم مُّلْقُونَoفَأَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ إِنَّا لَنَحْنُ الْغَالِبُونَ﴾ [1]

ترجمہ: پس تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور کہو: ہم سارے جہانوں کے پروردگار کے (بھیجے ہوئے) رسول ہیں۔ (ہمارا مدعا یہ ہے) کہ تو بنی اسرائیل کو (آزادی دے کر) ہمارے ساتھ بھیج دے۔ (فرعون نے) کہا: کیا ہم نے تمہیں اپنے یہاں بچپن کی حالت میں پالا نہیں تھا اور تم نے اپنی عمر کے کتنے ہی سال ہمارے اندر بسر کئے تھے۔ اور (پھر) تم نے اپنا وہ کام کر ڈالا جو تم نے کیا

(۱) سورۃ الشعراء:۲۶/ ۱۶-۴۴

تھا(یعنی ایک قبطی کو قتل کر دیا) اور تم ناشکر گزاروں میں سے ہو (ہماری پرورش اور احسانات کو بھول گئے ہو)۔ (موسیٰ علیہ السلام نے) فرمایا: جب میں نے وہ کام کیا میں بے خبر تھا (کہ کیا ایک گھونسے سے اس کی موت بھی واقع ہو سکتی ہے)۔ پھر میں (اس وقت) تمہارے (دائرہ اختیار) سے نکل گیا جب میں تمہارے (ارادوں) سے خوفزدہ ہوا پھر میرے رب نے مجھے حکمِ (نبوت) بخشا اور (بالآخر) مجھے رسولوں میں شامل فرمادیا۔ اور کیا وہ (کوئی) بھلائی ہے جس کا تو مجھ پر احسان جتا رہا ہے (اس کا سبب بھی یہ تھا) کہ تو نے (میری پوری قوم) بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا۔ فرعون نے کہا: سارے جہانوں کا پروردگار کیا چیز ہے۔(موسیٰ علیہ السلام نے) فرمایا: (وہ) جملہ آسمانوں کا اور زمین کا اور اُس (ساری کائنات) کا رب ہے جو ان دونوں کے درمیان ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو۔ اس نے ان (لوگوں) سے کہا جو اس کے گرد (بیٹھے) تھے: کیا تم سن نہیں رہے ہو۔(موسیٰ علیہ السلام نے مزید) کہا کہ (وہی) تمہارا (بھی) رب ہے اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا (بھی) رب ہے۔(فرعون نے) کہا: بیشک تمہارا رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے ضرور دیوانہ ہے۔(موسیٰ علیہ السلام نے) کہا: (وہ) مشرق اور مغرب اور اس (ساری کائنات) کا رب ہے جو ان دونوں کے درمیان ہے اگر تم (کچھ) عقل رکھتے ہو۔(فرعون نے) کہا: (اے موسیٰ!) اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تم کو ضرور (گرفتار کر کے) قیدیوں میں شامل کر دوں گا۔(موسیٰ علیہ السلام نے) فرمایا: اگرچہ میں تیرے پاس کوئی واضح چیز (بطور معجزہ بھی) لے آؤں۔(فرعون نے) کہا: تم اسے لے آؤ اگر تم سچے ہو۔ پس (موسیٰ علیہ السلام نے) اپنا عصا (زمین پر) ڈال دیا وہ اسی وقت واضح (طور پر) اژدھا بن گیا۔ اور (موسیٰ علیہ السلام نے) اپنا ہاتھ (بغل میں ڈال کر) باہر نکالا تو وہ اسی وقت دیکھنے والوں کے لئے (چمک دار) سفید ہو گیا۔(فرعون نے) اپنے ارد گرد (بیٹھے ہوئے) سرداروں سے کہا: بلاشبہ یہ بڑا دانا جادوگر ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ تمہیں اپنے جادو (کے زور) سے تمہارے ملک سے باہر نکال دے پس تم (اب اس کے بارے میں) کیا رائے دیتے ہو۔ وہ بولے کہ تو اسے اور اس کے بھائی (ہارون کے حکمِ سزا سنانے) کو مؤخر کر دے اور (تمام) شہروں میں (جادوگروں کو بلانے کے لئے) ہرکارے بھیج دے۔ وہ تیرے پاس ہر بڑے ماہرِ فن جادوگر کو لے آئیں۔ پس سارے جادوگر مقررہ دن کے معینہ وقت پر جمع کر لئے گئے۔ اور

(فرعون کی طرف سے) لوگوں کو کہا گیا کہ تم (اس موقع پر) جمع ہونے والے ہو۔ تاکہ ہم جادوگروں (کے دین) کی پیروی کر سکیں اگر وہ (موسیٰ اور ہارون پر) غالب آگئے۔ پھر جب وہ جادوگر آگئے (تو) انہوں نے فرعون سے کہا: کیا ہمارے لئے کوئی اُجرت (بھی مقرر) ہے اگر ہم (مقابلہ میں) غالب ہو جائیں۔ (فرعون نے) کہا: ہاں بیشک تم اسی وقت (اجرت والوں کی بجائے میرے) قربت والوں میں شامل ہو جاؤ گے (اور قربت کا درجہ اُجرت سے کہیں بلند ہے)۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے ان (جادوگروں سے) فرمایا: تم وہ (جادو کی) چیزیں ڈال دو جو تم ڈالنے والے ہو۔ تو انہوں نے اپنی رسیاں اور اپنی لاٹھیاں ڈال دیں اور کہنے لگے: فرعون کی عزت کی قسم! ہم ضرور غالب ہوں گے۔

حاصل کلام:

مکالمہ اور مخاصمہ کی تاریخ حضرت انسان کی پیدائش سے بھی پہلے کی ہے، معلوم باوثوق ذرائع کے مطابق اللہ تعالی نے فرشتوں کے ساتھ کلام فرمایا ہے ان کو مخاطب کیا ہے جب ان کو تخلیق آدم متعلق اشکال سا پیدا ہوا تھا۔ پھر اس کے بعد جب ابلیس نے سجدہ سے انکار کیا تو اللہ تعالی نے اس کو مخاطب کیا، انسانی تاریخ دیکھے تو اللہ تعالی نے اپنے انبیاء کے ساتھ کلام فرمایا ہے ان کو مخاطب کیا ہے ان کے بے چینیوں کو دور فرمایا ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ارنی کیف تحی الموتی کے جواب میں اربعۃ طیر والا مکالمہ قرآن میں مذکور ہے، اسی طرح دیگر انبیاء کے ساتھ کے گئے مکالمات کی ایک فہرست ہے۔ پھر تیسرا دور آتا ہے جب اللہ تعالی ملائک یا انبیاء کے ذریعے عام انسانیت سے مخاطب ہوتا ہے جیسے تمام انبیاء کے قصص میں ان کا قوموں سے مکالمہ و مخاصمہ ہے اور یہی سے فن مخاصمہ کا اہم دور شروع ہوتا ہے جس میں خاص طور پر قرآن کریم نے یہود نصاری مشرکین اور منافقین کے ساتھ مخاصمہ فرمایا ہے۔

فصل سوم

قرآن کریم کا مختلف ادیانِ باطلہ کے ساتھ مخاصمہ کا اسلوب

اللہ تعالی نے ایادن محرفہ کے متبعین کے ساتھ جو مخاصمہ فرمایا ہے، اس کے اسالیب مروج علم المخاصمہ کے اسالیب سے مختلف ہیں، اس میں محض الزام الخصم اوراسکات الخصم کے بجائے دعوت، نصیحت خیر خواہی ہمدردی رد واثبات مدعا کے تمام اسالیب کالحاظ نظر آتا ہے۔ چنانچہ ذیل میں قرآنی علم المخاصمہ کے وہ اسالیب نقل کیے جاتے ہیں۔

ا۔ براہ راست مخاصمہ برائے دعوت توحید:

عقیدہ توحید مسلمانوں کے لیے سد افتخار ہے۔ اپنے تمام معاملات میں اس کو ترجیح دینا ان پر لازم ہے جیسا کہ ارشادی باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْاْ إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلاَّ نَعْبُدَ إِلاَّ اللّهَ﴾(۱)

آپ فرما دیں: اے اہلِ کتاب! تم اس بات کی طرف آجاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے، (وہ یہ) کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے۔

اس آیت میں براہ راست مخاصمہ توحید پر متفق ہونے کی تلقین کی گئی ہے۔

۲۔ ناصحانہ اور یاددہانی کا اسلوب:

دین اسلام خیر خواہی کا نام ہے اور رب کائنات کا پیغام ہے جو زندگی کے تمام وسائل فراہم کرتا ہے۔ اس کی طرف انسانوں کو متوجہ کرنا دعوت میں مفید ہے کیونکہ وہ منعم حقیقی ہے اور انسانوں کو بے انتہا نعمتوں سے نواز رہا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاتَّقُواْ يَوْماً لاَّ تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئاً وَّلاَ يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلاَ يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلاَ هُمْ يُنصَرُونَ﴾(۲)

اور اُس دن سے ڈرو جس دن کوئی جان کسی دوسرے کی طرف سے کچھ بدلہ نہ دے سکے گی اور نہ اس کی طرف سے (کسی ایسے شخص کی) کوئی سفارش قبول کی جائے گی

---

(۱) سورۃ آل عمران:۳/۶۴

(۲) سورۃ البقرۃ:۲/۴۷

(جسے اِذنِ اِلٰہی حاصل نہ ہوگا) اور نہ اس کی طرف سے (جان چھڑانے کے لئے) کوئی معاوضہ قبول کیا جائے گا اور نہ (اَمرِ الٰہی کے خلاف) ان کی اِمداد کی جا سکے گی۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا﴾[1]

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں شمار کرنا چاہو تو نہیں کرسکتے۔

۳۔ ترغیب وترہیب کا اسلوب:

انسانوں کی خیر خواہی کا ایک قرآنی اسلوب یہ بھی ہے کہ کبھی ترغیب کے ذریعے اور کبھی ترہیب کے ذریعے دعوت فکر دی جائے کیونکہ انسانی ضمیر کا یہ خصوصیات ہے کہ وہ کبھی ڈر اور کبھی ترغیب سے مائل ہوتا ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُواْ التَّوْرَاةَ وَالإِنجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيهِم مِّن رَّبِّهِمْ لأَكَلُواْ مِن فَوْقِهِمْ وَمِن تَحْتِ أَرْجُلِهِم مِّنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ﴾[2]

ترجمہ: اور اگر وہ لوگ تورات اور انجیل اور جو کچھ (مزید) ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا تھا (نافذ اور) قائم کردیتے تو (انہیں مالی وسائل کی اس قدر وسعت عطا ہوجاتی کہ) وہ اپنے اوپر سے (بھی) اور اپنے پاؤں کے نیچے سے (بھی) کھاتے (مگر رزق ختم نہ ہوتا)۔ ان میں سے ایک گروہ میانہ رَو (یعنی اعتدال پسند ہے)، اور ان میں سے اکثر لوگ جو کچھ کررہے ہیں نہایت ہی برا ہے۔

۴۔ اسلوب انکار ورد:

قرآن کریم نے اسلوب مخاصمہ میں رد وانکار کا اسلوب بھی اپنایا ہے جیسا کہ اس آیہ کریمہ سے ظاہر ہوتا ہے:

﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللهِ وَأَنتُمْ تَشْهَدُونَOيَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُونَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾[3]

---

(۱) سورۃ النحل:۱۶/۱۸

(۲) سورۃ المائدۃ:۵/۶۶

(۳) سورۃ آل عمران:۳/۷۰-۷۱

ترجمہ: اے اہلِ کتاب! تم اللہ کی آیتوں کا انکار کیوں کر رہے ہو حالانکہ تم خود گواہ ہو (یعنی تم اپنی کتابوں میں سب کچھ پڑھ چکے ہو)۔ اے اہلِ کتاب! تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں خلط ملط کرتے ہو اور حق کو کیوں چھپاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو۔

۵۔ مخاصمہ برائے دعوت دین:

قرآن مجید نے ہمیں ایک اور کا اسلوب بتادیا ہے کہ لوگوں کو کس طرح دین کی طرف بلایا جائے اور ان سے مخاصمہ کس طرح کیا جائے تا کہ ان کو مائل بدین کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں حکم فرمادیا ہے:

﴿ ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴾[۱]

ترجمہ: (اے رسولِ معظّم!) آپ اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلائیے اور ان سے بحث (بھی) ایسے انداز سے کیجئے جو نہایت حسین ہو، بیشک آپ کا رب اس شخص کو (بھی) خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں کو (بھی) خوب جانتا ہے۔

دعوت کے یہ تین اصول مسلمانوں کو سکھائے گئے: عقل وحکمت، موعظ حسنہ اور مناظرہ بطریق احسن۔ مسلمان متکلمین نے بیان کیا ہے کہ دعوت و تبلیغ کے یہ تینوں اصول وہی ہیں جو منطقی استدلال میں عموماً کام میں لائے جاتے ہیں، یعنی ایک تو برہانیات جن میں یقینی مقدمات کے ذریعے سے دعویٰ کے ثبوت پر دلائل لائے جاتے ہیں۔ دوسرے خطابیات جن میں مقبول اور موئثر دل پذیر اقوال سے مقصود کو ثابت کیا جاتا ہے اور تیسرے جدلیات جن میں مقبول عام اقوال ور فریقین کے مسلم مقدمات سے استدلال کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید نے پہلے طریقے کو حکمت، دوسرے کو موعظت حسنہ اور تیسرے کو جدال حسن سے تعبیر کیا۔ اور استدلال کے یہی وہ تین طریقے ہیں جن سے ایک شخص دوسرے کے سامنے اپنا مدعا کو ثابت کرتا ہے۔[۲]

---

(۱) سورۃ النحل: ۱۶/ ۱۲۵

(۲) سیرت النبی، سید سلیمان ندوی، مطبع معارف اعظم گڑھ، ۱۲۳۲ھ، ۴/ ۳۵۲

مکالمے کا مقصد دوسروں کو شکست دینا نہیں ہوتا بلکہ اس کا تعلق سیکھنے، تفہیم حاصل کرنے اور دعوتِ فکر دینا ہوتا ہے۔ قرآن کریم اس پر اصرار کرتا ہے کہ دنیا کا حسن اس کے تنوع میں ہے، بصورت دیگر اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسا بنایا ہی نہ ہوتا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَن فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا أَفَأَنتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ﴾[1]

ترجمہ: اور اگر آپ کا رب چاہتا تو ضرور سب کے سب لوگ جو زمین میں آباد ہیں ایمان لے آتے، (جب رب نے انہیں جبراً مومن نہیں بنایا) تو کیا آپ لوگوں پر جبر کریں گے یہاں تک کہ وہ مومن ہو جائیں۔

۶۔ مخاصمہ میں حکمت و دانائی کا عمل دخل:

قرآنی نکتۂ نظر سے "حکمت" تبلیغی طریقہ کار میں اولین اہمیت کی حامل ہے۔ حکمت کا مطلب ہے کہ بیوقوفوں کی طرح اندھادھند تبلیغ نہ کی جائے بلکہ دانائی کے ساتھ مخاطب کی ذہنیت، استعداد اور حالات کو سمجھ کر نیز موقع و محل کو دیکھ کر بات کی جائے۔ ہر قسم کے لوگوں سے ایک ہی انداز سے پیش آنا درست نہیں، جس شخص یا گروہ سے سابقہ پیش آئے تو اس کے مرض کی تشخیص کی جائے، پھر ایسے دلائل سے اس کا علاج کیا جائے جو اس کے دل و دماغ کی گہرائیوں سے اس مرض کی جڑ نکال سکتے ہوں۔[۲]

مخاصمہ بلاشبہ ایک سچے جذبے اور حقیقی لگن کی متقاضی ہے، لیکن جوش و جنون میں موقع اور محل کا لحاظ نہ کرنا سخت مضر ہے۔ مثلاً ایک داعی حق کو ان تمام اوقات میں دعوت حق سے اجتناب کرنا چاہیے جب مخاطب اعتراض اور نکتہ چینی کی طرف مائل ہو۔ نہ صرف اس حالت میں بلکہ دعوت پیش کرنے کے بعد بھی مخاطب پر عتراض، نکتہ چینی کا دورہ پڑ جائے تو داعی کو چاہیے کہ بحث کو بڑھانے کی بجائے ختم کرتے ہوئے وہاں سے ہٹ جائے اور کسی مناسب موقع کا انتظار کرے۔[۳]

موقع و مناسبت کے اہمیت کے پیش نظر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

---

(۱) سورۃ یونس: ۱۰/۹۹

(۲) تفہیم القرآن، مودودی، ابو الاعلی سید، مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور، ۱۹۵۴ء، ۱/۵۸۱

(۳) دعوت دین اور اس کا طریقہ، امین احسن اصلاحی، مکتبہ جماعت اسلامی لاہور، ص: ۱۱۰

حَدِّثِ النَّاسَ كُلَّ جُمُعَةٍ مَرَّةً فَإِنْ أَبَيْتَ فَمَرَّتَيْنِ فَإِنْ أَكْثَرْتَ فَثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَلَا تُمِلَّ النَّاسَ هَذَا الْقُرْآنَ وَلَا أُلْفِيَنَّكَ تَأْتِي الْقَوْمَ وَهُمْ فِي حَدِيثٍ مِنْ حَدِيثِهِمْ فَتَقُصُّ عَلَيْهِمْ فَتَقْطَعُ عَلَيْهِمْ حَدِيثَهُمْ فَتُمِلُّهُمْ وَلَكِنْ أَنْصِتْ فَإِذَا أَمَرُوكَ فَحَدِّثْهُمْ وَهُمْ يَشْتَهُونَهُ"[۱]

ترجمہ: لوگوں کو جمعہ، جمعہ وعظ کیا کرو۔ اگر اس سے زیادہ ہو تو ہفتے میں دوبار، اگر اس سے بھی زیادہ کرنا چاہو تو تین بار اور لوگوں کو اس قرآن سے بیزار نہ کرو ایسا ہرگز نہ ہو کہ تم لوگوں کے پاس ایسے وقت میں آؤ جب وہ اپنی کسی اور دلچسپی میں ہوں اور اس وقت ان کو وعظ شروع کر دو تو اس کا نتیجہ بیزاری ہے۔ ایسے موقع پر خاموش رہو یہاں تک کہ لوگ تم سے خواہش کریں تو ان کو سناؤ تا کہ تمہارا وعظ رغبت سے سنیں۔

اسلام کی خوبی ہے کہ اس میں فطرت انسانی کا لحاظ اور آسانیاں ملحوظ خاطر رکھ گئی ہے بے جا سختی نہیں پائی جاتی جیسا کہ:

رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو یمن میں اسلام کی دعوت و تبلیغ کے لیے متعین کیا، تو رخصت کرتے ہوئے فرمایا:

((يَسِّرُا وَلاَ تُعَسِّرُا بشرا وَلاَ تُنَفِّرُا))[۲]

ترجمہ: دینِ الٰہی کو آسان کر کے پیش کرو سخت بنا کر نہیں، لوگوں کو خوشخبری سنانا، نفرت نہ دلانا۔

اس کے ساتھ ساتھ اس دین میں انسانوں کے ساتھ شفقت و نرمی کا رویہ اور سلوک بھی پایا جاتا ہے۔ چنانچہ خبر گیری اور نرمی کا یہ اسلوب دعوت دین میں نہایت کارگر ہے، جیسا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

((تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ فِي فُقَرَائِهِمْ فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذَلِكَ فَإِيَّاكَ وَكَرَائِمَ أَمْوَالِهِمْ وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللَّهِ حِجَابٌ))[۳]

---

(۱) مشکاۃ المصابیح، محمد بن عبد اللہ خطیب التبریزی، کتاب العلم، الفصل الثالث، المکتبہ الاسلامی، بیروت، ۱۹۸۵ء، ۱/۸۴

(۲) صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب فی الامر بالتیسیر، حدیث نمبر ۴۶۲۶، ۵/۱۴۱

(۳) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الامر بالایمان، ۱/۳۷

یہ صدقوں ان کے دولتمندوں سے لے کر غریبوں کو دلایا جائے اور جب وہ اس کو تسلیم کر لیں تو دیکھو صدقہ میں چن چن کر ان کے بڑھیا مال کو نہ لینا اور ہاں مظلوم کی بددعا سے ڈرتے رہنا کہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں۔

آج بھی انہی اسلوب، خیر خواہی، نرمی، محبت، شفقت اور خیر گیری سے دعوت دین کو کامیاب بنایا جا سکتا ہے۔ اسی مقصد کے لیے اسلام میں زکوٰۃ کا ایک مؤلفۃ القلوب بھی ہے۔

گزشتہ بحث سے یہ بات عیاں ہوگئی کہ مخاصمہ جب مخالف مذہب سے کیا جائے اور وہ حق کو مان لیں تو دین کے معاملے میں ان کے ساتھ بے جا سختی نہ کی جائے اور کمزور طبقے کا خصوصی خیال رکھا جائے۔ ان کے حقوق ان کو دلوائے جائیں۔

۷۔ مخاصم کی نفسیات کا خیال رکھنا:

حکمت حوار میں ایک اہم اصول ہے جسے متکلم کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے۔ علاوہ ازیں مخاطب کی استعداد اور نفسی کیفیات کو بھی ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ مثلاً عام مخاطب کی ذہنی استعداد کو ملحوظ نہ رکھتے ہوئے منقطی استدلال اور فلسفیانہ مباحث شروع کر دیئے جائیں یا کسی دانش ور سے گفتگو کرتے ہوئے بے رنگ اور بے ڈھب انداز گفتگو اختیار نہ کیا جائے، بلکہ لوگوں سے ان کی ذہنی استعداد کے مطابق بات کی جائے۔ دعوت حق کے بعض مشکل تقاضے ہوتے ہیں اور بعض سہل۔ داعی کو آغاز ہی سے وہ باتیں بیان نہیں کرنی چاہئیں جن سے اکتاہٹ اور نفرت پیدا ہو۔ آپ ﷺ نے بطور خصوصی تیسیر کا حکم فرمایا:

((يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا وَبَشِّرُوا وَلَا تُنَفِّرُوا)) (۱)

ترجمہ: آسانی پیدا کرو تنگی نہیں، خوشخبری دو لوگوں میں نفرت نہ پھیلاؤ۔

تبلیغ کے جوش میں یہ بات بھی جائز نہیں کہ آدمی جس مجلس میں چاہے چلا جائے اور کوئی بات سننے کے لیے تیار بھی نہ ہو اور وہ اپنی بات سنانے کے لیے بضد ہو، اسے مخاطب کیا جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"وَلَا أُلْفِيَنَّكَ تَأْتِي الْقَوْمَ وَهُمْ فِي حَدِيثٍ مِنْ حَدِيثِهِمْ فَتَقُصُّ عَلَيْهِمْ فَتَقْطَعُ عَلَيْهِمْ حَدِيثَهُمْ فَتُمِلَّهُمْ وَلَكِنْ أَنْصِتْ فَإِذَا أَمَرُوكَ فَحَدِّثْهُمْ وَهُمْ يَشْتَهُونَهُ" (۲)

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب العلم، باب العلم قبل القول، ۱/ ۲۵

(۲) مشکاۃ المصابیح، کتاب العلم، الفصل الثالث، ۱/ ۸۴

ترجمہ: میں تمہیں اس حال میں نہ دیکھوں کہ تم کسی جماعت کے پاس جاؤ اور وہاں کسی اور کام میں مشغول ہوں اور اس حالت تم انہیں اپنا وعظ سنانا شروع کر دو، بلکہ تمہیں چاہئے کہ خاموش رہو اور جب لوگ خواہش کریں تو ان کو سناؤ۔

مکالمہ میں یہ بات بھی حکمت کے خلاف ہے کہ ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جو لوگوں کے لیے بوجھ بن جائے اور لوگ بات سمجھنے کی بجائے اس سے بھاگنے لگیں۔ اس لیے مخاصمہ آسان فہم اور خوامخواہ کی طوالت سے پاک ہو اور جس موضوع پر بات ہو رہی ہو اس پر مختصر و جامع الفاظ میں مباحثہ کیا جائے۔ غیر ضروری اور دور از کار باتوں سے پرہیز کیا جائے۔

۸۔ غور و فکر کی دعوت:

مکالمہ کا تقاضا ہے کہ مخاطب کو غور و فکر پر مجبور کیا جائے اور اسے تفکر تدبر کی راہ پر ڈالا جائے۔ عقلی دلائل اور مشاہداتی براہین کے ذریعے دعوت حق کو موثر بنایا جائے۔ مذاہب عالم کی تاریخ میں نبوت محمدیہ ﷺ ایک منفرد ربانی آواز ہے جس نے محض حاکمانہ قانون اور آمرانہ احکام کے بجائے عقل انسانی کو مخاطب کیا، غور و فکر کی دعوت دی اور فہم و تدبر کا مطالبہ کیا۔ اس نے اپنی تعلیم کے ساتھ اس کی خوبی، مصلحت اور حکمت خود ظاہر کی اور بار بار مخالفوں کو آیاتِ الٰہی میں غور و فکر کی ہدایت کی۔

﴿ تَبْصِرَةً وَذِكْرَى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيبٍ ﴾[1]

ترجمہ: (یہ سب) بصیرت اور نصیحت (کا سامان) ہے ہر اس بندے کے لئے جو (اللہ کی طرف) رجوع کرنے والا ہے۔

﴿هَذَا بَصَائِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ﴾[2]

ترجمہ: یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے نصیحتیں ہیں۔

﴿بَصَائِرَ لِلنَّاسِ﴾[3]

ترجمہ: یہ لوگوں کے لیے نصیحتیں ہیں۔

---

(۱) سورۃ ق: ۵۰/ ۸

(۲) سورۃ الاعراف: ۷/ ۲۰۳

(۳) سورۃ القصص: ۲۸/ ۴۳

﴿أَفَلاَ يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ﴾[1]

ترجمہ: تو کیا وہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے؟

﴿تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ﴾[2]

ترجمہ: یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں۔

پورا قرآن حکیم صداقت کی عقلی دلیلوں سے بھرا ہوا ہے۔ ہر مسئلہ کی مصلحتیں اور حکمتیں صاف واضح اور ظاہر کی گئی ہیں یہ انسان کی اپنی سمجھ اور عقل دانش پر منحصر ہے کہ وہ ان سے کتنا استفادہ کرتا ہے۔ اور اس پر کتنا عمل کرتا ہے۔ جس انسان نے قرآن کریم کو سمجھا اور اس سے استفادہ کیا وہی کامیابی کی منزل پر ہو گا۔ متکلم کو قرآنی دلائل سے مخاطب کو قائل کرنا چاہیے۔

۹۔ عدل وانصاف کو مد نظر رکھنا:

ایک مسلمان مومن کو جن باتوں کے لیے زبان کھولنا ضروری ہے، ان میں عدل و انصاف سے گفتگو بھی شامل ہے۔ اسلام نے جو بڑی نیکیاں اور خوبیاں گنوائی ہیں ان میں سے ایک مصالحت ہے، تاہم اس میں انصاف کو مد نظر رکھنا لازمی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُواْ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَى﴾[3]

ترجمہ: اور جب تم (کسی کی نسبت کچھ) کہو تو عدل کرو اگرچہ وہ (تمہارا) قرابت دار ہی ہو۔

مکالمہ کے لیے دوسری بنیادی چیز عمدہ نصیحت ہے۔ عمدہ نصیحت کے دو مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ مخاطب کو صرف دلائل سے ہی مطمئن کرنے پر ہی اکتفاء نہ کیا جائے بلکہ اس کے جذبات کو بھی اپیل کی جائے۔ برائیوں اور گمراہیوں کا محض عقلی حیثیت سے ہی ابطال نہ کیا جائے بلکہ انسان کی فطرت میں ان کے لیے جو پیدائشی نفرت پائی جاتی ہے اسے بھی ابھارا جائے اور ان کے برے نتائج کا خوف دلایا جائے۔ ہدایت اور عمل صالح کی محض صحت اور خوبی ہی عقلاً ثابت نہ کیا جائے بلکہ ان کی طرف رغبت اور شوق بھی پیدا کیا جائے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ نصیحت ایسے طریقے سے کی جائے کہ جس سے دل سوزی اور خیر خواہی ٹپکتی ہو۔ مخاطب یہ نہ سمجھے کہ ناصح اسے حقیر سمجھ رہا ہے

---

(۱) سورۃ النساء:۴/ ۸۲

(۲) سورۃ لقمان:۳۱/ ۲

(۳) سورۃ الانعام:۶/ ۱۵۲

اور اپنے بلند رتبے سے لطف اندوز ہو رہا ہے بلکہ اسے یہ محسوس ہو کہ ناصح کے دل میں اس کی اصلاح کے لیے تڑپ موجود ہے اور وہ حقیقت میں اس کی بھلائی چاہتا ہے۔[۱]

۱۰۔اخلاصِ نیت کا ہونا:

دعوت ایک ایسا عمل ہے جس کے نتیجے میں قلبی حالت تبدیل ہو جاتی ہے کوئی شخص اس وقت تک اپنے عقائد، رسومات، نظریات اور خاندانی وقار کے تقاضوں کو نہیں بھلا سکتا، جب تک اسے داعی کی بے لوثی، نیک نیتی اور خیر خواہی کا یقین نہ ہو جائے۔ اور داعی کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ اپنی نیت کو ٹٹولے اور اخلاص نیت کو یقینی بنائے۔ اپنے آپ کو خود پسندی اور تعریف سے دور رکھے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لاَّ خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلاَّ مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلاَحٍ بَيْنَ النَّاسِ وَمَن يَفْعَلْ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا﴾[۲]

ترجمہ: ان کے اکثر خفیہ مشوروں میں کوئی بھلائی نہیں سوائے اس شخص (کے مشورے) کے جو کسی خیرات کا یا نیک کام کا یا لوگوں میں صلح کرانے کا حکم دیتا ہے اور جو کوئی یہ کام اللہ کی رضا جوئی کے لئے کرے تو ہم اس کو عنقریب عظیم اجر عطا کریں گے۔

چونکہ اس عمل کے نتیجے میں بہت بڑا اجر ملنے والا ہے۔ اس کو ضائع ہونے سے بچایا جائے۔ اس ضمن میں قرآن مجید میں سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے یہ جملہ نقل کیا گیا ہے:

﴿إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى الَّذِي فَطَرَنِي أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾[۳]

ترجمہ: میرا صلہ تو اس کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا، بھلا تم سمجھتے کیوں نہیں؟

﴿إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾[۴]

ترجمہ: میرا اجر تو صرف سب جہانوں کے رب کے ذمہ ہے۔

---

(۱) تفہیم القرآن، مودودی، ابوالاعلیٰ سید، ۲/ ۵۸۲

(۲) سورۃ النساء:۴/ ۱۱۴

(۳) سورۃ ہود:۱۱/ ۵۱

(۴) سورۃ الشعراء:۲۶/ ۱۰۹

غزوہ احد میں حضور اکرم ﷺ کو لہولہان کیا گیا، لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ شدید ترین اذیت کے لمحات میں بھی یوں بدستِ دعا ہو کر فرمانے لگے:

((عن عبداللہ بن مسعود: كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلى النَّبِيِّ ﷺ يَحْكِي نَبِيًّا مِنَ الأَنْبِياءِ ضَرَبَهُ قَوْمُهُ فأَدْمَوْهُ، وهو يَمْسَحُ الدَّمَ عن وجْهِهِ ويقولُ: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِي؛ فإنَّهُمْ لا يَعْلَمُونَ))"[1]

ترجمہ: اے اللہ! میری قوم کو بخش دے یہ حقیقت کا علم نہیں رکھتے۔

یہ طرزِ عمل مبلغ کی خیر خواہی پر دلالت کرتا ہے اور بدترین مخالف کو بھی بالآخر حق کی طرف ضرور کھینچتا ہے۔

حاصل کلام:

آیات مخاصمہ کے مطالعے سے مخاصمہ ومکالمہ کے اسالیب بھی واضح طور پر سامنے آتے ہیں ان اسالیب میں سب سے نمایاں اسلوب دعوت وتبلیغ کا ہے، دوم رد وانکار کا ہے، اسلوب دعوت میں پھر وہی اصول کار فرما رہتے ہیں کہ داعی اخلاص نیت کے ساتھ مخاطبین سے مکالمہ کرے، مخاطبین کی نفسیات کا مکمل لحاظ رکھے، عدل وانصاف کے تقاضے پورے کرے نیز حکمت اور اخلاقیات کا خیال رکھیں۔ اور رد وانکار میں احقاق حق اور ابطال باطل کے لیے کوئی مفاد آڑے نہ آئے فاصدع بما تؤمر کی شان نمایاں ہونی چاہئے۔

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الآدب، باب الحذر من الغضب حدیث نمبر ۳۴۷۷

باب دوم:
توحید سے متعلق نظریات اور آیات علم المخاصمہ کے تناظر میں ان کا رد

فصل اول: توحید سے متعلق یہود کا نظریہ

فصل دوم: توحید سے متعلق نصاریٰ کا نظریہ

فصل سوم: توحید سے متعلق مشرکین کا نظریہ

فصل چہارم: توحید سے متعلق منافقین کا نظریہ

تمہید:

اس باب میں چار فصول ہیں، ہر فصل کے شروع میں مبادیات کے عنوان سے ہر طبقہ کا مختصر تعارف اور باب کا محوری عنوان یعنی توحید کی تعریف و مدارج لکھے جائیں گے۔

فصل اول میں توحید باری تعالی سے متعلق یہود کے باطل نظریات کو لکھا جائے گا اور قرآن آیات کے ضمن میں اس کا رد لکھا جائے گا۔ مثلا یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیتے تھے یہ ان کا باطل نظریہ ہے جس پر اس فصل میں قرآنی آیات کی روشنی میں رد رقم کیا جائے گا۔

فصل دوم میں توحید سے متعلق نصاری کا باطل نظریہ لکھا جائے گا یعنی انہوں نے جو حضرت عیسی علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے تھے قرآنی آیات کے ذیل میں عقیدہ تثلیث کا رد مرقوم کیا جائے گا۔

فصل سوم میں مشرکین کا تعارف، مشرکین کے عقائد، پھر مشرکین کا باطل نظریہ شرک فی صفات اللہ تعالی ذکر کیا جائے گا، اور اس پر بطور ردو مخاصمہ جو آیات وارد ہیں وہ ذکر کیے جائیں گے۔

فصل چہارم میں منافقین کا تعارف اور ان کی اقسام اور ان کے باطل نظریات کفر باللہ، شک فی قدرۃ اللہ، اللہ کو دھوکہ دینا، اللہ تعالی کی طرف فریب کی نسبت کرنا، اللہ تعالی کے حق میں برے خیالات کا اعتقاد وغیرہ اور ان کا رد لکھا جائے گا۔

مبادیات:

چونکہ اس باب میں دین اسلام کے بنیادی عقیدہ توحید متعلق مذاہب محرفہ میں سے یہودیت کے باطل نظریات پر وارد آیات مخاصمہ کیا ذکر ہو گا، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مبادیات کے اس عنوان کے تحت توحید کی تعریف، مدارج اور یہود کا تفصیلی تعارف پیش کیا جائے چنانچہ ذیل میں توحید کی تعریف، مدارج اور یہود کا تعارف لکھا جاتا ہے۔

توحید کی تعریف:

دین اسلام عقیدے اور شریعت کے مجموعے کا نام ہے۔ عقیدے کی عمارت جن بنیادوں پر کھڑی ہے وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان	۲۔ رسولوں پر ایمان	۳۔ فرشتوں پر ایمان
۴۔ کتب پر ایمان	۵۔ قیامت کے دن پر ایمان	۶۔ اچھی اور بری تقدیر پر ایمان

ان سب میں عقیدہ توحید کو سب سے بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ عقیدہ توحید ہی دینِ اسلام کی اصل اساس اور بنیاد ہے۔

توحید کا لفظ وحدہ سے مشتق ہے، جس کا مطلب ہے "متحد یا مضبوط کرنا" ایک بنانا یا اکائی پر اصرار کرنا۔

ماہرِ لغت زبیدی لکھتے ہیں:

"والتوحيدالايمان بالله وحده لا شريك له والله الواحد الاوحد الا حدوالمتوحد: ذوالوحدانية والتوحيد"[1]

ترجمہ: اور توحید اس اکیلے اللہ پر ایمان جس کا کوئی شریک نہیں۔ اللہ ایک ہے، تنہا ہے، یکتا ہے اور واحد، وحدانیت والا اور بے مثال ہے۔

جب یہ لفظ توحید اللہ تعالیٰ کے لفظ سے استعمال ہوتا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے انسان کا تمام اعمال میں بالواسطہ یا بلاواطہ اللہ تعالیٰ سے ہونا۔ یہ اس پر ایمان ہے کہ اللہ ایک ہے، اس کی بادشاہی میں اور اس کے کاموں میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔[2]

ایمان باللہ سے مراد عقیدہ توحید ہے۔ (اقرار باللسان وتصدیق بالقلب) یعنی زبان سے اقرار کرنے اور دل سے تصدیق کرنے کا نام ایمان ہے۔

توحید کے مدارج:

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی توحید کے درجے بیان کرتے ہوئے حجۃ اللہ البالغہ میں رقمطراز ہیں کہ توحید کے چار درجے ہیں۔

(۱)۔ واجب الوجود صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے منحصر ہے اور اللہ ہی کی ذات واجب الوجود ہے

(۲)۔ عرش، آسمان، زمین اور دیگر تمام جواہر کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

(۳)۔ آسمان، زمین اور جو کچھ ان دونوں میں موجود ہے اس کا مدبر حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔

(۴)۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا دوسرا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔[3]

اولاً: اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لانا:

فطرت، عقل، شریعت اور احساس و شعور اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلالت کرتے ہیں۔

---

(۱) تاج العروس، الزبیدی: ۹/ ۲۶۷۔۲۶۸

(۲) اسلام کا تصور توحید، حکیم محمود احمد ظفر، علی فرید پرنٹرز، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص: ۴۶

(۳) حجۃ اللہ البالغہ، امام شاہ ولی اللہ دہلوی، (مترجم، مولانا ابو العلاء محمد اسماعیل)، حنیف اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۹۹ء ص: ۱۴۸

کسی کی پیشگی سوچ وبچار اور تعلیم کے بغیر ہر مخلوق اپنے خالق کو ماننے پر مجبور ہے۔اس فطری تقاضے سے صرف وہی منہ موڑ سکتا ہے جس کے دل پر ایسی کیفیت ہو جو اس حقیقت سے اس کا منہ موڑے۔فرمان نبوی ﷺ ہے:

((كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ))(۱)

ترجمہ: ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے والدین اسے یہودی بنادیتے ہیں یا نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں۔

کائنات میں جس قدر بھی مخلوق پائی جاتی ہے، کیا پہلی اور کیا بعد والی، لازماً اس کا کوئی خالق ہے جس نے اسے پیدا کیا ہے۔جب یہ بات طے ہے کہ مخلوق اپنے آپ کو وجود نہیں بخش سکتی اور نہ ہی یہ سب اچانک ہو سکتا ہے تو ثابت ہو گیا کہ اس مخلوق کو کوئی وجود بخشنے والی ذات ہے اور وہ ذات اللہ تعالیٰ رب العالمین کی ہے جو کہ اکیلا ہے اس کی بادشاہت میں کوئی شریک نہیں۔

یہود کا تعارف:

یہود، یہودی کی جمع ہے جو یہودی مذہب کے پیروکار کہلاتے ہیں۔ نیز بنی اسرائیل کی قدیم شاخ اوار کی اولاد ہیں۔ دنیا بھر میں یہودیوں کی موجودہ تعداد کا مکمل اندازہ تو نہیں لگایا جاسکتا، تاہم ان کی تعداد ۱۲ سے ۱۴ ملین کے لگ بھگ ہے جن کی اکثریت امریکا اور اسرائیل میں رہائش پزیر ہیں۔

حالیہ اعداد و شمار کے مطابق دنیا میں ا کروڑ چوالیس لاکھ ۳۵ ہزار نو سو یہودی ہیں۔اسرائیل میں ۳۰ لاکھ، روس میں ۲۶ لاکھ بیس ہزار اور امریکا میں ۵۸،۷۰،۰۰۰ آباد ہیں۔ دنیا میں سب سے زیادہ یہودی نیویارک شہر میں جہاں ان کی تعداد ۱۸،۳۰،۰۰۰ ہے۔ یہودی کی اصطلاح اپنے اندر کثیر مذہبی وظائف اور عقائد کو سمیٹے ہوئے ہے۔ دنیا بھر کے یہودی اپنے وظائف اور عقائد کے لحاظ سے متعدد حصوں میں منقسم ہیں۔(۲)

یہودیت ابراہیمی توحیدی مذاہب میں سے ایک مذہب ہے، جس کے تابعین قومِ موسیٰ علیہ السلام یا بنی اسرائیل کہلاتے ہیں مگر تاریخی مطالعہ میں یہ دونوں نام اس عصر اور اس قوم کے لیے منتخب ہیں جس کا تورات کے جز خروج (Exodus) میں ذکر ہے۔اس کے مطابق بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نبی موسیٰ نے آزاد کیا اور بحیرہ احمر پار کرا کے جزیرہ نمائے سینا لے آئے۔

---

(۱) صحیح بخاری، محمد بن اسماعیل بخاری، دار السلام ریاض، کتاب الجنائز، باب ما قیل فی اولاد المشرکین، حدیث:۱۳۸۵

(2) Population, by Population Group. Israel Central Bureau of Statistics. 2016،اخذ کردہ بتاریخ ۴ مئی ۲۰۱۶۔

یہودیت میں فقہی اختلاف کے باوجود، سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دین کی بنیاد بیشک نبی موسیٰ نے رکھی، اور دین کا دارومدار تورات اور تلمود کے مطالعہ پر ہے، نہ کہ کسی ایک شخصیت کی پیروی کرنے پر۔[1]

یہود کا تاریخی پس منظر:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے۔ اسماعیل اور اسحاق۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کے بھی دو بیٹے تھے ایک یعقوب اور ایک عیسو۔ عیسو پیغمبر نہیں تھے جبکہ حضرت یعقوب (علیہ السلام) پیغمبر تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے جن میں سے ایک کا نام" یہوداہ "تھا۔ یہودی اسی کی طرف منسوب ہیں۔ یا یہ کہ یعقوب کا لقب " اسرائیل" تھا اور اسرائیل کا مطلب ہے اللہ کا بندہ۔ بنی اسرائیل کا مطلب ہے اسرائیل کی اولاد، جو "یہودی" کہلائے۔ آدم سے لے کر ملاکی[2] تک جتنے بھی انبیا گزرے ہیں یہودی ان سب کو انبیا مانتے ہیں۔ یہودی ملاکی کو آخری بائبلی نبی سمجھتے ہیں۔ اور ملاکی کے بعد جتنے بھی نبی آئے انہیں یہودی نہیں مانتے۔ اور ابھی تک مشیاخ (مسیح) کے انتظار میں ہیں، ان کے نزدیک مسیح ہی آخری پیغمبر ہو گا۔ اس طرح یہودی تورات کو اللہ کی طرف سے نازل شدہ مانتے ہیں لیکن انجیل اور قرآن کو نہیں مانتے۔[3]

یہود کے بنیادی عقائد:

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود قدیم بنی اسرائیل کی اولاد ہیں، جن کے جدِ امجد حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک جلیل القدر پیغمبرِ خدا ہیں جنہیں خلیل اللہ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ہر باطل اور شرک سے پاک و منزہ پیدا فرمایا تھا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿دِينًا قِيَمًا مِّلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾[4]

ترجمہ: (یہ) مضبوط دین (کی راہ ہے اور یہی) اللہ کی طرف یک سو اور ہر باطل سے جدا ابراہیم (علیہ السلام) کی ملت ہے، اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔

---

(1) Major Religions of the World Ranked by Number of Adherents

(۲) ملاکی عبرانی میں جس کا مفہوم خدا تک پہنچانے میں مددگار یا بسا اوقات خدا کی مدد پہنچانے میں مددگار اور کہیں خدا کو پہنچانے والا ان کا ذکر عہد عتیق میں بیان کیے گئے پیغمبروں کے ضمن میں آتا ہے۔ اور انہیں انبیائے صغری میں سے گردانا جاتا ہے۔

(3)Della Pergola, Sergio (2015). World Jewish Population, 2015. Berman Jewish Data Bank اخذ کردہ۔ بتاریخ ۴ مئی ۲۰۱۶.

(۴) سورۃ الانعام: ۶/ ۱۶۱

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیمات کے مطابق یہودی عقائد کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ہے۔چونکہ بنی اسرائیل خود کو اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ بندہ گردانتے ہیں۔ لہذا یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہودی عقائد کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے ساتھ ساتھ خود کی فضیلت پر بھی ہے۔[1]

یہود خود کو اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ بندہ سمجھتے ہیں اوراپنے علاوہ ہر کسی کو کمتر سمجھتے ہیں۔یہود کے اسی نظریے کی ترجمانی قرآن مجید میں درج ذیل الفاظ میں کی گئی ہے:

﴿نَحْنُ أَبْنَاءُ اللهِ وَأَحِبَّاؤُهُ﴾[٢]

ترجمہ: ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔

اسی بناء پر یہودیوں نے ایک ایسا باطل نظریہ بنالیا جس پر ان کے پاس کوئی دلیل بھی نہیں ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَقَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً ۚ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِندَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَن يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ ۖ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴾[٣]

اور بولے ہمیں تو آگ نہ چھوئے گی مگر گنتی کے دن۔ تم فرمادو کیا اللہ تعالیٰ سے تم نے کوئی عہد لے رکھا ہے؟ جب تو اللہ ہرگز اپنے عہد کی خلاف ورزی نہ کرے گا یا اللہ تعالیٰ پر وہ بات کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں۔

شانِ نزول:

آیتِ مذکورہ کے بارے میں امام الطبری اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

---

(1) Louis Jacobs. The Book of Jewish Belief. USA: Behrman House, Inc, 1984, P:38

(٢) سورۃ المائدۃ:۵/۱۸

(٣) سورۃ البقرۃ:۲/۸۰

۱۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہود کہتے تھے کہ وہ دوزخ میں ہرگز داخل نہ ہوں گے مگر صرف اتنی مدت کے لئے جتنے عرصے ان کے آباء واجداد نے بچھڑے کی پوجا کی تھی اور وہ چالیس روز ہیں۔ اس کے بعد وہ عذاب سے چھوٹ جائیں گے۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (۱)

۲۔ دوسرا قول تابعی سے منقول ہے کہ یہودیوں کے مطابق دنیا کی کل مدت سات ہزار سال ہے اور ہمیں ہر ہزار کے مقابلے میں ایک سال عذاب دیا جائے گا۔ (۲)

یہودیوں کے گمان کے مطابق انہیں کل سات سال عذاب دیا جائے گا اور اس کے بعد وہ ہمیشہ کے لیے جنت میں رہیں گے۔ اسی طرح یہودی خود کو اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ بندہ سمجھتے ہیں اور ان کا یہ نظریہ ہے کہ اللہ ہمیں زیادہ دیر جہنم کی آگ میں نہیں رکھے گا بلکہ بہت جلد ہی جہنم سے نکال دے گا۔ لہذا ہم جو چاہیں کریں ہمیں اللہ کی طرف سے کوئی عذاب نہیں ہو گا۔ جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرۃ میں بیان فرماتے ہوئے ان کے اس باطل نظریہ کا رد فرمایا۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿بَلَى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُوْلَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ (۳)

ترجمہ: ہاں واقعی جس نے برائی اختیار کی اور اس کے گناہوں نے اس کو ہر طرف سے گھیر لیا تو وہی لوگ دوزخی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

اور سورۃ المائدۃ میں بھی یہود کے اس باطل نظریے کا رد ان الفاظ میں فرمایا:

﴿قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ﴾ (۴)

---

(۱) جامع البیان عن تأویل آي القرآن (تفسیر طبری)، ۱/۳۰۲

(۲) ایضاً

(۳) سورۃ البقرۃ: ۲/۸۱

(۴) سورۃ المائدۃ: ۵/۱۸

ترجمہ: اے محبوب! آپ ان سے پوچھئے کہ اگر تم اللہ کے بیٹے اور پیارے بندے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے گناہوں پر عذاب کیوں دیتا ہے؟ بلکہ دیگر مخلوق کی طرح تم بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہو۔ وہ اللہ جسے چاہے معاف کرتا ہے اور جسے چاہے عذاب دیتا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں بہتری کا معیار سوائے تقویٰ کے کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔ جو جس قدر زیادہ متقی پرہیز گار ہو گا وہ اسی قدر اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ اور محبوب ہو گا۔

مذکورہ آیات یہودیوں کے باطل نظریے کی واضح تردید کرتی ہیں۔ ان دونوں آیات کے مطابق ہر وہ شخص جو کسی گناہ کا مرتکب ہو گا اسے اپنے کیے کی سزا بھگتنا ہو گی، اس میں کوئی تخصیص نہیں ہے کہ یہودی ہو، نصرانی ہو یا کوئی مسلمان ہی کیوں نہ ہو، ہر ایک انسان کو اپنے اعمال کی سزا بھگتنا ہو گی۔ نیز اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح فرمادیا کہ یہود اپنے اس نظریے کے تحت اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھ رہے ہیں اگر وہ سچے ہیں تو اس پر کوئی دلیل لائیں۔

سورۃ الحجرات میں اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کو بہتری اور کامیابی کا معیار مقرر فرمایا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ﴾[1]

ترجمہ: بیشک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ باعزت وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہو۔

اس فرمانِ الٰہی سے بھی یہود کے اس باطل نظریے کی تردید ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اللہ تعالیٰ کا محبوب ترین انسان وہی ہو سکتا ہے جو زیادہ پرہیز گار اور متقی ہو گا۔ چاہے وہ یہودی ہو، عیسائی ہو یا مسلمان۔

یہود کی بنیادی دینی کتب:

یہود کے بنیادی کتب میں سے تورات اور تالمود ہیں ذیل میں دونوں کتابوں کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے، تورات کا تفصیلی تعارف بعد آرہا ہے۔

تورات:

یہودیت کی سب سے اہم دینی کتاب تورات ہے جو نہ صرف یہودیوں کے لیے بلکہ مسیحیت اور اسلام میں بھی آسمانی کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔ تورات "تناخ" کا پہلا حصہ ہے۔ "تناخ" کو اکثر انگریزی میں عبرانی بائبل کہا جاتا

---

(۱) سورۃ الحجرات: ۴۹/۱۳

ہے کیونکہ تورات کے علاوہ اس میں دو اور حصے شامل ہیں جن میں یہودی تاریخ وعقائد کے اہم عناصر بیان کئے گئے ہیں۔
"تناخ" کا دوسرا حصہ ہے "نوی اِیم" یعنی انبیاء اور تیسرا "کیتُوِیم" یعنی کتابیں یا درج کردہ چیزیں۔ (۱)

تورات جو کہ یہودیت کی سب سے مقدس کتاب ہے، قدیم عبرانی زبان میں ہے۔ اس کے پانچ اجزاء ہیں جن کو موسیٰ علیہ السلام کی پانچ کتابیں " بھی کہا جاتا ہے چونکہ عقیدہ کے مطابق صرف یہ پانچ موسیٰ پر نازل ہوئی تھیں اور تناخ کے باقی حصے اللہ نے اور پیغمبروں یا عام انسانوں کے ذمے لگائے تھے۔

مِشناہ:

جس زمانے میں بیت المقدس پر روم کا راج تھا اور بنی اسرائیل صرف رومی گورنر کی خاص اجازت سے اپنے معبد پر آیا کرتے تھے، اس زمانے کے علما اپنا زیادہ تر وقت شرعی اور فقہی غور و فکر میں گزارتے تھے جو تورات پر مبنی تھا۔ جب سن ۷۰ عیسوی میں روم نے اس معبد کو تباہ کر دیا اور موسوی امت بکھر گئی، اس کے علما نے تفسیر و تفہیم کے کام پر اور زور دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سن ۲۰۰ قبل مسیح اور سن 200ء کے درمیان ایک مصحف جمع ہو گیا جس میں یہودیت کے سب سے نامور علما کی آراء اور تفسیریں شامل تھیں۔ اس مصحف کو 'مشناہ (لغوی: روایات جو دہرائی گئی ہیں) کہتے ہیں۔ (۲)

آئندہ کی فقہی اور قانونی تفکیر اسی پر مبنی ہے اور تلمود اسی سے ماخوذ ہے۔

مشناہ چھ حصوں میں بٹی ہوئی ہے: بیج، عیاد، نساء، نقصانات، مقدس امور اور تجارات۔ البتہ ان ناموں سے ان کا مکمل مواد ظاہر نہیں ہوتا۔ مثلاً بیج کے حصہ میں فصلوں کی کاشت سے وابستہ قانونی امور کے ساتھ ساتھ غریبوں کا حصہ اور عبادات کے اصول بھی شامل ہیں۔ اسی طرح عیاد کے حصہ میں پیساخ اور شابات جیسے تہواروں کے علاوہ مقدس صحف کی کتابت کے اصول بھی درج ہیں۔ (۳)

تلمود:

دوسری اور تیسری صدی عیسوی میں یہودی اپنے معبد سے محروم درسِ تورات میں مصروف رہے۔ سلطنتِ روم نے قوم یہود کے لیے یروشلم میں کوئی جگہ نہ چھوڑی تھی۔ چنانچہ وہ بکھر کر موجودہ اسرائیل اور عراق کے دیگر شہروں

---

(1) Corrigan et al. *Jews, Christians, Muslims: A Comparative Introduction to Monotheistic Religions.* Upper Saddle River: Prentice Hall, 1998. pp. 7-12
(2)Fishbane, Michael A. *Judaism: Revelation and Traditions.* San Francisco: HarperCollins, 1987. p. 41.
(3)Ibid

میں بس گئے۔ تورات کو پڑھنا اور گزرے علما کے زبانی کلام کو یاد کر کہ اس پہ غور و فکر کرنا ایک عبادت سی بن گئی۔ اس عبادت کے نتیجہ میں تلمود وجود میں آئی۔

کنعانی اور بابلی مدن میں مقیم یہودی علماء نے اپنی زندگی کا مقصد موسیٰ کی تورات کو سمجھنا اور اس پہ عمل کرنا بنالیا۔ لہذا انہوں نے مشناہ، یعنی ان کے گزرے علما و اساتذہ (عبرانی: رابی، لغوی: میرے آقا") کی روایات کا مطالعہ اپنا بنیادی موقف بنادیا۔ اس مطالعہ کے نتیجہ میں تفسیر کی دو اقسام ظاہر ہوئیں :

آگادہ - تاریخی اور معرفی روایات

ہالاخاہ - قانونی، اصولی اور اخلاقی روایات [1]

دونوں اقسام تورات اور مشناہ کے مطالعہ کا نتیجہ ہیں۔

در حقیقت آج دو الگ مجموعے وجود میں ہیں جن کو ہم تلمود کا نام دے سکتے ہیں۔ ان میں سے ایک پہلے تیار ہوئی جو چوتھی صدی کے اسرائیلی مدن کی پیداوار ہے۔ اس کو یروشالمی تلمود کا نام دیا جاتا ہے۔ دوسری پانچویں صدی میں بابل میں مکمل ہوئی اور اس کو بابلی تلمود کہا جاتا ہے۔[2] بابلی تلمود کو ذرہ زیاد عزت حاصل ہے اور حال میں زیادہ استعمال میں ہے۔

یہودی مذہبی ادب میں تورات کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ تورات چونکہ آسمانی اور الہامی کتب میں ایک ہے جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی، اس لیے اس کو برحق ماننا ایمان کا حصہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام مسلمان تورات کو آسمانی کتاب مانتے ہیں اور اس کی اصلی تعلیمات کو بھی برحق مانتے ہیں لیکن چونکہ موجودہ تورات تحریف شدہ ہے اور اس میں یہودی علماء کی طرف سے بہت سے مقامات پر من مانی تحریف ہو چکی ہے اس وجہ سے مسلمان ہونے کی حیثیت سے اس کی موجودہ تعلیمات پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے۔ نیز دینِ اسلام کے بعد اب کوئی دین قابلِ قبول نہیں ہے۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ﴾[3]

ترجمہ: بیشک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔

اس وجہ سے بھی اسلامی تعلیمات اور قرآن مجید تا قیامت رہنما کی حیثیت کا حامل ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ دین اسلام مکمل ضابطہ حیات کا حامل دین ہے جو زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ لہذا قرآن مجید کی موجودگی میں

---

(1) Corrigan et al p. 21
(2) Fishbane p.42

(۳) سورۃ آل عمران: ۱۹/۳

کسی دوسرے رہنما یا کتاب کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی بعثت کے بعد سوائے دینِ اسلام کے کوئی دوسرا دین بھی قابلِ قبول نہیں ہے۔

فصل اول:

توحید سے متعلق یہود کا نظریہ

تمہیدی طور پر یہودیت اور توحید کا مفہوم واضح کرنے کے بعد فصل ہذا کے اصلی مقصود کی طرف رجوع کرتے ہیں جو کہ عقیدہ توحید سے متعلق یہود کے باطل نظریات اور ان کا رد ہے۔

عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دینا:

یہودی عقائد کی بنیاد بھی وحدانیت پر ہے جس کی بناء پر کہا جاسکتا ہے کہ یہودی بھی عقیدہ توحید کے قائل ہیں۔ تاہم یہودیوں میں بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو حضرت عزیر علیہ السلام[1] کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیتے ہیں، جس پر رد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

---

(۱) حضرت عزیر علیہ السلام کا تعارف: مذکورہ آیت کی تفسیر کے دوران علامہ غلام رسول سیالوی صاحب حضرت عزیر علیہ السلام کا نام ونسب، تعارف اور یہودیوں کی طرف سے آپ کو "ابن اللہ" کہنے کا سبب بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: تبیان القرآن میں علامہ غلام رسول سعیدی صاحب کا حضرت عزیر کا تعارف پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "آپ علیہ السلام کا نام ونسب یہ ہے: عزیر بن جروہ (ایک قول ابن شویرق ہے) بن عربا بن ایوب بن درتنا بن عزی بن بقی بن ایشوع بن فنحاس بن الغارز بن ہارون بن عمران۔ اور ان کو عزیر بن سروخا بھی کہا جاتا ہے۔ اور ان کی قبر دمشق میں ہے"۔ (تبیان القرآن، علامہ غلام رسول سعیدی، فرید بک سٹال، اردو بازار لاہور، ط، سادس، ۲۰۰۸ء، ۱۱۹-۱۲۰/ ۵) نیز سعیدی صاحب حضرت عزیر علیہ السلام کے نبی یا غیر نبی ہونے کے حوالے سے بحوالہ سنن ابی داؤد والبدایہ والنہایہ لکھتے ہیں: "حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق حضرت عزیر علیہ السلام انبیاء کی اولاد میں سے ہیں۔ انہوں نے تورات کو محکم کیا تھا اور ان کے زمانے میں ان سے بڑا تورات کا کوئی عالم نہیں تھا۔ ان کا انبیاء کے ساتھ ذکر کیا جاتا تھا، جب انہوں نے اللہ تعالیٰ سے تقدیر سے متعلق سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کا نام مٹا دیا۔ جب یہ نو عمر لڑکے تھے تو بخت نصر نے ان کو قید کر لیا تھا اور جب یہ چالیس برس کی عمر کو پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حکمت عطا فرمائی۔ نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں خود نہیں جانتا کہ عزیر نبی تھے یا نہیں۔ (سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۴۶۷۴، البدایۃ والنہایۃ، ابوالفداء عماد الدین حافظ ابن کثیر دمشقی، طبع جدید، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۹ھ، ۱/ ۴۹۵)۔ (ابن کثیر نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا عزیر بن سروخا ہی وہ شخص ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَى قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّىٰ يُحْيِي هَٰذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ﴾ (سورۃ البقرۃ: ۲/ ۲۵۹) ترجمہ: یا اسی طرح اس شخص کو (نہیں دیکھا) جو ایک بستی پر سے گزرا جو اپنی چھتوں پر گری پڑی تھی تو اس نے کہا کہ اللہ اس کی موت کے بعد اسے کیسے زندہ فرمائے گا، سو (اپنی قدرت کا مشاہدہ کرانے کے لئے) اللہ نے اسے سو برس تک مُردہ رکھا پھر اُسے زندہ کیا۔ البدایہ والنہایہ کی دوسری روایت کے

مطابق: عطابن رباح، حضرت حسن بصری اور عطاء خراسانی کا نظریہ یہ ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام نبی نہیں تھے۔ کیونکہ عطابن رباح کے مطابق زمانہ فترت (انقطاع نبوت کا زمانہ) میں نو چیزیں تھیں ان میں سے ایک بخت نصر کو بیان کیا۔ اور اسحاق بن بشر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت حسن بصری سے روایت کیا کہ عزیر اور بخت نصر کا واقعہ زمانہ فترت میں رونما ہوا، اور حدیث صحیح میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں عیسیٰ بن مریم کے تمام لوگوں سے زیادہ قریب ہوں، ان کے اور میرے درمیان کوئی نبی نہیں ہے۔ (مسند احمد، رقم الحدیث: ۱۰۹۸۱، ج،۳، ص ۵۶۰) وہب بن منبہ کے مطابق حضرت عزیر، حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان تھے۔ ابن عساکر نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضرت عزیر حضرت موسیٰ بن عمران کے زمانہ میں تھے۔ (مختصر تاریخ دمشق، ۴۹/۶۷، البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ۱/۴۹۸) سنن ابی داؤد کی روایت کردہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ پہلے نبی تھے لیکن جب تقدیر سے متعلق اللہ تعالیٰ سے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کا نام نبیوں میں سے مٹا دیا۔ یہ روایت ایک تو اس وجہ سے اس لیے قابلِ قبول نہیں سمجھی جاتی کہ ابن کثیر نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ نبوت ایک عطائی چیز ہے جو محنت وریاضت کے بدلے میں نہیں ملتی بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے ملتی ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ اور تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک بار جس کو نبوت عطا کر دیتا ہے کبھی دوبارہ اس سے واپس نہیں لی۔ ورنہ اگر ایسا سچ مان لیا جائے تو اس صورت میں اللہ تعالیٰ کے عالم الغیب ہونے پر حرف آتا ہے کہ ایک ایسے شخص کو نبوت کیوں عطا کی گئی جس کے بارے میں معلوم تھا کہ یہ اس منصب کی لاج نہیں رکھے گا یا یہ اعتراض بھی ہو سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہی نہیں تھا کہ میں جس کو نبوت عطا کر رہا ہوں وہ اس کی لاج بھی رکھ سکے گا یا نہیں۔ حالانکہ انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ فرمانبردار ہوتے ہیں نیز شعوری خطا سے محفوظ ہوتے ہیں۔ ان دو وجوہات کی بناء پر کہا جاسکتا ہے کہ بیان کردہ روایت ضعیف ہے۔ بہر حال روایت مختلف ہیں اور حضرت عزیر علیہ السلام کا نبی ہونا حتمی اور یقینی نہیں ہے۔

حضرت عزیر کے تعارف میں مولانا مودودی رقمطراز ہیں:

عزیر سے مراد عزرا (Ezra) ہیں جن کو یہودی اپنے دین کا مجدد مانتے ہیں۔ ان کا زمانہ ۴۵۰ ق م قبل مسیح کے لگ بھگ بتایا جاتا ہے۔ اسرائیلی روایات کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد جو دورِ ابتلاء بنی اسرائیل پر آیا اس میں نہ صرف یہ کہ توراۃ دنیا سے گم ہوگئی تھی بلکہ بابل کی اسیری نے اسرائیلی نسلوں کو اپنی شریعت، اپنی روایات اور اپنی قومی زبان عبرانی تک سے ناآشنا کر دیا تھا۔ آخر انہی عزیر یا عزرا نے بائبل کے پرانے عہد نامے کو مرتب کیا اور شریعت کی تجدید کی۔ اسی وجہ سے بنی اسرائیل ان کی بہت تعظیم کرتے ہیں اور یہ تعظیم اس حد تک بڑھ گئی کہ بعض یہودی گروہوں کو ابن اللہ کہنا شروع کر دیا۔ یہاں قرآن کے ارشاد کا مقصود یہ نہیں ہے کہ تمام یہودیوں نے بالاتفاق عزرا کاہن کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بنایا ہے بلکہ مقصود یہ بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق یہودیوں کے اعتقادات میں جو خرابی وہ اس حد تک ترقی کر گئی کہ عزرا کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دینے والے بھی ان میں پیدا ہوئے۔ (تفہیم القرآن، سید ابوالاعلیٰ مودودی، ترجمان القرآن، لاہور، ۱۸۹/۲)

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ﴾[۱]

ترجمہ: اور یہود نے کہا: حضرت عزیر (علیہ السلام) اللہ کے بیٹے ہیں۔

ابن اللہ کہنے کا سبب:

حضرت عزیر علیہ السلام کو یہودیوں کی جانب سے ابن اللہ کہنے کا سبب بیان کرتے ہوئے علامہ غلام رسول سعیدی صاحب رقمطراز ہیں:

> حضرت عزیر سو سال بعد جب زندہ ہوئے تو اپنے محلے میں گئے، لوگ انہیں پہچانتے نہ تھے اور نہ یہ لوگوں کے شناسا تھے اور اپنا مکان بھی اٹکل پچو سے تلاش کیا، وہاں ایک سو بیس سال کی فالج زدہ بڑھیا بیٹھی ہوئی تھی، جو کہ اصل میں حضرت عزیر کی باندی تھی۔ حضرت عزیر نے اس بڑھیا سے پوچھا! کیا یہی عزیر کا گھر ہے؟ اس نے کہا ہاں یہ عزیر کا گھر ہے نیز اس نے کہا کہ میں اتنے سالوں سے کسی کو ذکر کرتے نہیں سنا، لوگ اس کو بھول چکے ہیں۔ انہوں نے کہا میں عزیر ہوں، اس نے کہا سبحان اللہ! عزیر کو تو ہم سو سال سے گم کر چکے ہیں اور ہم نے کسی سے ان کا ذکر نہیں سنا۔ انہوں نے کہا میں عزیر ہوں۔ اللہ نے مجھ پر سو سال برس تک موت طاری کر دی تھی پھر زندہ کر دیا۔ اس عورت نے کہا عزیر مستجاب الدعوات تھے، اگر آپ ہی عزیر ہیں تو میرے لیے دعا کیجئے کہ اللہ میری بینائی واپس لوٹا دے تا کہ میں آپ کو دیکھ کر پہچان سکوں کہ آپ ہی عزیر ہیں۔ حضرت عزیر نے اس بڑھیا کے لیے دعا کی اور اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا جس سے اللہ تعالیٰ نے اس کی بینائی واپس لوٹا دی۔ پھر حضرت عزیر نے اس فالج زدہ سے کہا اللہ کے حکم سے کھڑی ہو جاؤ وہ کھڑی ہو گئی اور آپ کو دیکھ کر کہنے لگی میں گواہی دیتی ہوں آپ ہی عزیر ہیں۔[۲]

جب یہودیوں کو حضرت عزیر کا پتہ چلا تو انہوں نے کہا ہم میں عزیر کے سوا کوئی تورات کا حافظ نہیں تھا، اور بخت نصر نے تورات کو جلا دیا تھا اب اس کا کوئی نام ونشان بھی موجود نہیں سوائے چند سورتوں کے جو لوگوں کو حفظ ہیں۔ آپ ہمیں مکمل تورات لکھوا دیں۔ حضرت عزیر کے والد سروخا نے تورات کو بخت نصر کے زمانے میں ایک مقام پر دفن کر دیا تھا جس کا حضرت عزیر کے علاوہ کسی کو علم نہ تھا۔ حضرت عزیر لوگوں کو اس مقام پر لے گئے اور تورات کو کھود نکالا، اس

---

(۱) سورۃ التوبۃ: ۹/ ۳۰

(۲) تبیان القرآن، علامہ غلام رسول سعیدی، ۵/ ۱۲۰، ۱۱۹

کے اوراق گل چکے تھے اور لکھائی مٹ چکی تھی۔ حضرت عزیر ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گئے اور بنو اسرائیل بھی آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ آسمان سے دو ستارے نازل ہوئے اور ان کے پیٹ میں گھس گئے جس سے آپ کو تورات یاد آگئی پھر آپ نے بنو اسرائیل کو از سرِ نو تورات لکھوادی۔ جب بنو اسرائیل نے حضرت سے یہ غیر معمولی امور دیکھے تو وہ کہنے لگے کہ یہ عزیر اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔[1]

اسی طرح تفسیر ضیاء القرآن میں بھی اس بات کی تائید کی گئی ہے کہ بخت نصر کے تورات کو جلا دینے کے بعد حضرت عزیر نے ہی یہودیوں کو از سرِ نو تورات لکھوائی تھی اور کچھ عرصہ بعد تورات کا قدیم نسخہ ملنے پر جب دونوں کا موازنہ کیا گا تو دونوں میں یکسانیت موجود تھی۔ اور یہ واقعہ حضرت عزیر کو یہودیوں کی جانب سے کم علمی کی بناء پر "ابن اللہ" کہا جانے کا سبب بنا۔ نیز پیر کرم شاہ نے اس عقیدہ کے حاملین کے ذمہ دار اور معتبر ناموں کا ذکر بھی کیا ہے اور واضح کیا ہے کہ جب کسی قوم کے ذمہ دار لوگ کسی بات کے قائل ہوں تو وہ بات ان کی ساری قوم کی منسوب کی جا سکتی ہے۔ اگرچہ ساری قوم نے وہ بات نہ بھی کہی ہو۔ لہذا قرآن کا یہ دعویٰ کہ یہود حضرت عزیر کو "ابن اللہ" کہتے ہیں یہ یہودیوں پر تہمت نہیں ہے۔

یہودیوں کی طرف سے حضرت عزیر کو ابن اللہ کہنے کا سبب لکھتے ہوئے پیر کرم شاہ رقمطراز ہیں:

> **یضاھئون** کا معنیٰ **یشابھون** ہے۔ اسی لیے اس عورت کو بھی ضہیاء کہتے ہیں جس میں انوثت کی علامات نہ پائی جاتی ہوں اور وہ اپنے چہرہ مہرے سے مردں کے مشابہ دکھائی دے۔ آیت کے ان الفاظ سے اس امر کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہودی و عیسائی جو حقیقت میں توحید کے علمبردار تھے ان میں مشرکانہ نظریات سرایت کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے ارد گرد جو مشرک قومیں آباد تھیں وہ اللہ تعالیٰ کو مجسم چیز مانتی تھیں اور دوسری اشیاء میں اس کے حلول کی قائل تھیں۔ مثلاً یونان کے فلسفی، ان سے یہ لوگ متاثر ہوئے اور ان کے مشرکانہ نظریات کو بری فراخدلی سے اپنے دینِ توحید میں داخل کر لیا۔ یہودی اور عیسائی مذہب کس طرح یونانی، رومی اور مصری فلسفیانہ نظریات سے متاثر ہوا، یہ اب کسی راز کی بات نہ رہی۔ خود یورپی محققین پر اس کتابیں لکھ کر سیر حاصل بحثیں کرتے ہوئے قرآن حکیم کے اس ارشاد کی تائید کر دی ہے۔[2]

---

(۱) مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر، محمد بن مکرم الشھیر بابن منظور، دارالفکر، بیروت، ۱۷/ ۳۵-۳۹

(۲) ضیاء القرآن، جسٹس پیر کرم شاہ الازہری، ۲/ ۱۹۶-۱۹۷

تفہیم القرآن میں یہی سبب ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے:

"یہود و نصاریٰ پہلے لوگوں کی دیکھا دیکھی ایسی باتیں کر رہے ہیں ان کی حقیقت کوئی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کرے) پہلے لوگوں سے مراد مصر، یونان، روم، ایران اور دوسرے ممالک میں جو قومیں پہلے گمراہ ہو چکی تھیں ان کے فلسفوں اور اوہام و تخیلات سے متاثر ہوتے ہوئے ان لوگوں نے بھی ویسے ہی گمراہانہ عقیدے ایجاد کر لیے"۔ [1]

اسی طرح تفسیر حقانی میں ہے:

بت پرست قومیں بھی اپنے دیوتاؤں کو ایسے ہی سمجھتی تھیں۔ مصر کے لوگ اور روم کے باشندے اور کنعان کی قومیں سو انہوں نے ان کی پیروی اختیار کی ہے حالانکہ انبیاء بنی اسرائیل کی معرفت خدائے واحد کی پرستش کا حکم ہوا تھا۔ [2]

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری مذکورہ آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

"جب یہود کی نافرمانیاں حد سے بڑھ گئیں، انبیاء کو بے دریغ قتل کرنا، تورات کے احکام میں من مانی تاویلات کرنا ان کی عادت بن گئی تو بخت نصر کی صورت میں اللہ تعالیٰ کا عذاب نمودار ہوا، جس نے بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ یہودیوں کو ہزاروں کی تعداد میں قتل کیا گیا اور تورات کے موجودہ نسخے بھی اس دوران ضائع ہو گئے تو اس وقت حضرت عزیر نے اپنی یاد سے انہیں تورات عہد نامہ قدیم از سرِ نو لکھوائی۔ اور کچھ عرصہ بعد جب تورات کا ایک قدیم نسخہ ملا تو وہ بعینہ اسی طرح پایا گیا جس طرح حضرت عزیر نے تحریر کروایا تھا۔ اس سے آپ کی قدر و منزلت یہودیوں کے دلوں میں بہت بڑھ گئی اور آپ کو مجدد دین موسوی کا لقب دیا گیا۔ اور ان میں سے تو بعض اتنا غلو کیا کہ وہ حضرت عزیر کو معاذ اللہ ابن اللہ کہنے لگے۔ عام یہودیوں کا تو یہ عقیدہ نہ تھا صرف یہودیوں کا ایک گروہ اس کا قائل تھا جن کے نام بروایت ابن عباس درج ذیل ہیں: سلام بن مشکم، نعمان بن اوفیٰ، شاس بن قیس، مالک بن صیت، اور اب اس عقیدہ کے لوگ ختم ہو چکے ہیں"۔ [3]

---

(۱) تفہیم القرآن، سید ابوالاعلیٰ مودودی، ترجمان القرآن، لاہور، ۲/ ۱۸۹

(۲) فتح المنان (تفسیر حقانی) ابو محمد عبدالحق حقانی دہلوی، میر محمد کتب خانہ، کراچی، ۲/ ۴۹۱

(۳) ضیاء القرآن، جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، جمادی الثانی، ۱۴۰۳ھ، ۲/ ۱۹۶-۱۹۷

اعتراض:

عام یہودی وحدانیت باری تعالیٰ کے قائل ہیں اس کے باوجود قرآن میں مطلق یہودیوں کے متعلق کہا گیا کہ یہودی حضرت عزیر کو "ابن اللہ" اللہ کا بیٹا کہتے ہیں۔

اس کے جواب میں جسٹس پیر کرم شاہ الازہری رقمطراز ہیں:

"کسی قوم کے بعض ذمہ دار لوگ کسی بات کے قائل ہوں تو وہ بات ان کی ساری قوم کی منسوب کی جاسکتی ہے اگرچہ ساری قوم نے وہ بات نہ بھی کہی ہو۔" (۱)

اسی ضمن میں مفتی محمد شفیع معارف القرآن میں لکھتے ہیں:

"وجہ یہ ہے کہ صرف ایمان لانے کے الفاظ ہی کافی تو نہیں، اللہ تعالیٰ کے ہاں جیسا ایمان مطلوب ہے جب تک ویسا ایمان نہ ہوا تو وہ نہ ہونے کے حکم میں ہے۔ یہود و نصاریٰ نے اگرچہ بظاہر اللہ تعالیٰ کی انکار نہیں کیا مگر جیسا کہ اگلی آیت میں آرہا ہے کہ یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ نے حضرت عیسی ابن مریم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہ کر اس کی خدائی میں شریک ٹھہرادیا، اس لیے ان کا اقرارِ توحید لغو اور ایمان کا دعویٰ غلط ہو گیا۔" (۲)

اسی طرح آیت میں مذکور ابن سے بحث کرتے ہوئے پیر کرم شاہ رقمطراز ہیں:

ابن اور ولد دو عربی لفظ ہیں۔ ولد تو صلبی اولاد ہی کو کہا جاتا ہے۔ ابن کا اگرچہ حقیقی معنیٰ یہی ہے لیکن بطور مجاز محبوب اور لاڈلے کو بھی ابن کہ دیتے ہیں۔ جیسے نحن ابناء اللہ واحباءہ میں ہے۔ (۳)

ابن اللہ کہنے کا رد:

﴿ذَٰلِكَ قَوْلُهُم بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِؤُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُواْ مِن قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللّهُ أَنَّى يُؤْفَكُونَ﴾ (۴)

(۱) ضیاء القرآن، جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، جمادی الثانی، ۱۴۰۳ھ، ۲/۱۹۶-۱۹۷

(۲) معارف القرآن، مولانا مفتی شفیع، مکتبہ معارف القرآن کراچی، ۴/۳۶۰

(۳) ایضاً

(۴) سورۃ التوبۃ: ۹/۳۰

ترجمہ: یہ ان کا (لغو) قول ہے جو اپنے مونہہ سے نکالتے ہیں۔ یہ ان لوگوں کے قول سے مشابہت (اختیار) کرتے ہیں جو (ان سے) پہلے کفر کر چکے ہیں، اللہ انہیں ہلاک کرے یہ کہاں بہکے پھرتے ہیں۔

پیر کرم شاہ الازہری" **ذَلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُونَ**" کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"علماء معانی نے یہاں یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں قول کے ساتھ فم (منہ) یا لسان (زبان) بھی مذکور ہو وہاں اس کا معنیٰ غلط اور بے سروپا بات ہے۔یعنی ان کے پاس اس عقیدہ کی کوئی دلیل نہیں یونہی تک بازی اور زبانی باتیں ہیں۔"(۱)

سورۃ التوبہ کی آیت نمبر ۳۰ میں یہودیوں کی یہ بداعمالی بیان فرمائی گئی کہ وہ حضرت عزیر کو ابن اللہ کہتے تھے اور اگلی آیت میں ان کی دوسری بداعمالی بیان فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿**اتَّخَذُواْ أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللّهِ**﴾ (۲)

ترجمہ: انہوں نے اللہ کے سوا اپنے عالموں اور زاہدوں کو رب بنالیا تھا۔

حبر اور رہبان کا معنیٰ:

امام راغب اصفہانی مفردات میں لکھتے ہیں:

"حبر "الاثر المستحسن---" (۳)

حبر کا معنیٰ ہے: نیک اثر اور اچھی نشانی۔ جب علماء لوگوں کے دلوں میں اپنے علوم سے اچھے تاثرات اور اپنے افعال کے نیک اثرات چھوڑتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کی نیکیوں کی اقتداء کی جاتی ہے تو ان کو احبار کہتے ہیں، اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: علماء تو قیامت تک باقی رہیں گے اور احبار گم ہوگئے اور ان کے آثار دلوں میں موجود ہیں۔

---

(۱) ضیاء القرآن، جسٹس پیر کرم شاہ الازہری، ۲/۱۹۷

(۲) سورۃ التوبہ: ۹/۳۱

(۳) المفردات فی غریب القرآن، ابو القاسم الحسین بن محمد المعروف بالراغب الاصفھانی، دار القلم، دمشق، بیروت، ط ۱۴۱۲ھ، ۱/۲۱۵

اور رہب کا معنیٰ گھبراہٹ کے ساتھ ڈراور خوف ہے۔اور راہب کا معنیٰ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور رہبان کی راہب کی جمع ہے۔ (۱)

ابو عبید لکھتے ہیں کہ احبار، حبر کی جمع ہے اور حبر عالم کو کہتے ہیں، کعب کو حبر کہا جاتا تھا۔ (۲)

امام رازی کے مطابق:

"الْحَبْرُ الْعَالِمُ الَّذِي بِصِنَاعَتِهِ يُحَبِّرُ الْمَعَانِيَ، وَيُحْسِنُ الْبَيَانَ عَنْهَا. وَالرَّاهِبُ الَّذِي تَمَكَّنَتِ الرَّهْبَةُ وَالْخَشْيَةُ فِي قَلْبِهِ وَظَهَرَتْ آثَارُ الرَّهْبَةِ عَلَى وَجْهِهِ وَلِبَاسِهِ. وَفِي عُرْفِ الِاسْتِعْمَالِ، صَارَ الْأَحْبَارُ---"

حبر وہ عالم ہے جو عمدہ بیان کرتا ہو۔اور راہب سے مراد ایسا شخص جس کے دل میں خوفِ خدا جاگزیں ہو اور اسکے چہرے اور لباس سے خوفِ خدا ظاہر ہوتا ہو۔اور عرف میں احبار کا لفظ علمائے یہود کے ساتھ خاص ہے اور رہبان کا لفظ گرجوں میں پناہ گزیں نصرانی علماء کے ساتھ خاص ہے۔ (۳)

"احبار" کی وضاحت سے متعلق تفسیر ضیاء القرآن میں ہے:

احبار، حبر کی جمع ہے۔اہلِ تفسیر اسے حَبر (بالفتح) جبکہ اہلِ لغت حِبر (بالکسر) پڑھتے ہیں۔لیکن امام فراء کے نزدیک دونوں طرح پڑھنا درست ہے۔اس کا معنیٰ ہے جید عالم جو بڑی عمدگی اور سلیقے سے گفتگو کر سکے۔جیسا کہ تفسیر قرطبی میں ہے:

"وَهُوَ الَّذِي يُحَسِّنُ الْقَوْلَ وَيُنَظِّمُهُ وَيُتْقِنُهُ بِحُسْنِ الْبَيَانِ عَنْهُ" (۴)

ترجمہ: وہ شخص جو بڑی عمدگی اور سلیقے سے گفتگو کر سکے۔

---

(۱) المفردات فی غریب القرآن، أبو القاسم الحسین بن محمد المعروف بالراغب الأصفهانی، ط، ۱۴۱۲ھ، ۱/ ۲۶۹

(۲) غریب الحدیث، ابو عبید، ۱/ ۶۰

(۳) مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر)، أبو عبد اللہ محمد بن عمر بن الحسن بن الحسین التیمی الرازي الملقب بفخر الدین الرازي خطیب الري، دار احیاء التراث العربی، ط، ثالث، ۱۴۲۰ھ، ۱۶/ ۳۰

(۴) الجامع لاحکام القرآن (تفسیر قرطبی)، أبو عبد اللہ محمد بن أحمد بن أبي بکر بن فرح الأنصاري الخزرجي شمس الدین القرطبي، دار الکتب المصریة، القاهرة، ط، ثاني، ۱۹۶۴ء، ۸/ ۱۱۹

رہبان، راہب کی جمع ہے جو رھبۃ بمعنیٰ خوف سے ماخوذ ہے۔ یعنی وہ لوگ جو اللہ کے خوف سے اپنی ساری زندگی اس کی عبادت کے لیے وقف کردیتے ہیں۔

قرآن وحدیث کے مقابلے میں اپنے دینی پیشواؤں کو ترجیح دینے کی مذمت:

اس ضمن میں علامہ غلام رسول سعیدی صاحب مختلف روایات کی روشنی میں رقمطراز ہیں:

یہودی اپنے علماء کی عبادت نہیں کیا کرتے تھے بلکہ قرآن وحدیث کے مقابلے میں اپنے علماء کی طرف سے حلال کردہ اشیاء کو حلال سمجھتے تھے اگرچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ حرام ہوں اوراسی طرح حرام کردہ اشیاء کو حرام سمجھتے تھے اگرچہ اللہ تعالیٰ ان اشیاء کو حلال قرار دیا ہو۔ اسی حوالے سے علامہ غلامہ رسول سعیدی صاحب بحوالہ "الجامع لاحکام القرآن" نقل کرتے ہیں:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا ہے کہ کیا یہودیوں نے اپنے احبار (علماء) اور عیسائیوں نے اپنے رہبان کی عبادت کی تھی؟ نیز اس آیت کی کیا توجیہ ہے؟ آپ نے فرمایا: ان لوگوں نے اپنے علماء کی عبادت نہیں کی تھی لیکن جب وہ ان کے لیے حرام کو حلال کردیتے تو وہ اس کو حلال سمجھتے اور جب حلال کو حرام کردیتے تو وہ اسے حرام سمجھتے تھے اور یہی ان کا اپنے اپنے علماء کو اللہ تعالیٰ بنانا تھا۔

یعنی یہودی اور نصرانی (عیسائی) اپنے علماء کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبادت میں شریک نہیں ٹھہراتے تھے بلکہ ان کی حلال کردہ اشیاء کو حلال اور حرام کردہ اشیاء کو حرام سمجھتے تھے قطع نظر اس کے کہ وہ اشیاء اللہ تعالیٰ کی طرف سے حلال تھیں یا حلال، یہودی و نصرانی صرف اپنے علماء کی تائید میں اشیاء کو حلال و حرام گردانںے لگے تھے اور ان کا یہی فعل اپنے اپنے علماء کو اللہ تعالیٰ بنانا قرار دیا گیا۔

حضرت عدی بن حاتم روایت کرتے یں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا، اس وقت میری گردن میں سونے کی صلیب تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عدیؓ! اس بت کو اتار کر پھینک دو، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق پوچھا: ﴿اتَّخَذُواْ أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((قال أما إنهم لم يكونوا يعبدونهم ولكنهم كانوا إذا أحلوا لهم شيئا استحلوه وإذا حرموا عليهم شيئا حرموه)) [1]

وہ اپنے علماء کی عبادت نہیں کرتے تھے لیکن جب کسی چیز کو حلال کر دیتے تو وہ اس کو حلال کہتے اور جب کسی چیز کو حرام کر دیتے تو وہ اس کو حرام کہتے۔

اسی طرح تفسیر ضیاء القرآن میں ہے حضرت عدی (جو کہ پہلے عیسائی تھے) نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ ہم تو حضرت عزیر کو اللہ کو بیٹا نہیں مانتے پھر قرآن کی اس آیت کا کیا مطلب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((قال أما إنهم لم يكونوا يعبدونهم ولكنهم كانوا إذا أحلوا لهم شيئا استحلوه وإذا حرموا عليهم شيئا حرموه)) [2]

وہ اپنے علماء کی عبادت نہیں کرتے تھے لیکن جب کسی چیز کو حلال کر دیتے تو وہ اس کو حلال کہتے اور جب کسی چیز کو حرام کر دیتے تو وہ اس کو حرام کہتے۔

عدی کہنے لگے ہاں ایسا تو ہم کہتے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا یہی حضرت عزیر کو رب ٹھہرانا ہے۔ [۳]

اسی طرح تفہیم القرآن میں بھی حضرت عدی بن حاتم والی روایت نقل کرنے کے بعد مولانا مودودی رقمطراز ہیں:

"اس سے معلوم ہوا کہ کتاب اللہ کی سند کے بغیر جو لوگ انسانی زندگی کے لیے جائز وناجائز کی حدود مقرر کرتے ہیں وہ دراصل خدائی کے مقام پر بزعمِ خویش متمکن ہوتے ہیں اور جو ان کے اس حقِ شریعت سازی کو تسلیم کرتے ہیں وہ انہیں اللہ تعالیٰ مانتے ہیں۔"

یہ دونوں الزام یعنی کسی کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دینا اور کسی کو شریعت سازی کا حق دے دینا، اس بات کے ثبوت میں پیش کئے گئے ہیں کہ یہ لوگ ایمان باللہ کے دعوے میں جھوٹے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ہستی کو چاہے یہ مانتے ہوں لیکن ان کا تصورِ خدائی اس قدر غلط ہے کہ اس کی وجہ سے ان کا اللہ تعالیٰ کو ماننا نہ ماننے کے مترادف ہے۔ [۴]

---

(۱) جامع ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، داراحیاء التراث العربی، کتاب تفسیر القرآن، سورۃ التوبۃ، حدیث نمبر ۳۰۹۵، ۲۷۸/۵

(۲) جامع ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، داراحیاء التراث العربی، کتاب تفسیر القرآن، سورۃ التوبۃ، حدیث نمبر ۳۰۹۵، ۲۷۸/۵

(۳) تفسیر ضیاء القرآن، ۱۹۸/۲

(۴) تفہیم القرآن، مودودی، ۱۹۰/۲

آیتِ قرآنی اور حدیث نبوی سے واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے مقابلے میں اپنے کسی پیشواء کے قول کو ترجیح دینا اور اس پر اصرار کرنا، اس دینی پیشوا کو اللہ تعالیٰ بنا لینے کے مترادف ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی صریح حدیث کے مقابلے میں کسی پیشوا کی بات کو ترجیح دینا اس پیشوا کو نبی کا درجہ دینے کے مترادف ہے، اسی گمراہی کا قلع قمع کرنے کے لیے امام اعظم ابو حنیفہ نے فرمایا کہ اگر میرے قول خلاف کوئی صحیح حدیث آجائے تو وہی صحیح حدیث میرا موقف ہے۔ اور امام شافعی نے فرمایا کہ اگر میرا قول کسی حدیث کے خلاف ہو تو میرے قول کو دیوار پر مارو اور حدیث پر عمل کرو۔

علامہ عبد الحق حقانی " اتخذوا احبارھم" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"علمائے دین اور آئمہ مجتہدین کے ان فتووں کے پیروکار جو کتاب و سنت سے مسائل استنباط کر کے دیتے ہیں اس میں داخل نہیں ہو سکتے ان کا مسائل مذکورہ میں اتباع اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کا اتباع ہے۔"(۱)

اسی طرح مفتی شفیع صاحب لکھتے ہیں:

یہود جو اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء کو حرام نہیں سمجھتے تھے اس کا مفہوم بیان کرتے ہوئے مفتی صاحب رقمطراز ہیں:

"اس سے مراد یہ ہے کہ بہت سی چیزیں جنہیں تورات نے حرام قرار دیا تھا یہ ان کی حرمت کے قائل نہیں جیسے سود۔ اسی طرح اور بہت سی کھانے والی چیزیں جو تورات میں حرام قرار دی گئی تھیں انہوں نے ان کو حرام نہ سمجھا، اور ان میں مبتلا ہو گئے۔"

مزید لکھتے ہیں:

"اس سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہو گیا کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہو اسے حلال سمجھنے والا نہ صرف گنہگار ہے بلکہ ایسا شخص کافر ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کی جانب سے حلال چیز کو حرام سمجھنے اور اعتقاد رکھنے والا بھی کافر ہے۔ ہاں اگر حرام کو حرام سمجھتے ہوئے عملی کوتاہی سے غلطی ہو جائے تو وہ کفر نہیں، فسق اور گناہ ہے۔"(۲)

---

(۱) فتح المنان (تفسیر حقانی) ابو محمد عبد الحق حقانی دہلوی، میر محمد کتب خانہ، کراچی، ۲/۴۹۱

(۲) معارف القرآن، مفتی محمد شفیع، ۲/۳۶۰

حاصل کلام:

مذکورہ بحث سے نتیجہ یہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ابتداء میں یہودی خدائے واحد کی وحدانیت کے قائل تھے لیکن مشرک لوگوں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے ان میں بہت سے مشرکانہ اوہام اور تخیلات گھر کر چکے تھے یہاں تک کہ یہود دیگر مشرکین کی طرح اللہ تعالیٰ کی وحدانیت میں شریک ٹھہراتے ہوئے ایک بندۂ خدا کو (معاذ اللہ) ابن اللہ کہنے لگے۔ اسی کی وضاحت اردو زبان میں لکھی گئی پانچ مشہور تفاسیر کی روشنی میں بیان کی گئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہود طویل عرصے سے رومی، یونانی، ایرانی اور مصری باشندوں کے ساتھ رہ رہے تھے اور اس طویل عرصے کے دوران ان مشرکین کے اوہام و تخیلات سے کافی حد تک متاثر ہوئے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے میں بھی انہوں نے کوئی عار محسوس نہ کی اور حضرت عزیر کے چند غیر معمولی امور دیکھ کر انہیں ابن اللہ کہنے لگے۔ نہ صرف یہ بلکہ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حلال اشیاء کو صرف اپنے علماء کے کہنے پر حرام گرداننے لگے اور حرام اشیاء کو اپنے علماء کے کہنے پر حلال گرداننے لگے۔

نیز یہود کا یہ شرک عبادت کے حوالے سے نہیں تھا بلکہ اللہ اور رسول کے مقابلے میں اپنے علماء کے قول کو ترجیح دیتے ہوئے حلال کو حرام اور حرام کو حلال گرداننے کی صورت میں تھا۔

اسی طرح یہ بھی نتیجہ اخذ کیا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حلال کردہ اشیاء کو حرام گرداننا اور حرام کردہ اشیاء کو حلال گرداننا اور ایسا اعتقاد رکھنا کفر ہے اور حرام کو حلال سمجھ کر اس کا ارتکاب کرنا بھی کفر ہے۔ ہاں اگر حرام کو حرام سمجھتے ہوئے عملی کوتاہی سے غلطی ہو جائے تو وہ کفر نہیں، فسق اور گناہ ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہود کا عزیر ابن اللہ کہنا عقیدہ توحید کے خلاف ورزی تھی، نیز اپنے احبار و علماء کو تشریع کا حق دینا بھی توحید کے خلاف تھا کیونکہ تشریع کا حق اللہ تعالیٰ کا ہے اور وہ یوں شرک فی التشریع کے مرتکب ہوئے تھے قرآن کریم میں یہود کے ان دونوں غلط عقائد کی تردید کی گئی ہے۔

فصل دوم:

توحید سے متعلق نصاریٰ کا نظریہ

مبادیات:

چونکہ اس فصل میں توحید سے متعلق نصاری کے باطل نظریات ذکر کیے جائیں گے اسی مناسبت سے مبحث میں داخل ہونے سے پہلے نصاری کا مختصر تعارف اور تاریخیت لکھی جاتی ہے۔

نصاری کا تعارف:

آسمانی صحائف اور انبیاء کرام علیہم السلام کی پاکیزہ زندگیوں کے مطالعہ سے ہی یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ تمام انبیاء ورسل علیہم السلام نے اپنی اپنی امتوں کو ایک ہی معبود، اللہ وحدہ لاشریک لہ کی طرف دعوت دی۔ حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام سے لے کر خاتم الانبیاء والمرسلین حضرت محمد مصطفی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تک تمام انبیاء ورسل کی زبانِ حق سے یہ صدا الگوائی جاتی رہی ہے:

﴿يَاقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ﴾(۱)

اے میری قوم اللہ کو پوجو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔

نیز یہ بات بھی معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ ہر ایک رسول کے پاس یہی پیغام بھیجا ہے کہ میرے علاوہ کوئی اور عبادت کے لائق نہیں ہے پس میری ہی عبادت کرو۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ﴾(۲)

ترجمہ: اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر ہم اس کی طرف یہی وحی کرتے رہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس تم میری (ہی) عبادت کیا کرو۔

پس ہر ایک نبی یا رسول اپنی پوری زندگی توحید کی وکالت کرتا رہا اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا نمائندہ بتا کر اپنی اتباع کی دعوت دیتا رہا، یعنی اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کی طرف اپنی اپنی قوموں کو بلاتا رہا اور عبادت کو اس طریقے کے مطابق کرنے کی دعوت دیتا رہا جس طریقے کو اللہ تعالیٰ نے وقت کی نبی (عَلَیْہِ السَّلَام) کو سمجھایا تھا۔

---

(۱) سورۃ ھود:۱۱/ ۸۴

(۲) سورۃ الانبیاء:۲۱/ ۲۵

موجودہ دنیا کی تیس فیصد آبادی عیسائی مذہب کی پیروکار ہے۔اس اعتبار سے آبادی کے لحاظ سے عیسائیت دنیا کا سب سے بڑا مذہب ہے۔یہودیت کی طرح عیسائیت بھی ابراہیمی مذاہب میں سے ایک ہے۔یہودیت سے اس کا گہرا تعلق ہے یہاں تک کہ ابتدائی طور پر عیسائیت کو یہودی مذہب ہی کی ایک شاخ گردانا جاتا تھا۔گویا عیسائیت، دینِ موسوی کی ترمیم و تنسیخ اور اس کی روح معدوم ہونے کے بعد رونما ہونے والا گروہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بجائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیروکار ہے۔

یہودیوں کو فلسطین کی حکومت ملی جو کہ کچھ عرصے بعد ان کی اپنی نالائقیوں اور گمراہیوں کی وجہ سے چھن گئی اور رومیوں کے ماتحت ہو کر رہ گئے۔جس کی وجہ سے یہودی روحانی اور مادی دونوں اعتبار سے زوال پذیر ہو گئے۔یکے بعد دیگرے انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث ہوتے رہے لیکن بدستور خراب رہے اور یہودی حسبِ سابق اپنی پستیوں کا شکار رہے۔نہ صرف یہ بلکہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ جن انبیاء علیہم السلام نے ان کے حالات سنوارنا چاہے یہودیوں کا رویہ ان انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ بھی انتہائی شرمناک رہا۔بعض انبیاء کو قتل کیا گیا، بعض کو قید کیا گیا، بعض کو سنگسار کیا گیا، بعض کو جلاوطن کیا گیا اور بعض کو آروں سے چیرا گیا۔گویا معاشرے میں برائی اس قدر پھیل چکی تھی کہ راہ حق کو اپنانا تو در کنار اس معاشرے میں ایسی آواز کو سننا اور برداشت کرنا ممکن نہ رہا۔لیکن اس ساری ذلت اور محکومی کے باوجود عام یہودی جہالت اور توہمات میں گرفتار تھے۔ان کے فقیہ محض قانونی موشگافیوں اور علماء چھوٹے چھوٹے مسائل پر جنگ میں مصروف تھے۔دینِ موسوی کی روح معدوم ہو چکی تھی، صرف بے روح ایک ڈھانچہ موجود تھا۔[۱]

یہ وہ حالات میں جن میں آج سے تقریباً دو ہزار سال پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام یوروشلم کے قریب ایک مقام بیت اللحم میں کنواری عورت (حضرت مریم سلام اللہ علیہا) کے بطن سے پیدا ہوئے۔آپ علیہ السلام کی پیدائش اور وصال سے متعلق کوئی بات حتمی اور یقین سے نہیں کہی جا سکتی۔اسی طرح آپ علیہ السلام کی ابتدائی زندگی پر بھی گمنامی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔تیس سال کی عمر میں آپ علیہ السلام تبلیغ کا کام شروع کر دیا، اس سلسلے میں آپ علیہ السلام نے جگہ جگہ وعظ کیے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ معجزوں کا مظاہرہ کیا۔آپ علیہ السلام کے معجزوں میں ید بیضاء (بغل میں ہاتھ ڈالنے کے جب نکالتے تو آپ کا ہاتھ چمکتا رہا ہوتا) بیماروں کو تندرست کرنا، مردوں کو زندہ کرنا اور بے روح اشیاء میں روح ڈالنا بطورِ خاص ہیں۔جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

---

(۱) اسلامی نظریہ حیات (مذاہب عالم: ایک تقابلی مطالعہ)، خورشید احمد، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، کراچی یونیورسٹی، کراچی، ص: ۶۲،۶۱۔ تفہیم القرآن، سید ابوالاعلیٰ مودودی، ۱/ ۸۲،۸۱

﴿اِنِّيٓ أَخْلُقُ لَكُم مِّنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللهِ وَأُبْرِىءُ الْأَكْمَهَ والْأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَى بِإِذْنِ اللهِ وَأُنَبِّئُكُم بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ﴾[1]

ترجمہ: میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی شکل جیسا (ایک پُتلا) بناتا ہوں پھر میں اس میں پھونک مارتا ہوں سو وہ اللہ کے حکم سے فوراً اڑنے والا پرندہ ہو جاتا ہے، اور میں مادرزاد اندھے اور سفید داغ والے کو شفایاب کرتا ہوں اور میں اللہ کے حکم سے مُردے کو زندہ کر دیتا ہوں، اور جو کچھ تم کھا کر آئے ہو اور جو کچھ تم اپنے گھروں میں جمع کرتے ہو۔ جو کچھ تم کھاؤ اور جو گھروں میں ذخیرہ کرو میں سب تمہیں بتادیتا ہوں۔

آپ علیہ السلام نے مختلف مقامات پر تبلیغ کے سلسلے میں وعظ کیے اور تبلیغ کے ذریعے اپنی مرضی سے من مانی خواہشات کے مطابق دینِ موسوی میں ترمیمات کرنے والے اور محض ظواہر پرستی اور قانونی کھینچ کرنے والے یہودی علماء کو خاص طور پر ہدف بنایااوران کی اصلاح کرنا چاہی۔ آپ علیہ السلام کی تبلیغ ان لوگوں کے لیے کوئی خاص اثرانداز نہ ہوئی۔ آپ علیہ السلام کے ابتدائی متاثرین میں کم حیثیت کے لوگ تھے مثلاً ماہی گیر وغیرہ جبکہ مخالفت میں یہود کا بااثر اوراہلِ علم طبقہ تھا۔ ان لوگوں نے آپ علیہ السلام کو اس خوف سے کہ آپ کی تعلیمات سے کہیں لوگ متاثر نہ ہو جائیں، رومی گورنر کو آپ کے خلاف اکساتے ہوئے بغاوت کے جرم میں گرفتار کروادیا۔ جس کی مد میں صلیب کی سزامقرر ہوئی۔ رومی گورنر کی رائے اوراندازے کے مطابق آپ علیہ السلام بے گناہ تھے یہ وجہ تھی کہ وہ آپ علیہ السلام کی گرفتاری سے خوش نہ تھے۔ چنانچہ اس نے یہودیوں کے سامنے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور براباڈا کو (مشہور قاتل) میں سے کسی ایک کو قومی تہوار کے موقع پر چھوڑنے کا انتخاب رکھا لیکن یہودیوں نے سوچی سمجھی سازش کے تحت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پھانسی اور براباڈا کو کی رہائی کا متفقہ فیصلہ صادر کیا۔ تاہم اس فیصلے کو عملی جامہ نہ پہنایا جاسکا۔ اورآپ علیہ السلام کو پھانسی کی بجائے زندہ اٹھالیا گیا۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِن شُبِّهَ لَهُمْ﴾[2]

---

(۱) سورۃ آل عمران:۳/۴۹

(۲) سورۃ النساء:۴/۱۵۷

ترجمہ: انہوں نے نہ ان کو قتل کیا اور نہ انہیں سولی چڑھایا مگر (ہوا یہ کہ) ان کے لئے (کسی کو عیسیٰ علیہ السلام کا) ہم شکل بنا دیا گیا۔

یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ یہودیوں میں مسیح کا تصور موجود تھا اور وہ اس انتظار میں بھی تھے نیز ان کے عقیدے کے مطابق مسیح ایک بااختیار شخص ہو گا جو بنی اسرائیل کی رہنمائی کرے گا اور جس کے ذریعے سے یہودیوں کو دنیوی تفوق حاصل ہو گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مسیح ہونے کا دعویٰ کیا اور ساتھ میں فرمایا کہ میری حکومت اس دنیا کی نہیں ہے۔ یہودیوں نے جب دیکھا کہ وہ رومیوں سے ٹکر لینے کو تیار نہیں تو یہودیوں نے آپ علیہ السلام کا مذاق اڑایا، اور نظریہ اپنایا کہ یہ مسیح نہیں ہے کیونکہ وہ تو دنیوی تفوق کے خواہاں تھے۔[۱]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسائیت نے بڑی تیزی سے ترقی کی۔ یہودیوں اور رومیوں کے مظالم اس مذہب کا کچھ نہ بگاڑ سکے اور چوتھی صدی عیسوی کی ابتداء میں روم، جہاں عیسائیوں پر بہت مظالم ہوئے تھے، عیسائیت کا مرکز بن گیا۔ اس کے بعد عیسائیوں کا اقتدار بڑھتا ہی گیا یہاں تک کہ قرون وسطیٰ میں ایک وہ دور بھی آ گیا تھا کہ پوپ کی قوت بادشاہوں سے بھی زیادہ ہو گئی تھی۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہودیت کی طرح عیسائیت میں بھی ترمیم و تنسیخ کا عمل شروع ہوا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ بنیادی عقیدہ توحید کے بارے میں عیسائیوں کا ایک ایسا گروہ نمودار ہوا جو عقیدہ تثلیث کا قائل ہو گیا۔ پھر اختلاف مزید بڑھا کہ تین اکائیوں میں کے متعلق بھی اختلاف پایا جانے لگا کہ تین خداؤں میں کون کون شامل ہے؟ بعض کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ کا شریک سمجھا جانے لگا اور دوسرے بعض کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت جبریل امین علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا شریک گردانا جانے لگا۔ یوں عیسائیت میں عقیدہ تثلیث رونما ہوا جس نے پیروکاروں کی بہت بڑی تعداد کو متاثر کیا اور اپنے موقف کا گرویدہ بنایا۔

---

(۱) تفہیم القرآن، سید ابوالاعلیٰ مودودی، ۱/ ۸۲،۸۱

نصاریٰ کے توحید سے متعلق نظریات اور ان کارد

اس فصل میں نصاری کے باطل نظریات ذکر کیے جائیں گے، اور اس کے بعد ان کارد قرآنی آیات کے تحت لکھا جائے گا۔ ان کا پہلا باطل نظریہ توحید سے متعلق تثلیث کا ہے اور دوسرا باطل نظریہ ابنیت حضرت مسیح علیہ السلام ہے۔

تثلیث:

ذیل میں عیسائیوں کے زعم کے مطابق ان کا عقیدۂ توحید جس کا اظہار وہ تثلیث کی شکل میں کرتے ہیں اس کو زیر بحث لاتے ہوئے یہ ثابت کیا جائے گا کہ عیسائیت کا اللہ تعالیٰ کے متعلق خود عیسائی مذہب کی امہات الکتب کی روشنی میں عقیدۂ توحید ہی تھا اور یہ کہ عقیدۂ تثلیث محض انسانی عقل و دماغ کی تخلیق ہے جو نصاریٰ کے لاکھ دعوے کے باوجود کہ وہ توحید کی طرف مرکوز ہے اور ایک ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تعلیم دیتی ہے غلط ہے۔ بلکہ ان کی توحید کی تثلیث نما شکل یہ اظہار توحید کے بجائے شرک کی دعوت دیتی ہے جیسا کہ عملاً ہو بھی رہا ہے۔ اس پر مزید بحث سے شروع کرنے سے قبل یہ بتانا زیادہ مناسب ہے کہ نصاریٰ کے مطابق آخر تثلیث ہے کیا؟

اس موقف کے پیروکاروں کے مطابق خدا بیک وقت ایک اکائی جوہر بھی ہے اور اسی آن اپنی ذات یا وجود میں تین مختلف اقانیم بھی رکھتا ہے، بہت سادہ الفاظ میں یہ ایک تین میں اور تین ایک میں کا عقیدہ ہے۔

"One in three and three in one"

روایتاً نصاری کے عقیدے کے مطابق ایک تین اقانیم مندرجہ ذیل ہے:

خدا-باپ　　　　خدا-بیٹا　　　　خدا-روح القدس

نصاریٰ کے عقیدہ کے مطابق جو اللہ تعالیٰ اپنے آپ کو صرف توحید کی شکل میں ظاہر کرتا رہا (کائنات کی ابتداء سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دنیا میں پیدا ہونے سے قبل تک) اسی اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیدائش کے بعد تین شکلوں (باپ، بیٹا، روح القدس) میں ظاہر کیا۔ نصاریٰ کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ یہ تینوں اقانیم الٰہی عنصر سے بھرپور ہیں (All three are Divene) اور یہ کہ تینوں کا جوہر ایک ہے (All three are of the same substnse) اور اس کے باوجود کہ یہ تینوں برابری کے ساتھ عبادت کے مستحق ہیں (Three worship equally) تینوں الگ الگ خدا، یا دیوتا نہیں بلکہ ایک ہی ہیں۔[1]

(1) The Holy Bible / English, Bible Cumbridge University Press. Oxford University Press, 1970,p45

رد نظریہ تثلیث:

یہ ایسا عقیدہ ہے جو من گھڑت ہے جس کا کوئی ثبوت عیسائی ادب میں کہیں نہیں ملتا۔ اس ضمن میں اگر بائبل کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ بائبل کے بڑے اور پہلے حصہ یعنی عہد نامہ قدیم میں کتاب تخلیق (Genesis) سے لے کر کتاب ملاکی (Malachi) تک ایک جگہ بھی عقیدہ تثلیث کا کوئی نام ونشان تک نہیں ملتا۔ اناجیل اربعہ کے مطالعے سے یہ حقیقت مزید واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے رفع الی السماء سے قبل کسی بھی ایک مقام پر توحید کے بجائے تثلیث کا اظہار نہیں کیا بلکہ ہمیشہ توحید ہی کا اظہار کرتے نظر آتے اور اسی کی طرف بنی اسرائیل کو بلاتے رہے۔ مثلاً انجیل متی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الفاظ اس طرح محفوظ ہیں:

> "اللہ تعالیٰ کے احکام میں سب سے پہلا حکم یہ ہے کہ اے بنی اسرائیل سنو! خداوند ہمارا اللہ تعالیٰ صرف ایک ہی خدا ہے اور تم اپنے خداوند سے اپنے پورے دل اور اپنی پوری روح اور اپنی پوری جان اور دماغ سے پیار کرنا۔"[۱]

اسی طرح انجیل یوحنا میں عیسیٰ علیہ السلام کے الفاظ اس طرح محفوظ ہیں: "عیسیٰ علیہ السلام نے زور سے چلا کر کہا کہ وہ شخص جو مجھ میں یقین رکھتا ہے وہ مجھ میں یقین نہیں رکھتا؛ بلکہ اس ذات میں یقین رکھتا ہے جس نے مجھے بھیجا ہے.... میں اپنی طرف سے کچھ نہیں بولتا ہوں بلکہ اپنے آسمانی باپ (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے) بولتا ہوں جس نے مجھے بھیجا ہے۔"[۲]

اسی انجیل یوحنا کے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں: "باپ (خدا) میرے مقابلے میں بڑا ہے۔ (Father is greater then I)[۳]

موجودہ عیسائیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد سب سے مشہور و معروف شخصیت سینٹ پال کی ہے (St. Paul) سینٹ پال جس کو نصاریٰ اپنے عقیدے تثلیث کا موجد یا علمبردار اول کہتے ہیں وہ بھی اپنے خطوط میں کہیں پر بھی واضح طور پر تثلیث کی دعوت نہیں دیتا؛ بلکہ کورنتھوں کے نام اپنے پہلے مکتوب میں یہ لکھتا ہے کہ (Three is name of three God but one) یعنی کوئی دوسرا اللہ تعالیٰ نہیں بلکہ صرف ایک ہی اللہ تعالیٰ ہے اور یہ کہ دوسروں کے لیے

---

(۱) انجیل یوحنا: ۱۲/ ۲۹-۳۰

(۲) ایضاً: ۱۴/ ۴۴

(۳) ایضاً

بہت سے آقا اور دیوی دیوتا ہوسکتے ہیں؛ لیکن ہمارے لئے صرف ایک اللہ تعالیٰ ہے (جو ہمارے لئے باپ کا درجہ رکھتا ہے) ساری مخلوق کا اسی سے صدور ہوتا ہے اور اسی کی طرف ہم سب کو جانا ہے"

افیسیوں کے نام خط میں سینٹ پال لکھتا ہے: One God and father of all who is over all and throuh all and in all. یعنی ایک اللہ تعالیٰ جو سب کا باپ ہے وہی سب کے اوپر ہے اور سب میں وہی دائر وسائر ہے۔[1]

اسی طرح ٹائم وتھی کے نام اپنے پہلے خط میں سینٹ پال لکھتا ہے: "کیونکہ اللہ تعالیٰ صرف ایک ہی ہے اور انسان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطہ بھی صرف ایک ہی ہے یعنی یہی مسیح جو بذات خود انسان ہے۔"[2]

پال کے مندرجہ بالا اقوال سے کہیں بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ بھی اور خدا ہے یا عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں یا روح القدس بذات خود خدا ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان جملوں میں وہ صرف اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان ایک واسطہ قرار دیتا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کو ایک انسان یا بندہ مانتا ہے۔

"موجودہ دور کے عیسائی اناجیل اربعہ میں سے انجیل متی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ان الفاظ کو تثلیث کی بنیاد قرار دیتے ہیں جو الفاظ بقول متی کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سولی پر چڑھنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اپنے رفع الی السماء سے قبل بطور نصیحت کے اپنے حوارین سے کہے وہ الفاظ اس طرح سے ہیں: زمین و آسمان کا مکمل اختیار مجھے دیدیا گیا ہے اس لئے تم جاؤ اور تمام اقوام کو میرے شاگرد بناؤ اور ہر مقام پر لوگوں کو باپ بیٹے اور روح القدس (Father's and holy Spirit) کے نام پر بپتسمہ (Baptism) دلاؤ اور ان کو سکھلاؤ وہ سب کچھ جس کا حکم میں تم کو دے چکا ہوں اور تم مطمئن رہو اور بھروسہ رکھو میں ہمیشہ زمانے کے آخر تک تمہارے ساتھ رہوں گا۔"[3]

سینٹ پال کے عہد نامہ جدید میں شامل چودہ خطوط میں سے ایک خط یعنی کورنتھوں کے نام دوسرے خط میں سینٹ پال کے مندرجہ ذیل الفاظ کو بھی نصاریٰ تثلیث کی بنیاد قرار دیتے ہیں اس خط کے باب ۱۳ آیت ۱۴ میں سینٹ پال کہتا ہے کہ "ہمارے آقا عیسیٰ مسیح کا فضل اور اللہ تعالیٰ کا پیار اور روح القدس کی صحبت تم سب کے ساتھ ہمیشہ رہے۔"[4]

---

(۱) افیسیوں کے نام خط ۴: ۶/
(۲) ٹائم وتھی کے نام خط، ۲/ ۵، ۴
(۳) انجیل متی: ۲۸/ ۲۰، ۱۹، ۱۸
(۴) کورنتھوں کے نام خط، ۱۳/ ۱۴

نصاریٰ کی یہ دونوں کتابیں یعنی انجیل متی اور سینٹ پال کا کورنتھوں کے نام خط امہات الکتب میں شامل ہیں جن کی تقدیس ان کے یہاں مسلم ہے۔ اگر انجیل متی میں مذکور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اور کورنتھو کے نام منسوب سینٹ پال کے خط کے الفاظ کو صحیح بھی مان لیا جائے تو ان دونوں حضرات کے دوسرے اقوال اور ان اقوال میں واضح تضاد نظر آتا ہے اور کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انجیل متی میں مذکور الفاظ مصلوب ہونے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے بعد کے وقت ہیں لہٰذا ان کی وہ حیثیت نہیں ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ان الفاظ کی ہے جو آپ اپنی اصلی دنیاوی زندگی میں اہل اسلام کے مطابق رفع الی السماء سے قبل اور نصاریٰ کے مطابق مصلوب ہونے سے قبل فرمایا ہے۔ جہاں تک سینٹ پال کے دعائیہ الفاظ کا تعلق ہے وہ بھی دعائیہ الفاظ ہی ہیں دعوے کی حیثیت نہیں رکھتے کیونکہ سینٹ پال کے ہی دوسرے الفاظ یہودی کونسل اور رومی حکام کے سامنے توحید سے بھرپور ہیں۔ (۱)

تثلیث کی مذکورہ بالا تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیحیت کے ابتدائی زمانہ میں توحید ہی کا بول بالا تھا۔ یہ گمراہ عقیدہ اس وقت پھوٹا جب یہود کے مقابلہ میں غیر یہودیوں کی تعداد مسیحیت میں بڑھ گئی تو عقیدۂ توحید آہستہ آہستہ معدوم ہو کر تثلیث کی شکل میں ظاہر ہونے لگا حتیٰ کہ تقریباً پونے چار سو سال کے بعد رومی حکومت کے شہنشاہ اعظم نے بزور شمشیر توحید کو کالعدم قرار دلوا دیا اور عقیدۂ تثلیث کو شاہی عقیدہ قرار دلوا کر اسی کی عبادت رائج کرادی۔

علاوہ ازیں مسیحی مذہبی ادب میں موجود صفات الٰہیہ کا حضرت عیسیٰ کے ساتھ موازنہ کرنے سے بھی یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایسی کوئی صفت یا خاصیت حاصل نہیں تھی۔

مفہوم کو مزید واضح کرنے کی غرض سے ذیل میں اللہ تعالیٰ کی ان چند صفات کا تذکرہ کیا جاتا ہے جن میں اللہ تعالیٰ کو واضح طور پر یکسانیت حاصل ہے جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان صفات سے کوسوں دور ہیں۔

مثلاً اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے، وہ غیب و حاضر ہر چیز سے باخبر ہے، اس سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ جیسا کہ انجیل مقدس میں ہے:

"وہ زمین و آسمان اور جو کچھ بھی پیدا کیا گیا ہے اس سے باخبر ہے" (۲)

انجیل خود اس پر گواہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ئی صفت کے مقابلے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایسی کوئی قوت وصفت حاصل نہیں:

---

(۱) ڈاکٹر عبد الخالق، ماہنامہ دار العلوم، شمارہ ۷، جلد: ۸۹، جمادی الاول، جمادی الثانی ۱۴۲۶ ہجری مطابق جولائی ۲۰۰۵ء

(۲) کتابِ مقدس، سلاطین: ۸/ ۳۹

"لیکن اس دن یا گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا نہ آسمان کے فرشتے نہ بیٹا مگر باپ"(۱)

انجیل مقدس کی اس عبارت میں واضح طور پر علیم و خبیر کی صفت کو سوائے اللہ تعالیٰ کے دوسرے ہر کسی کے لیے نفی کر دی گئی ہے کہ ہر چیز کا علم رکھنے والی سوائے اللہ کے کوئی نہیں چاہے وہ آسمانی فرشتے ہوں یا عیسیٰ علیہ السلام۔ ہر چیز کے ظاہر و باطن سے واقف اور باخبر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات ازلی وابدی ہے اسے کبھی بھی موت نہیں آسکتی، اس کی کوئی ابتداء یا انتہا نہیں جبکہ اس کے مقابلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے ذریعے ابتدا ہوئی اسی طرح آپ کی انتہا بھی ثابت ہے یعنی عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق انہوں نے وفات پائی۔ انجیل میں ہے:

"بقا صرف اسی کو ہے۔"(۲)

چنانچہ اس پہلو سے بھی الوہیت مسیح کا عقیدہ باطل قرار پاتا ہے۔ اور جناب مسیح علیہ السلام اس خدائی صفت سے بھی بہرہ ور نظر نہیں آتے۔

اسی طرح انجیل کی رو سے صرف اللہ تعالیٰ ہی انسانیت کا نجات دہندہ ہے اور انہیں تباہی و بربادی سے بچاتا ہے۔ جناب داؤ علیہ السلام کے الفاظ ہیں:

"صادق کی مصیبتیں بہت ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اس کو ان سب سے رہائی بخشتا ہے۔"(۳)

جبکہ حضرت مسیح علیہ السلام انسانیت کے لیے نجات دہندہ ہونے کی بجائے خود مصائب کا شکار رہے اور مصائب میں خداوند خدا سے مدد و دستگیری کی التجا کرتے تھے۔

"اب میری جان گھبراتی ہے۔ پس میں کیا کہوں؟ اے باپ! مجھے اس گھڑی سے بچا"(۴)

اس عبارت کی روشنی میں کسی بھی طرح حضرت مسیح کو نجات دہندہ قرار کہاں کی عقلمندی ہے؟ بلکہ بیوقوفی اور گمراہی کے سوا اور کچھ نہیں۔

---

(۱) مرقس: ۱۳/۳۲

(۲) تیمو تھیس: ۶/۱۶

(۳) زبور، ۳۴/۱۹

(۴) یوحنا: ۱۲/۲۷

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کی فرمانروائی زمین و آسمان میں ہر جگہ ہے، اسی مرضی اور اسی کا حکم ہر جگہ چلتاہے اور اس کے ارادے کو نہ توٹالا جاسکتاہے اور نہ ہی اس کی گرفت سے گریز و فرار ہی ممکن ہے۔

اس حقیقت میں کوئی دوسری رائے کا وجود ہی نہیں کہ ان میں سے کسی بھی طاقت اور کسی بھی اختیار واقتدار کا جناب مسیح علیہ السلام پر اطلاق نہیں ہو سکتا۔ انجیل بھی اس حقیقت پر مہر تصدیق ثبت کرتی ہے:

اس نے ان سے کہا میرا پیالہ تو پیوگے لیکن اپنے داہنے بائیں کسی کو بٹھانا میرا کام نہیں مگر جن کے لیے میرے رب کی طرف سے تیار کیا گیا، انہی کے لیے ہے۔ [1]

پھر ذرا آگے بڑھا اور منہ کے بل گر کر یوں دعا کی کہ اے میرے باپ! اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے تو بھی نہ جیسا میں چاہتا ہوں ویسا نہ ہو بلکہ جیسا تو چاہتا ہے ویسا ہی ہو۔ [2]

عبارتِ مذکورہ بالا میں حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی قدرت میں عاجزی اور اختیار واقتدار کی نفی عیاں ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ایک صفت حی و قیوم بھی ہے۔ اسے ہر چیز پر قدرت حاصل ہے لیکن اس پر کسی کو قدرت حاصل نہیں۔ اسے نہ کسی نے پیدا کیا نہ اسے کوئی مار سکتا ہے۔ لیکن جناب مسیح علیہ السلام کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ انہیں صلیب (سولی) پر چڑھایا گیا؛

"ہمارے باپ دادا کے خدا نے یسوع کو اٹھالیا جسے تم نے صلیب پر لٹکا کر مار ڈالا تھا"

یسوع علیہ السلام کو اگر صلیب پر لٹکا کر مار دیا گیا تھا تو انہیں خدا کسی بنیاد پر قرار دیا جاسکتا ہے؟ کیونکہ خدا تو وہ ہے جس کو نہ کسی نے پیدا کیا اور نہ اسے کبھی کوئی مار سکتا ہے، وہ ہمیشہ سے ہے، اس کی کوئی ابتداء وانتہا نہیں۔

بائبل / انجیل مقدس کی روشنی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کی صفات میں ہی شریک ہونا ثابت نہیں بلکہ اس کی نفی پائی جاتی ہے تو پھر کوئی ذی شعور اور عقلمند انسان کیسے اس بات کو قبول کر سکتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی ذات میں شراکت حاصل ہو گی؟ بات وہی آجاتی ہے کہ یہ ان کے مونہوں کی باتیں ہیں جن میں کوئی حقیقت وصداقت نہیں۔

ان تمام تفصیلات سے قطع نظر قرآن کریم میں سورت طٰہ میں واضح انداز میں فرمایا ہے:

---

(۱) متی:۲۰/۲۳

(۲) متی:۲۶/۳۹

﴿إِنَّنِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِ﴾(۱)

بے شک میں ہی اللہ ہوں میرے سواء کوئی معبود نہیں پس میری بندگی کرو۔

اس آیت اور اسی طرح قرآن کریم میں توحید خداوندی پر جملہ آیات سے یہ نظریہ رد ہوتا ہے۔

نظریہ ابنیت عیسی علیہ السلام

تمہیدی طور پر عیسائیت اور ان کے باطل عقیدہ تثلیث کا مفہوم واضح کرنے کے بعد فصل ہذا کے اصلی مقصود کی طرف رجوع کرتے ہیں جو کہ عقیدہ توحید سے متعلق نصاریٰ کے باطل نظریات اور ان کا رد ہے۔ نصرانی عقائد کی بنیاد بھی وحدانیت پر ہے جس کی بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ ابتداء میں عیسائی بھی عقیدہ توحید کے قائل رہے۔ تاہم یہودیوں کی طرح نصرانیوں میں بھی بعض لوگ ایسے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔ نصرانیوں کے اسی عقیدے کو قرآن مجید نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

﴿وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ﴾(۲)

ترجمہ: یہودیوں نے کہا کہ عزیر اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔

یہودیوں کے ساتھ نصرانیوں کے اس باطل نظریے کا بھی رد اللہ تعالیٰ نے اگلی ہی آیت میں ان درج ذیل الفاظ میں فرمادیا:

﴿اتَّخَذُواْ أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُواْ إِلاَّ لِيَعْبُدُواْ إِلَهًا وَاحِدًا لاَّ إِلَهَ إِلاَّ هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾(۳)

ترجمہ: انہوں نے اللہ کے سوا اپنے عالموں اور زاہدوں کو رب بنا لیا تھا اور مریم کے بیٹے مسیح (علیہ السلام) کو (بھی) حالانکہ انہیں بجز اس کے (کوئی) حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اکیلے ایک (ہی) معبود کی عبادت کریں، جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ان سے پاک ہے جنہیں یہ شریک ٹھہراتے ہیں۔

---

(۱) سورۃ طہ:۲۰/۱۴

(۲) سورۃ التوبۃ:۹/۳۰

(۳) ایضاً:۹/۳۱

علامہ غلام رسول سعیدی صاحب نے مذکورہ آیت کے تحت حضرت عیسیٰ کا دوبارہ تذکرہ کرنے سے گریز کیاہے تاہم اشارہ کر دیاہے کہ اس کی تشریح کے لیے سورۃ آل عمران کی آیت ۴۵تا۵۸ کی طرف رجوع کیا جاسکتاہے۔سورۃ آل عمران کی آیت ۴۵ کے تحت علامہ صاحب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تعارف پیش کرتے ہوئے لفظِ "مسیح" آغاز کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

مسیح اور عیسیٰ کے متعلق دو قول ہیں؛

ایک قول کے مطابق یہ دونوں الفاظ عبرانی زبان کے ہیں،ابو عبیدہ اور لیث نے کہا مسیح عبرانی زبان میں مشیح تھااور عربی زبان میں مشیح سے مسیح ہو گیا۔اور عیسیٰ اصل میں یشوع تھا جیسا کہا جاتا ہے کہ موسیٰ اصل میں موشکی یا میشا تھا۔

دو سرا قول یہ کہ دونوں الفاظ عربی زبان کے ہیں اور مشتق ہیں،اکثر علماء کا اسی پر اتفاق ہے۔

وجہ تسمیہ:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح کہنے کی درج ذیل مختلف وجوہات ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مطابق؛ آپ علیہ السلام کو مسیح اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ آپ بیماروں پر ہاتھ پھیرتے تو وہ تندرست ہو جاتے۔

احمد بن یحییٰ کے مطابق؛ آپ علیہ السلام کو مسیح اس لیے کہا گیا کہ آپ بہت جلد قطع مسافت (طویل سفر قلیلی وقت میں طے) کر لیا کرتے تھے۔

بعض علماء کے نزدیک آپ علیہ السلام کو مسیح کہنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ علیہ السلام یتیموں کے سر پر بکثرت ہاتھ پھیرا کرتے تھے اس لیے آپ کو مسیح کہا گیا۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ مسیح کا معنیٰ کار گڑنا اور مٹانا کے ہیں چونکہ آپ علیہ السلام کے مفروضہ گناہ رگڑ دیئے گئے تھے اس لیے آپ کو مسیح کہا گیا۔

پانچویں وجہ یہ ہے کہ جس مبارک تیل سے انبیاء علیہم السلام کو مالش کی جاتی اسی تیل سے آپ کی مالش کی گئی۔

چھٹی وجہ یہ کہ پیدائش کے وقت اسی تیل سے آپ کے جسم پر مالش پہلے سے کی گئی تھی۔

ساتویں وجہ یہ ہے کہ آپ کی پیدائش کے وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنے پروں سے آپ کے جسم کو مسح کیا تا کہ آپ مسِ شیطان سے محفوظ رہیں۔ [۱]

یہ وہ سات مختلف وجوہات ہیں جن کی بناء پر آپ علیہ السلام کو مسیح کہا جاتا ہے۔

اسی طرح آیت میں مذکور ابن سے بحث کرتے ہوئے پیر کرم شاہ رقمطراز ہیں:

ابن اور ولد دو عربی لفظ ہیں۔ ولد تو صلبی اولاد ہی کو کہا جاتا ہے۔ ابن کا اگرچہ حقیقی معنیٰ یہی ہے لیکن بطور مجاز محبوب اور لاڈلے کو بھی ابن کہ دیتے ہیں۔ جیسے نحن ابناء الله واحباءه میں ہے۔ [۲]

حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق اکثر عیسائیوں کا عقیدہ تو یہی ہے کہ آپ علیہ السلام (Son of God) ہیں۔ تاہم بعض اس سے مجازی معنیٰ ہی مراد لیتے ہیں۔

اسی حوالے سے پیر کرم شاہ صاحب ابن حبان کا قول نقل فرماتے ہیں:

"جب نبوتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ظاہر ہوا اور ابنیت کے عقیدے کے بطلان پر دلائل قائم کر دیئے گئے اور مناظروں میں بھی عیسائیوں کو لاجواب کر دیا گیا تو لاچار ہو کر ابن اللہ کا یہ مجازی معنیٰ "محبوب" بیان کرنا شروع کر دیا۔" [۳]

رد نظریہ ابنیت:

﴿ذَلِكَ قَوْلُهُم بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِؤُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُواْ مِن قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللّهُ أَنَّى يُؤْفَكُونَ﴾ [۴]

ترجمہ: یہ ان کا (لغو) قول ہے جو اپنے مونہہ سے نکالتے ہیں۔ یہ ان لوگوں کے قول سے مشابہت (اختیار) کرتے ہیں جو (ان سے) پہلے کفر کر چکے ہیں، اللہ انہیں ہلاک کرے یہ کہاں بہکے پھرتے ہیں۔

---

(۱) تبیان القرآن، علامہ غلام رسول سعیدی، ۲/۱۶۱

(۲) ضیاء القرآن، پیر کرم شاہ الازہری، ۲/۱۹۷

(۳) ایضاً

(۴) سورۃ التوبۃ:۹/۳۰

پیر کرم شاہ الازہری" ذَلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُونَ "کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"علماء معانی نے یہاں یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں قول کے ساتھ فم (منہ) یالسان (زبان) بھی مذکور ہو وہاں اس کا معنٰی غلط اور بے سروپا بات ہے۔یعنی ان کے پاس اس عقیدہ کی کوئی دلیل نہیں یونہی تک بازی اور زبانی باتیں ہیں۔"(۱)

سورۃ التوبہ کی آیت نمبر ۳۰ میں یہودیوں کے بعد نصرانیوں کی یہ بداعمالی بیان فرمائی گئی کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہتے تھے اور اگلی آیت میں ان کی دوسری بداعمالی بیان فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ارشادربانی ہے:

﴿اتَّخَذُواْ أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللّهِ﴾ (۲)

ترجمہ:انہوں نے اللہ کے سوا اپنے عالموں اور زاہدوں کو رب بنالیا تھا۔

گویا ایک طرف یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ کہنے اور ثابت کرنے پر تلے ہوئے تھے تو دوسری طرف نصرانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہتے اور اس بات کا اعتقاد رکھتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے دونوں کارد فرمایا اور ان کے باطل نظریے کو ان کے مونہوں کی بے معنٰی، بے بنیاد اور بے تکی باتیں قرار دیا، جس سے ان باطل نظریات کا رد روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔اگر اس کے باوجود بھی کوئی اس حقیقت کو نہ مانے اور خود کو اہل کتاب کہتا پھرے اس کے کفر میں شک کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ایسا شخص نہ صرف گمراہ ہے بلکہ صریح کافر ہے۔

قرآن کے مقابلے میں اپنے دینی پیشواؤں کو ترجیح دینے کی مذمت:

قرآن کے مقابلے میں یہودیوں کی طرح نصرانی بھی اپنے پیشواؤں کو ترجیح دیا کرتے تھے یہاں تک کہ مذہبی پیشواؤں کی جانب سے اگر کسی حلال چیز کو حرام قرار دے دیا جاتا تو ان کے پیروکار قرآن کے مقابلے میں اپنے پیشواؤں کو ترجیح دیتے اور حلال اشیاء کو صرف اپنے پیشواؤں کے کہنے پر اپنے اوپر حرام کر لیتے جیسا کہ تفصیلاً پچھلی فصل میں اس حوالے سے بیان بھی کر دیا گیا۔

یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ یہودیوں کی نصرانی بھی اپنے پیشواؤں کی عبادت نہیں کیا کرتے تھے بلکہ ان کی جانب سے قرآنی احکام کو پس پشت ڈالتے ہوئے اپنے پیشواؤں کو ترجیح دینا ہی اللہ کے ساتھ شرک کرنا تھا۔جیسا کہ امام ترمذی حضرت عدی بن حاتم سے نقل کرتے ہیں:

---

(۱) ضیاء القرآن، جسٹس پیر کرم شاہ الازہری، ۱۹۷/۲

(۲) سورۃ التوبہ:۹/۳۱

حضرت عدی بن حاتم روایت کرتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا، اس وقت میری گردن میں سونے کی صلیب تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے عدیؓ! اس بت کو اتار کر پھینک دو، میں نے آپ ﷺ سے اس آیت کے متعلق پوچھا: ﴿اتَّخَذُواْ أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللّهِ﴾ آپ ﷺ نے فرمایا:

((قَالَ" أَمَا إِنَّهُمْ لَمْ يَكُونُوا يَعْبُدُونَهُمْ وَلَكِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا أَحَلُّوا لَهُمْ شَيْئًا اسْتَحَلُّوهُ وَإِذَا حَرَّمُوا عَلَيْهِمْ شَيْئًا حَرَّمُوهُ)) (۱)

وہ اپنے علماء کی عبادت نہیں کرتے تھے لیکن جب کسی چیز کو حلال کر دیتے تو وہ اس کو حلال کہتے اور جب کسی چیز کو حرام کر دیتے تو وہ اس کو حرام کہتے۔

معلوم ہوا جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہو اسے حلال سمجھنے والا نہ صرف گنہگار ہے بلکہ ایسا شخص کافر ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کی جانب سے حلال چیز کو حرام سمجھنے اور اعتقاد رکھنے والا بھی کافر ہے۔ ہاں اگر حرام کو حرام سمجھتے ہوئے عملی کوتاہی سے غلطی ہو جائے تو وہ کفر نہیں، فسق اور گناہ ہے۔

نیز معلوم ہوا کہ یہودیوں میں مسیح کا تصور تو موجود تھا اور وہ اس انتظار میں بھی تھے لیکن یہودی آپ علیہ السلام کو دنیوی تفوق کا ذریعہ سمجھتے تھے جب یہودوں نے اس کے برعکس پایا تو آپ کو ماننے سے انکار کر دیا۔

حاصل کلام:

مختصر یہ کہ یہودیوں کی طرح نصرانیوں کی ابتدائی تعلیمات کے مطابق نہ صرف اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا وجود اور اس کا درس موجود ہے اس کے ساتھ ساتھ غیر اللہ کا کوئی تصور موجود نہیں، نہ ذات میں، نہ صفات میں، نہ ہی کاریگری میں اس کا کوئی شریک یا ہمسر ہے بلکہ وہ اکیلا ہے اور اکیلا ہی پوری کائنات کے نظام بطریقِ احسن چلانے پر قادر ہے۔

لیکن یہود کی طرح عیسائیوں نے بھی دین خداوندی کی تعلیمات میں تحریف کر کے اس میں شرک کا آمیزہ شامل کیا تھا، ان میں سے بعض حضرت عیسی علیہ السلام کو اللہ تعالی کا بیٹا قرار دیتے تھے اور بعض ان کو خدا قرار دیتے تھے، اور یہ دونوں تصورات توحید کے منافی تھے چنانچہ آیات مخاصمہ میں ان دونوں تصورات سمیت اپنے رہبان کو شارع سمجھنے جیسے غلط افکار پر بلیغ ردود موجود ہیں۔

---

(۱) جامع ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، دار احیاء التراث العربی، کتاب تفسیر القرآن، سورۃ التوبۃ، حدیث نمبر، ۳۰۹۵، ۵/۲۷۸

فصل سوم:

توحید سے متعلق مشرکین کا نظریہ

اس فصل میں توحید سے متعلق مشرکین مکہ کا باطل نظریہ یعنی شرفی صفات اللہ تعالی ذکر کیا جائے گا، اسی مناسبت سے بحث میں داخل ہونے سے قبل ان کا مختصر تعارف لکھا جاتا ہے۔

مشرکین کا تعارف:

قرآن کریم میں جن لوگوں کے شرک وکفرپر بار بار تنبیہ کی گئی ہے وہ کفار مکہ تھے،یعنی قریش مکہ جو بنواسماعیل کہلاتے ہیں، یہ حضور ﷺ کا قبیلہ ہے، اپنے آپ کو یہ دین ابراہیمی کی طرف منسوب کرتے تھے، توحید کا پیغام انہوں شرک وبت پرستی سے بھلادیا تھا، کعبہ کے اردگرد لات عزی، ہبل وغیرہ چھوٹے بڑے بت رکھے ہوئے تھے اسی کی عبادت کرتے تھے اسی کے سامنے سجدہ ریز ہوتے تھے۔

قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتے ہے کہ وہ توحید فی الذات کے قائل تھے البتہ صفات خداوندی میں بتوں کو شریک مانتے تھے۔

توحید سے متعلق مشرکین کے نظریات اور ان کا رد

عقیدہ توحید کا لازمی تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کو معبودِ برحق مانا اور سمجھا جائے جبکہ اس کے سوا ہر دوسری چیز کو معبود بنانے اور ماننے سے انکار کیا جائے۔ جو بھی شخص اس بنیادی تقاضے میں خلل یا کجی کا شکار پایا گیا تو گویا کہ وہ شرک کا مرتکب ہے۔ اور شرک ایسا گناہ ہے کہ جس کے متعلق ربِ کائنات قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ﴾(۱)

ترجمہ: بیشک شِرک بہت بڑا ظلم ہے۔

حقیقی مسلمان ہونے کے لیے توحید کے تمام تقاضوں کو پورا کرنا ضروری ہے، ہلکی سی بھی کمی کوتاہی کی صورت میں شرک کا ارتکاب گردانا جائے گا۔ توحید کی تمام اقسام (توحید ربوبیت، توحید الوہیت اور توحید اسماء وصفات) کا اقرار صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کے لیے کیا جائے گا تو اسی کو کامل توحید مانا جائے گا۔ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کی باقی تمام صفات کا اقرار کرنے والا شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک اللہ تعالیٰ کے سوا باقی تمام باطل معبودوں کو دھتکار نہ دے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کو معبود ماننے کے ساتھ ساتھ بتوں کی پوجا بھی کرتا رہے تو ایسا شخص ہرگز مسلمان نہیں ہو سکتا بلکہ اصلی مشرک یہی لوگ ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو قرآن مجید کے مطابق اللہ تعالیٰ کی خالقیت، مالکیت اور رزاقیت کا اقرار کرنے کے باوجود غیروں کی بھی عبادت کیا کرتے رہے، یوں وہ اپنے ناقص ایمان کی وجہ سے ایمان باللہ کے باوجود مشرک ہی رہے۔

ایمان باللہ کے باوجود غیروں کی عبادت کی وجہ سے مشرکین کا ایمان ناقص ہے جس کی وجہ سے توحید کے متعلق مشرکین کا باطل نظریہ سمجھنے کے لیے ہمیں توحید کی مختلف اقسام کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔

توحید کی تین اقسام ہیں؛ توحید ربوبیت، توحید الوہیت اور توحید اسماء وصفات۔ توحید کی یہ تینوں اقسام قرآن کریم کی متعدد آیات میں بیان کی گئی ہیں۔ مثلاً

سورۂ فاتحہ جو کہ مصحف قرآن کی سب سے پہلی سورت ہے اس میں توحید کی تینوں اقسام کا بیان ہے: پس اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

---

(۱) سورۃ لقمان: ۳۱/۱۳

﴿ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ [1]

ترجمہ: سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کی پرورش فرمانے والا ہے۔

اس میں توحید ربوبیت کا بیان ہے کیونکہ یہ آیت تمام جہانوں کے لئے اللہ تعالی کی ربوبیت کو ثابت کرتی ہے۔

العالمین کا معنی اللہ تعالی کے سوا ہر چیز اور رب یعنی مالک ومدبر۔

اور اللہ تعالی کا یہ فرمانا:

﴿ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○ مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾ [2]

ترجمہ: جو رحمن ورحیم ہے، اور یوم جزاء کے دن کا مالک ہے۔

اس میں توحید اسماء وصفات کا بیان ہے کیونکہ ان دو آیتوں میں اللہ تعالی کو رحمت ومالکیت کی صفت سے موصوف کرنے کا اثبات ہے، اور اسی طرح اس کے اسماء: الرحمن، الرحیم، المالک کا اثبات ہے۔

اور اللہ تعالی کا یہ فرمانا:

﴿ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ [3]

ترجمہ: اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور ہم تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔

اس میں توحید الوہیت کا بیان ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالی کو عبادت واستعانت میں اکیلا ماننے کے وجوب پر دلالت پائی جاتی ہے۔

اسی طرح سورۃ الناس جو کہ مصحف کی سب سے آخری سورۃ ہے اس میں بھی توحید کی انہی تینوں اقسام کا بیان ہے:

پس اللہ تعالی کا یہ فرمانا:

﴿ قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ [4]

ترجمہ: آپ عرض کیجئے کہ میں (سب) انسانوں کے رب کی پناہ مانگتا ہوں۔

---

(۱) سورۃ الفاتحۃ:۱/۱

(۲) ایضاً:۱/۳۔۴

(۳) ایضاً:۱/۵

(۴) سورۃ الناس:۱۱۴/۱

یہ توحید ربوبیت ہے۔

﴿مَلِكِ النَّاسِ﴾ (۱)

ترجمہ: جو(سب)لوگوں کا بادشاہ ہے۔

یہ توحید اسماءوصفات ہے۔

﴿إِلَهِ النَّاسِ﴾ (۲)

ترجمہ: جو(ساری)نسلِ انسانی کا معبود ہے۔

یہ توحید الوہیت ہے۔

اسی طرح مصحف میں جو سب سے پہلی نداءوپکار ہے(یاامر وحکم ہے) وہ توحید کی دواقسام پر مبنی ہے، اور وہ اللہ تعالی کا یہ فرمان:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُواْ رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ○ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الأَرْضَ فِرَاشاً وَّالسَّمَاءَ بِنَاءً وَّأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقاً لَّكُمْ فَلاَ تَجْعَلُواْ لِلّهِ أَندَاداً وَّأَنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (۳)

ترجمہ: اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور ان لوگوں کو (بھی) جو تم سے پیشتر تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو عمارت بنایا اور آسمانوں کی طرف سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعے تمہارے کھانے کے لئے (انواع و اقسام کے) پھل پیدا کئے، پس تم اللہ کے لئے شریک نہ ٹھہراؤ حالانکہ تم (حقیقتِ حال) جانتے ہو۔

کیا یہ اللہ تعالی کے افعال نہیں؟ یہ توحید ربوبیت ہے جسے اللہ تعالی نے توحید الوہیت پر بطور دلیل وبرہان پیش کیا کہ جس طرح وہ اکیلا ان کاموں کو کرتا ہے اسی طرح اس اکیلے کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، بلکہ یہ خالصتاً اسی سبحانہ وتعالی کا حق ہے۔اس آیت میں توحید کی دواقسام کا بیان ہے: توحید الوہیت؛ کیونکہ یہی سب سے بڑا مقصود ہے، اور توحید

---

(۱) سورۃ الناس:۱۱۴/۲

(۲) ایضاً:۱۱۴/۳

(۳) سورۃ البقرۃ:۲/۲۲،۲۱

ربوبیت کو اس توحید الوہیت پر دلیل اور اسے مستلزم ہونے کے طور پر بیان کیا گیا۔ اس بات کا حکم تمام بنی نوع انسان کو دیا گیا جیسا کہ ایک دوسری آیت میں فرمایا:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ (۱)

ترجمہ: میں نے جنوں اور انسانوں کو نہیں پیدا کیا مگر صرف اپنی عبادت کے لئے ہی۔

پس خبر دی کہ ان دو عظیم عالموں (عالم جن وانس) کو وجود بخشا ہی نہیں گیا مگر صرف اللہ تعالی کی عبادت کرنے، اسے اس عبادت میں تنہا تسلیم کرنے اور اسے اس کی الوہیت میں واحد ماننے کے لئے۔ پھر اس کے آخر میں شرک سے منع کیا گیا چنانچہ فرمایا:

﴿فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ (۲)

(خبر دار! باوجود جاننے کے اللہ کے لیے برابر والے مقرر نہ کرو)

اندادا یعنی: شرکاء، کہ تم اپنی عبادت کے کچھ امور ان کے لئے بجالاتے ہو جبکہ تم جانتے بھی ہو کہ اس کی ربوبیت میں کوئی شریک نہیں جو ان امور میں اس کی شراکت کرتا ہو:

ا۔ زمین آسمان کے پیدا کرنے،

۲۔ بارش برسانے،

۳۔ نباتات کے اگانے میں۔

تم جانتے بھی ہو کہ ان امور میں کوئی اللہ تعالی کا شریک نہیں پھر کس طرح تم اس کے ساتھ غیروں کو اس کی عبادت میں شریک کرتے ہو؟!

اور اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿ وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ لاَّ إِلَٰهَ إِلاَّ هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ﴾ (۳)

ترجمہ: اور تمہارا معبود اللہ تعالیٰ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں (وہ) نہایت مہربان بہت رحم فرمانے والا ہے۔

---

(۱) سورۃ الذاریات: ۵۶/۵۱

(۲) سورۃ البقرۃ: ۲۲/۲

(۳) ایضاً: ۱۶۳/۲

اس میں توحید الوہیت کا بیان ہے اور "الہ" کا معنی ہوتا ہے: معبود، اور "الوہیت" کا معنی ہوتا ہے: عبادت ومحبت۔

اس آیت کا معنی ہے کہ تمہارا معبود حقیقی تو ایک ہی معبود ہے، جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، یعنی: "لا معبود بحق سواہ" (اس کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں)۔

اور اس کا یہ فرمان "الرحمن الرحیم" تو یہ توحید اسماء وصفات میں داخل ہے؛ کیونکہ اس میں اللہ تعالی کے دو اسماء اور صفتِ رحمت کا اثبات ہے۔

اور اس کا یہ فرمان:

﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ وَاخْتِلاَفِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنزَلَ اللّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِن مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الأرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِن كُلِّ دَآبَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخِّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالأَرْضِ لآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ﴾ (١)

ترجمہ: بیشک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات دن کی گردش میں اور ان جہازوں (اور کشتیوں) میں جو سمندر میں لوگوں کو نفع پہنچانے والی چیزیں اٹھا کر چلتی ہیں اور اس (بارش) کے پانی میں جسے اللہ آسمان کی طرف سے اتارتا ہے پھر اس کے ذریعے زمین کو مُردہ ہو جانے کے بعد زندہ کرتا ہے (وہ زمین) جس میں اس نے ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے ہیں اور ہواؤں کے رُخ بدلنے میں اور اس بادل میں جو آسمان اور زمین کے درمیان (حکمِ الٰہی کا) پابند (ہو کر چلتا) ہے (ان میں) عقلمندوں کے لئے (قدرتِ الٰہی کی بہت سی) نشانیاں ہیں۔

اس میں توحید ربوبیت کا بیان ہے جسے اللہ تعالی نے توحید الوہیت کی بطور دلیل وبرہان ذکر کیا اسی لئے آخر میں فرمایا اس میں آیات (نشانیاں) ہیں یعنی اللہ تعالی کی عبادت کے برحق ہونے اور غیر اللہ کی عبادت کے باطل ہونے کے دلائل وبراہین ہیں۔

---

(١) سورۃ البقرۃ: ٢/١٦٤

چنانچہ اس آیت میں توحید کی تینوں اقسام کا بیان ہے، اور آپ انہیں پورے قرآن کریم میں اسی طرح ساتھ ساتھ پائیں گے۔

یاد رہے کہ صرف خدا کی ہستی کا اقرار اور ذات باری تعالیٰ کا اعتراف ہی توحید نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو مسلمانوں اور مشرکین میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہے۔ کیونکہ مشرکین بھی اللہ تعالیٰ کی ہستی کا اقرار اور ذات باری تعالیٰ کا اعتراف کرنے کے ساتھ ساتھ ہر اس چیز کا اعتراف کرتے تھے جس کا اعتراف ایک مسلمان کرتا ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق صرف ایک ہی ذات معبود برحق ہے اور وہی عبادت کی مستحق ذات ہے جو کہ اللہ رب العالمین کی ذات ہے۔ اس کے علاوہ کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ جبکہ مشرکین ان تمام صفات کا اقرار کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے علاوہ غیروں کی بھی پوجا کیا کرتے تھے، جس کی بناء پر ان کا ایمان ناقص رہا اور انہیں شرک کا مرتکب گردانا گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ مشرکین مکہ نہ صرف ذاتِ باری تعالیٰ کے معترف تھے، صفات باری تعالیٰ پر بھی ایمان رکھتے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کیا کرتے تھے۔ لیکن ان کی اس عقیدے کی خرابی یہ تھی کہ وہ دوسروں کو بھی اس میں شریک مانتے تھے۔ اسی وجہ سے ان کا یہ عقیدہ قرآن کا عقیدہ توحید خالص سے متصادم تھا۔ اس سلسلے میں قرآن کریم، احادیثِ رسول ﷺ کی تصریحات اور سیرت و تاریخ کی مستند و معتبر روایات موجود ہیں۔ ان میں چیدہ چیدہ بطور استشہاد درج ذیل ہیں:

کتاب و سنت اور سیرت و تاریخ کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات سے متعلق مشرکینِ مکہ کے درج ذیل عقائد و نظریات معلوم ہوتے ہیں:

ا. انسانوں کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے:

اللہ تعالیٰ کی ذات ہی صرف وہ ذات ہے جس نے نہ صرف اس دنیا کو بلکہ اس دنیا میں رہنے والے سب چرند، پرند اور انسانوں کو پیدا کیا۔ وہی خالق و مالک ہے اور اسی نے یہ سارا نظام چلا رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کے علاوہ کوئی بھی اور اس نظام کو نہیں چلا سکتا۔ انسان کو صرف اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیا ہے اور وہی اس کا خالق بھی ہے اس کا ثبوت قرآن پاک میں موجود ہے۔ مشرکین سے متعلق رب کائنات اپنے محبوب جناب محمد ﷺ سے فرماتا ہے:

﴿ وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴾[1]

ترجمہ: اور اگر آپ اِن سے دریافت فرمائیں کہ انہیں کس نے پیدا کیا ہے تو ضرور کہیں گے: اللہ نے، پھر وہ کہاں بھٹکتے پھرتے ہیں۔

مذکورہ آیت کی تشریح میں علامہ غلام رسول سعیدی صاحب لکھتے ہیں:

اس سے مقصود اس بات پر تنبیہ کرنا ہے جب ان کا یہ اعتقاد ہے کہ ان کو اور تمام جہانوں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تو وہ اس اعتقاد کے باوجود کیوں پتھر سے بنے بے جان بتوں کے آگے سر جھکا رہے اور ماتھا ٹیک رہے ہیں ، اپنی حاجات اور مرادوں کو کیوں ان کے سامنے پیش کر رہے ہیں اور آفات و مصائب میں کیوں ان کو پکار رہے ہیں اور کیوں ان کے نام کی دہائی دے رہے ہیں؟[2]

یعنی مشرک لوگ اللہ تعالیٰ کی خالقیت کا اقرار کرنے کے باوجود بتوں کی پوجا کرتے ہیں اور ان سے مرادیں رکھتے ہیں گویا کہ ان کا یہ فعل توحیدِ باری تعالیٰ کی تکمیل میں مخل ہے جس کی بناء پر ان کی توحید نامکمل ہے۔ توحید پر کامل ایمان اسی صورت میں ممکن ہے جب اللہ تعالیٰ کے سوا ہر دوسری چیز کی معبودیت کا انکار کیا جائے اور توحید کے تمام تقاضوں کو اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے مانا جائے۔ بصورت دیگر توحید کامل نہیں ہے۔

اسی آیت کی تفسیر میں علامہ حقانی رقمطراز ہیں:

اس بات کا ان کو فطرتاً علم تھا۔[3]

یعنی مشرکین یہ جو اللہ تعالیٰ کے زمین و آسمان کا خالق ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں یہ فطرتاً ہے ورنہ ظاہراً اس کے بالکل برعکس ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی خالقیت کا اعتقاد رکھنے کے باوجود بتوں سے بھی امیدیں وابستہ رکھتے ہیں۔

پیر محمد کرم شاہ کے مطابق:

---

(۱) سورۃ الزخرف: ۴۳/ ۸۷

(۲) تبیان القرآن، علامہ غلام رسول سعیدی، ۱۰/ ۳۲۷

(۳) تفسیر حقانی، عبد الحق حقانی دہلوی، ۴/ ۲۶۷

مشرکین عجیب احمق لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی معبودیت کا اقرار کرنے کے باوجود غیر اللہ کو بھی معبود مانتے ہیں۔ ان کا یہ فعل راہِ حق سے روگردانی ہے۔ (۱)

اللہ تعالیٰ کی معبودیت کے اقرار کے باوجود غیر اللہ کو معبود سمجھنا راہِ حق سے روگردانی ہے۔ اگر راہِ حق پر آنا چاہتے ہیں تو غیر اللہ کو چھوڑ کر صرف اللہ تعالیٰ کو معبود سمجھنا ہو گا اسی طرح دیگر معبودانِ باطلہ کا انکار کرنا ضروری ہے۔

مولانا مودودی لکھتے ہیں:

اس کے دو مطلب ہیں؛ ایک یہ کہ اگر ان مشرکین سے پوچھا جائے کہ تمہارا خالق کون ہے تو کہیں گے اللہ ا اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ اگر ان سے ان کے معبودوں کے خالق کا پوچھا جائے تو بھی یہی کہیں گے اللہ! (۲)

مفتی شفیع لکھتے ہیں:

مشرکین عجیب ہیں کہ مقدمات کو مانتے ہیں مطلوب کے وقت منکر ہو جاتے ہیں۔ (۳)

ان تمام باتوں سے واضح ہے کہ ان مشرکین کے جرائم کس قدر سخت ہے؟ لہٰذا انہیں سزا بھی سخت ہو گی۔ اگر اس سخت سزا سے بچنے کے لیے توحید اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنا ضروری ہے۔

۲. ارض وسماء کا خالق اللہ ہے:

اللہ تعالیٰ کی ذات نے ہی یہ زمین اور آسمان بنائے ہیں اور ان کے اندر جو کچھ بھی آج تک سائنس نے بتایا ہے اور جو کچھ ابھی معلوم ہونا باقی ہے ان سب کا خالق و مالک صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات اقدس ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ اس نظام کو چلانا کسی کے اختیار میں نہیں ہے۔ اسی بات کو قرآن مجید میں کچھ اس طرح سے بیان کیا گیا ہے:

﴿وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ﴾ (۴)

ترجمہ: اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ زمین و آسمان کو بنانے والا کون ہے تو وہ کہیں گے، اللہ ہے!

---

(۱) ضیاء القرآن، پیر محمد کرم شاہ، ۴/۲۵۱۱

(۲) تفہیم القرآ، مولانا مودودی، ۴/۵۵۳

(۳) معارف القرآن، مفتی شفیع، ۷/۵۲۷/

(۴) سورۃ زمر: ۳۹/۳۸

یعنی مشرکین عرب، کفار قریش زمین و آسمان اور انس و جن کا خالق ذات باری تعالیٰ ہی کو مانتے تھے، اسی طرح مالک، رازق، زندہ کرنے والا، مارنے والا اور امور و معاملات کو چلانے والا بھی اللہ ہی کو مانتے تھے۔

اسی ضمن میں پیر محمد کرم شاہ رقمطراز ہیں:

> جب ان سے پوچھا جائے کہ تمہارا اور تمہارے باطل معبودوں کا خالق کون ہے؟ تو ضرور کہیں گے کہ اللہ ہے! اور ان سے پوچھیے کہ اگر میرا رب مجھے نفع پہنچانا چاہے تو کیا تمہارا کوئی ایسا ہے جو اس میں رکاوٹ ڈال سکے؟ یا اللہ تعالیٰ مجھے نقصان پہنچانا چاہے تو کیا کوئی ایسا ہے جو مجھے اس سے بچا سکے؟ جب تمہارے معبود نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں تو ایسے خداؤں کو ماننے اور ان کی پرستش کا کیا فائدہ؟[1]

۳. زمین و آسمان، عرش و فرش سب کا مالک اور رب اللہ ہے:

دونوں جہانوں میں جو کچھ بھی ہے اس کا خالق و مالک صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ زمین و آسمان میں جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اس کا مالک اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہے۔ اسی طرح عرش و فرش کا مالک بھی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی ان اشیاء کا مالک نہی ہے۔ اس کی دلیل قرآن پاک کی مذکورہ آیت میں موجود ہے۔

> ﴿قُل لِّمَنِ الْأَرْضُ وَمَن فِيهَا إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ○ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ○ قُلْ مَن رَّبُّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ○ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ﴾[2]
>
> ترجمہ: (ان سے) فرمایئے کہ زمین اور جو کوئی اس میں (رہ رہا) ہے (سب) کس کی مِلک ہے، اگر تم (کچھ) جانتے ہو۔ وہ فوراً بول اٹھیں گے کہ (سب کچھ) اللہ کا ہے، (تو) آپ فرمائیں: پھر تم نصیحت قبول کیوں نہیں کرتے؟ (ان سے دریافت) فرمایئے کہ ساتوں آسمانوں کا اور عرشِ عظیم (یعنی ساری کائنات کے اقتدارِ اعلیٰ) کا مالک کون ہے؟ وہ فوراً کہیں گے: یہ (سب کچھ) اللہ کا ہے (تو) آپ فرمائیں: پھر تم ڈرتے کیوں نہیں ہو؟

---

(۱) ضیاء القرآن، پیر محمد کرم شاہ، ۴/ ۲۷۱

(۲) سورۃ المؤمنون: ۲۳/ ۸۴-۸۷

۴. رازق، مالک، محیِ ومميت اور مدبرِ امور اللہ ہے:

اس دنیا میں جب انسانوں کو پیدا کیا گیا تو ان کے ساتھ انکا رزق، خوشی غمی، تکلیف اور دوسرے معاملات بھی اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس نے متعین کر دیئے گئے ہیں۔ انسان کو کوئی خوشی یا غمی جب ملتی ہے تو وہ اللہ کی طرف سے ملتی ہے اس کے علاوہ کسی اور کی طرف کسی بات کو منسوب کرنے کا جواز نہیں ملتا۔ اسی طرح موت اور زندگی بھی اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہی ہوتی ہے وہی زندہ کو مردہ کر سکتا ہے اور مردے سے زندہ کر سکتا ہے اور اس کے علاوہ کوئی بھی اس کام کو انجام نہیں دے سکتا۔ سورۃ یونس میں اس بات کی طرف واضح اشارہ ملتا ہے۔

﴿قُلْ مَن يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّن يَمْلِكُ السَّمْعَ والْأَبْصَارَ وَمَن يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيَّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَن يُدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللّهُ فَقُلْ أَفَلاَ تَتَّقُونَ﴾ (۱)

ترجمہ: آپ (ان سے) فرمادیجئے: تمہیں آسمان اور زمین (یعنی اوپر اور نیچے) سے رزق کون دیتا ہے، یا (تمہارے) کان اور آنکھوں (یعنی سماعت و بصارت) کا مالک کون ہے، اور زندہ کو مُردہ (یعنی جاندار کو بے جان) سے کون نکالتا ہے اور مُردہ کو زندہ (یعنی بے جان کو جاندار) سے کون نکالتا ہے، اور (نظام ہائے کائنات کی) تدبیر کون فرماتا ہے؟ سو وہ کہہ اٹھیں گے کہ اللہ، تو آپ فرمائیے: پھر کیا تم (اس سے) ڈرتے نہیں۔

مذکورہ آیت کی تفسیر میں علامہ غلام رسول سعیدی صاحب لکھتے ہیں:

مشرکین کا یہ دعویٰ کہ بت اللہ کے سوا رب ہیں اور استحقاقِ عبادت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ہیں، وہ اپنے اس دعویٰ میں جھوٹے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ان سے پوچھا جائے کہ کیا تمہارے شریک اللہ کی طرح کسی کو زندگی دینے یا موت دے کر دوبارہ زندگی دینے پر قادر ہیں؟ جب وہ ایسا کرنے پر قادر نہیں ہیں تو تم ان کی پرستش کس بناء پر کرتے ہو؟(۲)

---

(۱) سورۃ یونس: ۱۰/ ۳۱

(۲) تبیان القرآن، علامہ غلام رسول سعیدی، ۵/ ۳۶۳

۵. شہنشاہ کل، صاحبِ اختیار واقتدار اللہ کی ذات ہے:

اس دنیا کا مالک اور خالق صرف ایک ہی ذات ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہے صرف اسی کے قبضہ قدرت میں ہر چیز کی حکومت ہے اور اگر کسی کو کوئی غم یا تکلیف آجائے تو اس کی آزادی اور نجات کے لیے صرف اللہ ہی سے دعا اور مدد مانگنی چاہیے اس کے علاوہ نہ صرف کوئی مدد کر سکتا ہے اور نہ اس تکلیف کو دور کر سکتا ہے۔ اس لیے جب بھی کوئی مشکل آجائے تو صرف اللہ کی ذات سے اس کے بارے میں پناہ مانگنی چاہیے بے شک وہی اس کو ختم کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ یہ تمام صفتیں صرف اللہ تعالیٰ کی ہی ذات میں موجود ہیں۔ قرآن پاک کی سورت المؤمنون میں اسی کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

﴿ قُلْ مَن بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ فَأَنَّىٰ تُسْحَرُونَ ﴾ [۱]

ترجمہ: آپ (ان سے) فرمایئے کہ وہ کون ہے جس کے دستِ قدرت میں ہر چیز کی کامل ملکیت ہے اور جو پناہ دیتا ہے اور جس کے خلاف (کوئی) پناہ نہیں دی جا سکتی، اگر تم (کچھ) جانتے ہو۔ وہ فوراً کہیں گے: یہ (سب شانیں) اللہ ہی کے لئے ہیں، (تو) آپ فرمائیں: پھر تمہیں کہاں سے (جادو کی طرح) فریب دیا جا رہا ہے۔

یعنی مسحور و مدہوش ہو کر ان تمام مقدمات کو ماننے کے باوجود بھی حقیقت توحید کو نہیں سمجھتے؟

مولانا مودودی لکھتے ہیں:

مشرکین کا جھوٹ ان کے اپنے اعترافات سے ثابت ہے۔ ایک طرف یہ ماننا کہ زمین و آسمان کا مالک اور کائنات کی ہر چیز کا مختار اللہ ہے، اور دوسری طرف یہ کہنا کہ خدائی تنہا اسی کی نہیں ہے بلکہ دوسروں کا بھی (جو لا محالہ اسی کے مملوک ہوں گے) اس میں کوئی حصہ ہے۔ یہ دونوں باتیں صریح طور پر متناقض و متضاد ہیں۔ اسی طرح ایک طرف اس بات کا اعتراف کرنا کہ ہمیں اور ہمارے باطل معبودوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے اور دوسری طرف یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ہی پیدا کردہ مخلوق کو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے، صریح طور پر خلافِ عقل ہے۔ [۲]

---

(۱) سورۃ المؤمنون: ۲۳/ ۸۸،۸۹

(۲) تفہیم القرآن، مولانا مودودی، ۳/ ۲۹۴

٦. متصرف علی الاطلاق اللہ ہے:

اگر مشرکین سے پوچھا جائے کہ کون اس کائنات کا مالک وخالق ہے تو وہ اس بات سے انکار نہیں کرتے کہ اللہ کی ذات کے علاوہ اور کوئی ذات ہے لیکن پھر بھی اس کے احکام کو نہیں مانتے اور راہ فرار اختیار کیے ہوئے ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس قدر وسیع نظام جس میں آسمان اور زمین اور سورج وچاند کا نظام کس نے سنبھالا ہوا ہے تو معلوم ہو گا کہ صرف اللہ ہی کی ذات اس کو چلا رہی ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَلَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَنَّى يُؤْفَكُونَ﴾ (١)

ترجمہ: آپ اگر ان مشرکین مکہ سے پوچھیں کہ کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، سورج اور چاند کو کام میں لگایا؟ تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے! پھر یہ کدھر الٹے چلے جا رہے ہیں؟

٧. بارش برسانے اور زمین سے نباتات اگانے والا اللہ ہے:

اس زمین کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح سے بنایا ہے کہ اس کے اندر نباتات اپنے انداز سے اگتے رہتے ہیں اور یہ نظام اس وقت سے چل رہا ہے جب سے یہ دنیا قائم ہوئی ہے۔ اگر زمین کا بغور جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات نے بارش سے اس زمین میں نباتات کے پانی کا انتظام کر رکھا ہے اور اسی بارش سے نباتات اگتی رہتی ہیں اور زمین ہری بھری رہتی ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

﴿وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُولُنَّ اللَّهُ﴾ (٢)

ترجمہ: اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ وہ کون ہے جو آسمان سے پانی برساتا ہے پھر اس سے مردہ زمین کو زندہ کرنے والا کون ہے؟ بہر حال کہیں گے کہ وہ اللہ ہے!

٨. قادر مطلق اللہ ہے:

ان کا ایمان تھا کہ جو کچھ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم اور رضا ومشیئت سے ہوتا ہے، چنانچہ بقول ان کے، ان کا یہ شرک اللہ ہی کی مرضی سے ہے یعنی اگر اللہ نہ چاہتا تو ہم شرک کے مرتکب نہ ہوتے۔ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ

---

(١) سورۃ العنکبوت:٦١/٢٩

(٢) ایضاً:٦٣/٢٩

صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو ہدایت دے سکتی ہے اور جس کو چاہے ایمان کی دولت عطا کرے اور جس کو چاہے ایمان کی دولت سے دور کر دے۔

﴿ وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُواْ لَوْ شَاءَ اللّهُ مَا عَبَدْنَا مِن دُونِهِ مِن شَيْءٍ نَّحْنُ وَلاَ آبَاؤُنَا وَلاَ حَرَّمْنَا مِن دُونِهِ مِن شَيْءٍ كَذَلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ إِلاَّ الْبَلاغُ الْمُبِينُ ﴾ (۱)

ترجمہ: اور مشرک لوگ کہتے ہیں: اگر اللہ چاہتا تو ہم اس کے سوا کسی بھی چیز کی پرستش نہ کرتے، نہ ہی ہم اور نہ ہمارے باپ دادا، اور نہ ہم اس کے (حکم کے) بغیر کسی چیز کو حرام قرار دیتے، یہی کچھ ان لوگوں نے (بھی) کیا تھا جو اِن سے پہلے تھے، تو کیا رسولوں کے ذمہ (اللہ کے پیغام اور احکام) واضح طور پر پہنچا دینے کے علاوہ بھی کچھ ہے۔

﴿سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُواْ لَوْ شَاءَ اللّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلاَ آبَاؤُنَا وَلاَ حَرَّمْنَا مِن شَيْءٍ﴾ (۲)

ترجمہ: جلد ہی مشرک لوگ کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ (ہی) ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے آباء و اجداد اور نہ کسی چیز کو (بلا سند) حرام قرار دیتے۔

مشرکین کے اس اعتراض کا جواب بھی قرآن مجید کی سورۃ الشمس میں موجود ہے۔

﴿فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا ٥ قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا ٥ وَقَدْ خَابَ مَن دَسَّاهَا ﴾ (۳)

ترجمہ: پھر اس کے دل میں وہ بات بھی ڈال دی جو اس کے لیے بدکاری کی ہے اور وہ بھی جو اس کے لیے پرہیز گاری کی ہے۔ فلاح اسے ملے گی جو اس نفس کو پاکیزہ بنائے اور نامراد وہ ہو گا جو اس کو گناہ میں دھنسا دے۔

مذکورہ آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اچھے اور برے اعمال کو پہچاننے کی قوت عطا فرمائی ہے اب وہ شخص کہ جو پاکیزہ رہے گا وہ فلاح یعنی کامیابی حاصل کرے گا اور جس کے اعمال بُرے ہونگے وہ گھاٹے میں رہے گا۔

---

(۱) سورۃ النحل:۱۶/۳۵

(۲) سورۃ الانعام:۶/۱۴۸

(۳) سورۃ الشمس:۹۱/۸-۱۰

۹. غالب اور علم رکھنے والا اللہ ہے:

کفار قریش اللہ تعالیٰ کو غالب اور باخبر بھی مانتے تھے، اس کے غلبہ وزور اور علمِ کل کے معترف و قائل تھے۔ لیکن زبان سے کبھی اس بات کا اقرار نہیں کیا اور اسلام کو قبول نہیں کیا۔ قرآن پاک میں بار بار ہر چیز کا ذکر آیا ہے تا کہ انسان کو سمجھے اور ہدایت حاصل کرے۔ اس کی ترجمانی قرآن مجید میں یوں بیان کی گئی ہے:

﴿وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ﴾ (۱)

ترجمہ: اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان وزمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو وہ یقیناً کہیں گے کہ اس کو غالب و علم والے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔

یعنی مشرکین مکہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے قائل تھے بلکہ اس ذات قدسیہ کی صفات سے بھی واقف تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت کو بھی مانتے تھے۔

۱۰. مصائب سے نجات دینے والا، مشکل کشا بھی اللہ ہے:

کفار قریش ومشرکین مکہ شدائد و مصائب سے نجات دینے والا، عذاب کو دور کرنے والا، مشکل کشا اور دافعِ بلا اللہ تعالیٰ کو ہی گردانتے تھے۔ چنانچہ دکھ، درد تکلیف اور مصیبت کے وقت وہ اللہ ہی سے مدد طلب کرت تھے۔ انسان کو اگر یہ بات سمجھ آجائے کہ کوئی بھی مصیبت یا تکلیف آتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور وہی اس ک دور کرنے والا ہے اور وہی مشکل کشا بھی ہے تو انسان نجات پالیتا ہے۔ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اس حقیقت کو صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے:۔

﴿وَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنبِهِ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا ﴾ (۲)

ترجمہ: اور جب (ایسے) انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہمیں اپنے پہلو پر لیٹے یا بیٹھے یا کھڑے پکارتا ہے۔

﴿وَإِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُم مُّنِيبِينَ إِلَيْهِ﴾ (۳)

---

(۱) سورۃ الزخرف:۴۳/۹

(۲) سورۃ یونس:۱۰/۱۲

(۳) سورۃ الروم:۳۰/۳۳

ترجمہ: اور جب لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کو پکارنے لگتے ہیں، اسی کی طرف رجوع ہو کر۔

ذیل میں ایک خاص مصیبت کا تذکرہ کیا جاتا ہے اور وہ ہے بحر و دریا میں طوفان و تلاطم کی مصیبت!

۱۱. طوفان و تلاطم میں خدائے واحد سے مدد طلب کرتا ہے:

جب وہ دریاؤں میں گزرتے، بادوباراں کے ہلاکت خیز طوفان اٹھتے، کشتیوں کو غرق ہونے کا خطرہ لاحق ہوتا تو اس وقت غیر اللہ کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے صرف خدائے واحد کو پکارتے۔ اللہ کو اس لیے پکارتے کیوں کہ ان کو معلوم تھا کہ ان کی مدد صرف اللہ کی ذات کر سکتی ہے اور اگر وہ نہ چاہے تو کوئی بھی اس مصیبت کو دور نہیں کر سکتا۔ قرآن مجید میں اس منظر کی ترجمانی کی گئی ہے:

۱۔﴿فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ﴾ (۱)

ترجمہ: پس جب مشرکین مکہ کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ پر خالص اعتقاد کرتے ہوئے اسے پکارتے ہیں، پھر جب ان کو طوفان وغیرہ سے نجات دے کر اللہ تعالیٰ خشکی پر لے آتا ہے تو وہ فوراً شرک کرنے لگتے ہیں۔

۲۔﴿وَإِذَا غَشِيَهُم مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ﴾ (۲)

ترجمہ: اور جب سمندر کی موج (پہاڑوں، بادلوں یا) سائبانوں کی طرح ان پر چھا جاتی ہے تو وہ (کفّار و مشرکین) اللہ کو اسی کے لئے اطاعت کو خالص رکھتے ہوئے پکارنے لگتے ہیں۔

۳۔ ﴿وَجَرَيْنَ بِهِم بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُواْ بِهَا جَاءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِن كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّواْ أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ دَعَوُاْ اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ﴾ (۳)

ترجمہ: اور کشتیاں لوگوں کو موافق ہوا کے ذریعے سے لے کر چلتی ہیں۔ اور لوگ ان کی رفتار سے خوش ہوتے ہیں کہ (دفعتاً مخالف اور تیز و تند) ہوا کشتیوں کو آلیتی ہے اور ہر طرف سے ان کو

---

(۱) سورۃ العنکبوت:۲۹/۶۵

(۲) سورۃ لقمان:۳۱/۳۲

(۳) سورۃ یونس:۱۰/۲۲

موجیں گھیر لیتی ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ بری طرح گھر گئے۔ اس وقت سب اللہ تعالیٰ ہی کے لیے عبادت خالص کر کے اسے پکارتے ہیں۔

اس آیت کی تشریح میں مولانا شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

مذکورہ آیت میں مدعیانِ اسلام کے لیے بڑی عبرت ہے جو جہاز یا کشتی کے طوفان میں گھر جانے کے وقت بھی خدائے واحد کو چھوڑ کر غیر اللہ کو مدد کے لیے پکارتے ہیں۔ فتحِ مکہ کے بعد ابو جہل کا بیٹا عکرمہ جو ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا مکہ سے بھاگ کر بحی سفر اختیار کیا، تھوڑا آگے جا کر کشتی کو طوفانی ہواؤں نے گھیر لیا، اس نے مسافروں سے کہا کہ ایک اللہ تعالیٰ کو پکارو یہاں تمہارے معبود کچھ کام نہ آئیں گے۔ عکرمہ نے کہا کہ یہی تو وہ خدا ہے جس کی طرف محمد ﷺ ہمیں بلاتے ہیں۔ اگر دریا میں ربِ محمد ﷺ کے بغیر نجات ہیں مل سکتی تو خشکی میں بھی اس کی دستگیری اور اعانت کے بغیر نجات پانا محال ہے۔ اے خدا! اگر تو نے اس مصیبت سے نکال دیا تو میں واپس ہو کر محمد (ﷺ) کے ہاتھ میں ہاتھ دے دوں گا، مجھے امید ہے کہ وہ اخلاقِ کریمہ سے میری کوتاہیوں کو معاف فرمادیں گے۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔ (۱)

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

طوفانی ہوا نے جب کشتی کو گھیر لیا تو اہلِ کشتی ایک الٰہ واحد کو پکارنے لگے، عکرمہ نے کہا یہ کیا؟ انہوں نے کہا کہ اس موقع پر سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نفع نہیں دے سکتا۔ اس پر عکرمہ نے کہا کہ محمد (ﷺ) بھی تو ہمیں اسی کی طرف بلاتے تھے۔ ہمیں واپس لے چلو، چنانچہ وہ واپس لوٹے اور مشرف باسلام ہو گئے۔ (۲)

---

(۱) حاشیہ قرآن، مولانا شبیر احمد عثمانی، دارالاشاعت اردو بازار کراچی، ۲/ ۷۲

(۲) روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، شهاب الدین محمود بن عبد الله الحسيني الآلوسي، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ، ۶/ ۹۳

۱۲. عذاب دور کرنے والا اللہ ہے:

قحط شدید کے موقع پر کفار مکہ نے دیگر تمام معبودانِ باطلہ کو چھوڑ کر خدائے واحد کی بارگاہ میں گڑگڑا کر خود بھی دعا کی اور آنحضرت ﷺ سے بھی دعا کروائی۔ کفار نے اس وقت اللہ کے حضور دعا کی جب ان کو اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے خداؤں پر ایمان نہ رہا وہ بار بار اپنے معبودانِ باطلہ سے دعا کرتے تھے لیکن ان کے معبودانِ باطلہ نے ان کی کسی موڑ پر بھی مدد نہیں ہے اور آخر میں نبی کریم ﷺ سے دعا کے لیے کہا۔ قرآن کریم میں ہے:

﴿رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ۝أَنَّى لَهُمُ الذِّكْرَى وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُبِينٌ۝ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوا مُعَلَّمٌ مَجْنُونٌ۝إِنَّا كَاشِفُو الْعَذَابِ قَلِيلًا إِنَّكُمْ عَائِدُونَ﴾[1]

ترجمہ: اس دن کہیں گے، اے ہمارے رب! ہم پر سے عذاب کھول دے ہم ایمان لاتے ہیں۔ کہاں سے ہو انہیں نصیحت ماننا (ف۱۱) حالانکہ ان کے پاس صاف بیان فرمانے والا رسول تشریف لا چکا۔ پھر اس سے روگرداں ہوئے اور بولے سکھایا ہوا دیوانہ ہے۔ ہم کچھ دنوں کو عذاب کھولے دیتے ہیں تم پھر وہی کروگے۔

صحیح بخاری میں ان آیات کی تفسیر میں مختلف سندوں کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ کی دعوت پر جب قریش مکہ آپ کی تکذیب اور مخالفت کی تو آپ ﷺ نے ان کے خلاف قحط کی دعا کی۔ چنانچہ ایسا قحط پڑا کہ قریش نے ہڈیاں، چمڑے اور مردار کھائے۔ آخر قریش کا سردار ابوسفیان حضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے محمد ﷺ! آپ کی قوم بھوکی مر گئی، آپ اللہ سے دعا فرمائیں کہ ان سے قحط دور کر دے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے دعا فرمائی اور قریش نے خود بھی دعا کی: "رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ" کہا: اے ہمارے پروردگار! ہم سے اس مصیبت کو دور فرمادے ہم ایمان لے آئیں گے۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے ان سے قحط کا عذاب ہٹا دیا۔ جب وہ خوشحال ہو گئے "ثُمَّ عَادُوا فِي كُفْرِهِمْ" اپنے پہلے حال پر لوٹ گئے یعنی پھر سے کفر و شرک میں مبتلا ہو گئے۔[2]

---

(۱) سورۃ الدخان: ۴۴/ ۱۲-۱۵

(۲) صحیح بخاری، کتاب العلم، باب قولہ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ، حدیث نمبر: ۴۸۰۹، ۱۲/ ۳۵

اس مضمون کی روایت کی مختلف مستند اور معتبر سندوں سے مروی ہے، جس سے یہ روزِ روشن کی مانند واضح ہو گئی کہ مشرکینِ مکہ اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا رب، مشکل کشا اور دافع البلاء گردانتے اور مانتے تھے، اور آزمائش و مصیبت کے وقت اللہ رب العزت کو ہی پکارتے تھے۔

اسی طرح حدیث میں آتا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کی عمر مبارک ۳۵ سال کی ہوئی تو قریش نے کعبۃ اللہ کو دوبارہ بنانے کا ارادہ کیا تو اس موقع پر کہنے لگے:

"لوبنينا بيت ربنا"(۱)

کاش! ہم اپنے رب کا گھر بناتے۔

۱۴. ان کے دل ہیبت وجلال الٰہی سے لبریز تھے:

قریش کے دل میں اللہ تعالیٰ کی ہیبت وجلال کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ کعبۃ اللہ کی پرانی عمارت کو گراتے ہوئے ڈرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل و دماغ میں ایک خوف ڈال دیا تھا وہ مسلمانوں کی کم تعداد دیکھ کر ان سے ڈر جاتے تھے اور اگر کوئی غلط کام کرنے کا ارادہ کرتے تو ان کو ڈر لگتا تھا اور وہ کام کرنے سے پہلے ہی ڈر جاتے تھے۔

"ثم ان الناس ها بو اهدمها وفرقوامنه" (۲)

ترجمہ: لوگ کعبۃ اللہ کو منہدم کرنے سے ہیبت زدہ ہو گئے اور اس کے تصور سے گھبرا اٹھے۔

ولید بن مغیرہ کے ابتداء کرنے پر بھی اس دن لوگ رکے رہے، کہنے لگے دیکھتے ہیں۔

"وان لم يصبه شيئ فقد رضى الله صنعنا فهدمنا"

ترجمہ: اور اگر اسے کوئی گزند نہ پہنچا تو ہم سمجھیں گے کہ اللہ ہماری کاروائی سے خوش ہے، پھر ہم بھی گرائیں گے چنانچہ جب صبح کو ولید اچھا بھلا اپنے کام میں لگا نظر آیا تو لوگوں نے اس کے ساتھ گرانا شروع کر دیا۔(۳)

---

(۱) طبقات ابن سعد، محمد بن سعد، ۱/۱۴۵

(۲) سیرت ابن ہشام، ابو محمد عبد الملک بن ہشام، مطبوعہ مصر، ۱/۲۰۷

(۳) ایضاً

۱۴. مصیبت میں اللہ ہی سے دعا کرتے تھے:

مشرکین مکہ جب کسی مصیبت میں پڑ جاتے تھے تو اس وقت وہ اللہ ہی سے دعا کرتے تھے، چنانچہ جب وہ سمندری سفر میں طوفانوں کے زد میں آتے تھے تو خالصۃ اللہ تعالی سے دعا مانگنا شروع کرتے تھے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی یہ احوال ذکر فرماتے ہیں:

﴿فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ﴾[1]

ترجمہ: پھر جب کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو خالص اعتقاد سے اللہ ہی کو پکارتے ہیں، پھر جب انہیں نجات دے کر خشکی کی طرف لے آتا ہے فوراً ہی شرک کرنے لگتے ہیں۔

اس آیت کی ذیل میں مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"یہ لوگ جب دریا کے سفر میں ہوتے ہیں اور ڈوبنے کا خطرہ ہوتا ہے، تو اس خطرہ کو ٹالنے کے لیے کسی بت کو پکارنے کے بجائے صرف اللہ تعالی ہی کو پکارتے ہیں، اور اللہ تعالی ان کے مضطر اور بے قرار ہونے اور وقتی طور پر دنیا کے سارے سہاروں سے منقطع ہونے کی بناء پر ان کی دعا قبول کرکے ان کو دینا کے مہلکہ سے نجات دے دیتا ہے۔ مگر یہ ظالم جب خشکی پر پہنچ کر مطمئن ہو جاتے ہیں، تو پھر بتوں کو خدا کا شریک کہنے لگتے ہیں"[2]

جب لوگ کعبۃ اللہ کو منہدم کرتے تھے تو ولید بن مغیرہ کہنے لگا: "انا ابدؤکم" میں اس کی ابتداء کرتا ہوں، چنانچہ اس نے پہل کرتے ہوئے اللہ رب العزت سے دعا کی۔ ہر چیز میں اللہ ہی سے دعا مانگنی چاہیے اور اسی سے سوال کرنا چاہیے:

"اللهم لا ترع انما نريد الخير"[3]

ترجمہ: اے اللہ آپ ہمیں خوف زدہ مت کیجیے، کیونکہ ہمارا ارادہ نیکی کا ہی ہے۔

---

(۱) سورۃ العنکبوت: ۶۵

(۲) معارف القرآن، مفتی محمد شفیع عثمانی، ۶/۷۱۵

(۳) سیرت ابن ہشام، ابو محمد عبد الملک بن ہشام، مطبوعہ مصر، ۱/۲۰۷

۱۵. اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا لحاظ و پاس:

مشرکینِ مکہ و عمائدین قریش کو اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا اس درجہ پاس اور احساس تھا کہ اللہ کے گھر کی تعمیر کے وقت انہوں نے اعلان کیا کہ جو جو پاک کمائی ان کے پاس موجود ہے صرف اسی کو تعمیر پر خرچ کرنی ہے اور اسی پر وہ کہنے لگے:

"لَاتَدْخُلُوْافِی بَنَائِهَا مِنْ کَسبَکُمْ الْاَطِیْبَالَمْ تَقْطَعُوْا فِیْهِ رَحِمَا وَلَمْ تُظْلِمُوْافِیْهِ اَحَدًا"[۱]

ترجمہ: لوگو! بیت اللہ کی تعمیر میں صرف پاک کمائی خرچ کرو۔ قطع رحمی کر کے یا کسی پر ظلم کر کے جو پیسہ کمایا ہو وہ یہاں نہ لگاؤ۔

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ ابو وہب رسول اللہ ﷺ کے والد محترم کا ماموں تھا اور قریش کا سردار تھا اس نے کہا اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ولید بن مغیرہ نے کہا:

" یَا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ لَا تَدخُلُوْا فِیْ بَنَائِهَا مِنْ کَسبَکُمْ الْاَطِیْباً لَا یُدْخَلَ فِیْهَا مَهْر بَغِیْ وَلَا بَیْعُ رُبَا وَلَا مُظْلِمَةِ اَحَدً مِنَ النَّاسِ"[۲]

ترجمہ: اے قریش! بیت اللہ کی تعمیر میں صرف پاک کمائی ہی لگاؤ، کوئی اس میں زنا کی کمائی، سود کی رقم یا کسی کا ظلم سے مارا ہوا مال نہ لگانے پائے۔

۱۶. اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے:

صحابہ کرام نہ صرف اللہ سے ڈرتے تھے بل کہ دسروں میں جب کوئی بات بری دیکھتے یا کسی کو نافرمانی کرتے ہوئے دیکھتے تو ان کو بھی اللہ سے ڈرنے کی تلقین کرتے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو امیہ بن خلف کے مظالم و شدائد کے شکنجے میں بے طرح کسے ہوئے دیکھا تو ظالم امیہ بن خلف سے فرمایا:

"الاتتقی اللہ فی ھذاالمسکین"

ترجمہ: تو اس غریب کو ہدفِ تعذیب بنا کر اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا؟

---

(۱) طبقات ابن سعد، ابن سعد، ۱/ ۱۴۵

(۲) سیرت ابن ہشام، ابن ہشام، مطبوعہ مصر، (حدیث بنیان کعبہ) ۱/ ۲۰۶

امیہ نے جواب دیا، آپ نے ہی اسے خراب کیا ہے لہذا آپ ہی اس عذاب سے چھڑائیں۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خرید کر آزاد کر دیا۔[1]

۱۷. عزت وذلت اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے:

عزت کا معاملہ ہو یا ذلت کا یہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے وہ چاہے تو عزت دے اور وہ چاہے تو ذلت مقدر میں لکھ دے۔ قریش مکہ کا یہ عقیدہ و یقین تھا کہ عزت و ذلت دینے ولا ابھی اللہ ہی ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں امام ابن ہشام لکھتے ہیں:

"فتحِ مکہ کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبۃ اللہ میں داخل ہوئے حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اذان کا حکم دیا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان کہی تو عتاب بن اسید کہنے لگے:

"لقد اکرم اللہ اسید ان لا یکون سمع ھذا فیسمع منه مایغیظه":[2]

(اللہ تعالیٰ نے میرے باپ اسید کی عزت رکھ لی،وہ پہلے مر گیا اور اس نے یہ آواز نہ سنی جو وہ بلال سے سنتا تو سخت غضب ناک ہوتا۔بعد میں حضرت عتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لاکر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے۔)"

۱۸. جزاو سزا کا مالک اللہ ہے:

ا۔ قریش نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور بنی ہاشم کے خلاف معاہدہ کیا تو بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کے وہ افراد بھی جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے محض قرابتداری کی بناء پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شعب ابی طالب میں جمع ہو گئے۔ بنی ہاشم میں صرف ابو لہب نے اپنے خاندان کو چھوڑ دیا اس نے قریش کا ساتھ دیا۔ وہ ہند بنت عتبہ سے ملا تو کہا، اے عتبہ کی بیٹی! کیا میں نے لات و عزیٰ کی مدد کی؟ جنہوں نے انہیں چھوڑا میں نے انہیں چھوڑ دیا تو ہند نے کہا: "**نعم،فجزاک اللہ خیرا یااباعتبة**" (ہاں، ابو لہب تجھے اللہ جزائے خیر دے)[3]

۲۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے کے بعد صبح سویرے ابو جہل کے گھر پہنچے، ابو جہل نے کہا، مرحبا واھلا کیسے آنا ہوا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں تمہیں خبر دینے آیا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ اور

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ۱/ ۳۴۰

(۲) ایضاً، ۴/ ۵۶

(۳) ایضاً، ۱/ ۳۷۶

رسول پر ایمان لے آیا ہوں"، اس پر ابو جہل نے دروازہ میرے منہ پر مارتے ہوئے کہا: "قبحک الله وقبحا ما جئت به" (اللہ تیرا برا کرے اور جو خبر آپ لائے ہیں اس کا بھی)۔ (۱)

۱۹. شفا دینے والا اللہ ہے:

جھاڑ پھونک کرنے والے ضماد نے حالت کفر میں سنا کہ مکہ کے بیوقوف کہتے ہیں کہ (معاذ اللہ) محمد ﷺ مجنون ہو گئے ہیں تو کہنے لگا کاش اگر میں اس شخص (محمد ﷺ) کو دیکھ لیتا "لَعَلَّ اللَّهَ يَشْفِيهِ عَلَى يَدَيَّ" (۲) تو شاید اللہ تعالیٰ میرے ہاتھ سے آپ کو شفا دے دیتا۔ اگر کوئی بیماری کسی کو آگھیرتی ہے تو وہ صرف اللہ کی اجازت سے آتی ہے اور صرف اللہ ہی اس کو دور کر کے شفا عطا فرماتا ہے۔

۲۰. اللہ تعالیٰ واحد اور سب سے اعلیٰ ہے:

مشرکین اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور افضلیت کا اقرار کرتے تھے جبکہ دیگر معبودانِ باطلہ کو اللہ سے اسفل (فی الارض) اور اللہ واحد کو ان سب سے افضل و اعلیٰ (فی السماء) جانتے تھے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم میرے ابا سے فرمایا: اے حصین! کتنے معبودوں کی عبادت کرتے ہو؟ میرے باپ نے جواب دیا، سات کی۔

((عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِأَبِي حَصِينٍ: «كَمْ تَعْبُدُ إِلَهًا؟» قَالَ: سَبْعَةً سِتًّا فِي الأَرضِ وَوَاحِدافِي السَّمَاءِقَالَ فَأَيُّهُم تَعُدُّلِرَغبَتِكَ وَرهبَتِكَ؟قَالَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ)) (۳)

ترجمہ: عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے ابو سے فرمایا: اے حصین! کتنے معبودوں کی عبادت کرتے ہو؟ میرے باپ نے جواب دیا، سات کی چھے زمین میں

---

(۱) سیرت ابن ہشام: ۱/ ۳۷۵

(۲) مشکاۃ المصابیح، محمد بن عبد اللہ الخطیب العمري، أبو عبد الله، ولي الدين، التبريزي، المکتبہ الاسلامی، بیروت، ۱۹۸۵ء، کتاب الفضائل والشمائل، باب علامات النبوۃ، حدیث نمبر، ۵۸۶۰، ۳/ ۱۶۳۱

(۳) سنن ترمذی، ابو عیسی محمد بن عیسیٰ ترمذی، کتاب الدعوات، باب جامع الدعوات عن النبی ﷺ، حدیث نمبر: ۳۴۸۳، ۵/ ۵۱۹

ہیں اور ایک آسمان میں ہے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے پوچھا تو اپنی محبت اور خوف کے لیے کس کو بنا رکھا ہے؟ جواب دیا آسمان والے کو۔

مشرکین کا نظریہ شرک فی التوحید:

مشرکین مکہ اگرچہ مختلف خداؤں کی پوجا کیا کرتے تھے مگر اللہ تعالیٰ کو وہ ایک مانتے اور سب سے اعلیٰ وارفع گردانتے تھے۔ نیز محبت اور خوف کا علاقہ صرف خدائے واحد الٰہِ آسمانی سے رکھتے تھے۔

مشرکین کے یہ وہ عقائد ہیں جو کتاب وسنت اور سیرت وتاریخ میں موجود ہیں۔ اس تفصیل کی بناء پر یہ موقف اپنایا جاسکتا ہے کہ مشرکین مکہ نہ صرف ذاتِ باری تعالیٰ کے قائل تھے، صفات باری تعالیٰ پر ایمان بھی رکھتے تھے بلکہ اللہ واحد کی عبادت بھی کرتے ہوئے اس کی توحید کا اعتراف بھی کرتے تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ غیروں کی پوجا بھی کیا کرتے تھے جس کی بناء پر انہیں مشرک گردانا گیا۔

اللہ کی عبادت کے ساتھ غیروں کی پوجا کرنا ہی مشرکین کا توحید سے متعلق باطل نظریہ تھا جس کا رد قرآن مجید میں متعدد مقامات پر کیا گیا اور انہیں خود غور وخوض اور تفکر کرنے کی دعوت دی گئی۔

رد نظریہ شرک فی التوحید:

جو یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالی کے ساتھ عبادت میں کوئی شریک ہے تو اس کو شریعت کی اصطلاح میں شرک فی الالوہیت کہا جاتا ہے قرآن کریم میں متعدد مقامات میں اس باطل نظریہ کو رد کیا گیا ہے۔

سورت اسراء میں ارشاد ہے:

﴿ وَقَضَى رَبُّكَ أَلاَّ تَعْبُدُواْ إِلاَّ إِيَّاهُ ﴾[1]

ترجمہ: اور آپ کے رب نے حکم فرما دیا ہے کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو۔

قرآن کریم میں اللہ تعالی نے مشرکین شرک فی الالوہیت کے باطل زعم کو نقل کیا ہے کہ وہ کس بنیاد پر غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے سورت زمر میں ارشاد ہے:

---

(۱) سورۃ الإسراء: ۱۷/ ۲۳

﴿ أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِي مَا هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ ﴾ (۱)

ترجمہ: (لوگوں سے کہہ دیں:) سُن لو! طاعت و بندگی خالصۃً اللہ ہی کے لئے ہے، اور جن (کفّار) نے اللہ کے سوا (بتوں کو) دوست بنا رکھا ہے، وہ (اپنی بُت پرستی کے جھوٹے جواز کے لئے یہ کہتے ہیں کہ) ہم اُن کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کا مقرّب بنا دیں، بے شک اللہ اُن کے درمیان اس چیز کا فیصلہ فرمادے گا جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں، یقیناً اللہ اس شخص کو ہدایت نہیں فرماتا جو جھوٹا ہے، بڑا ناشکر گزار ہے۔

اسی طرح سورت فصلت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ﴾ (۲)

اور اس کی نشانیوں میں سے رات اور دن اور سورج اور چاند ہیں، سورج کو سجدہ نہ کرو اور نہ چاند کو اور اس اللہ کو سجدہ کرو جس نے انہیں پیدا کیا ہے اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔

سورت مؤمنون میں ارشاد باری تعالیٰ ہے جس سے شرک فی الالوہیت کو اللہ کریم رد فرماتے ہیں:

﴿مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِنْ وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَهٍ إِذًا لَذَهَبَ كُلُّ إِلَهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يَصِفُونَ o عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ (۳)

اللہ نے کوئی بھی بیٹا نہیں بنایا اور نہ اس کے ساتھ کوئی معبود ہی ہے، اگر ہوتا تو ہر خدا اپنی بنائی ہوئی چیز کو الگ لے جاتا اور ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا، اللہ پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں۔ غائب اور حاضر سب کا جاننے والا ہے، بہت بلند ہے اس سے جسے یہ شریک بناتے ہیں۔

---

(۱) سورۃ الزمر: ۳۹/ ۳

(۲) سورۃ فصلت: ۴۱/ ۳۷

(۳) سورۃ المؤمنون: ۲۳/ ۹۱-۹۲

ان آیات کے تحت مولانا گوہر رحمن صاحب اپنی کتاب حقیقت توحید و سنت میں لکھتے ہیں:

تعدد آلہہ کے عقلاناممکن اور ممتنع ہونے پر یہ نہایت ہی واضح اور پختہ دلیل ہے جو قرآن کریم نے اپنے مخصوص عام فہم انداز میں دی ہے، اس دلیل کی توجیہ و تشریح یہ ہے: الہ جیسا کہ بیان ہو چکا ے اس ذات کو کہا جاتا ہے جو مختار کل ہو، قادرر مطلق ہو ہر عیب اور احتیاج سے پاک ہو نہ عاجز ہو نہ مغلوب، نہ کسی دوسرے سے دبے اور نہ کوئی اسکے کام روکاوٹ پیدا کر سکے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنی مخلوق میں تصرف کرتا ہو، تخلیق بھی اس کی ہو اور کل کائنات میں تدبیر بھی اسی کی کارفرما ہو، یعنی وہ نظم کائنات سے لا تعلق بیگانہ اور معطل نہ ہو، قیوم اور قیم ہو اور سارے عالم کا وجود اور نظام اسی کے ہاتھ میں ہو۔[1]

حاصل کلام:

قرآن کریم میں اللہ تعالی نے مشرکین کے ہمہ جہت شرک کی نفی کی ہے، خالق ارض وسماء خدا مالک خدا رازق خدا ہر خیر وشر کا مالک اللہ تعالی ہے۔ ان آیات میں اللہ تعالی نے توحید باری تعالی پر عقلی و نقلی انفسی وآفاقی ہر قسم کے دلائل قائم کیے ہیں۔

بار بار مشرکین کو متوجہ کیا ہے کہ جب خود ہی اقرار کرتے ہو کہ زمین وآسمان کے پرودگار اللہ تعالیٰ ہے اور اسی نے اس کو وجود بخشا ہے، زندگی و موت کا مالک اللہ تعالی ہے بارش برسانے والا اور فصلیں اگانے والا اللہ ہی ہے تو پھر تم اللہ تعالی کے ساتھ دیگر معبودان باطلہ کو کیوں شریک ٹھہراتے ہو؟ توحید کو اللہ تعالی نے ہر پیرائے میں ذکر کیا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کا مرکزی پیغام توحید باری تعالی ہے۔

---

(۱) حقیقت توحید و سنت، مولانا گوہر رحمن، ادارہ معارف اسلامی منصورہ لاہور، ۱۹۸۹ء، ص: ۱۸۰

فصل چہارم:

توحید سے متعلق منافقین کا نظریہ

اس فصل میں توحید باری تعالی سے متعلق منافقین کے باطل نظریات ذکر ہونگے اس لیے شروع میں نفاق کی تعریف اقسام اور منافقین کا تعارف لکھا جاتا ہے۔

نفاق کی تعریف اور اقسام:

منافقین، منافق کی جمع ہے اور نفاق کا معنی ہے زمین میں سرنگ چنانچہ جمہرة اللغة میں ہے:

"والنَّفَق: السَّرَب في الأرض؛ وكذا فُسِّر في التنزيل في قوله جلّ ثناؤه: " نَفَقاً في الأرض أو سُلَّماً في السّماء "، والله أعلم"(۱)

اور نفق کا معنی ہے زمین میں سرنگ اسی طرح قرآن کریم میں یہی معنی بیان کیا گیا ہے نفقا فی الارض یعنی زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی۔

نفاق کی اصطلاحی تعریف:

"إظهار الإيمان باللسان، وكتمان الكفر بالقلب"(۲)

زبان سے ایمان کا اظہار اور دل میں کفر چھپائے رکھنا۔

قرآن کریم نے منافق کی جو تعریف کی ہے جس سے منافقین کی حقیقی حالت کا اظہار ہوتا ہے:

﴿مُّذَبْذَبِينَ بَيْنَ ذَلِكَ لاَ إِلَى هَؤُلاَءِ وَلاَ إِلَى هَؤُلاَءِ وَمَن يُضْلِلِ اللّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ سَبِيلاً﴾(۳)

اس (کفر اور ایمان) کے درمیان تذبذب میں ہیں نہ ان (کافروں) کی طرف ہیں اور نہ ان (مؤمنوں) کی طرف ہیں، اور جسے اللہ گمراہ ٹھہرا دے تو آپ ہرگز اس کے لئے کوئی (ہدایت کی) راہ نہ پائیں گے۔

---

(۱) جمہرة اللغة، ابن درید، المکتبة الشاملة:۲\۴۴

(۲) التعریفات، سید شریف الجرجانی:۸۰

(۳) سورة النساء:۴/ ۱۴۳

نفاق کے لغوی واصطلاحی معانی سے متعلق علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

"المنافقون میں المنافقون کا لفظ ہے اس کا مادہ نفق ہے اس کا معنی ہے زمین میں سرنگ بنانا ایک سوراخ سے جنگلی چوہا سرنگ میں داخل ہوتا ہے اور دوسرے سوراخ میں نکل جاتا ہے۔ (المنجد) نفاق کا اصطلاحی معنی ہے: ایک طریقہ سے اسلام میں داخل ہونا اور دوسرے طریقے سے نکل جانا منافق زبان سے اسلام میں داخل ہوتا ہے اور دل میں اسلام سے نکل جاتا ہے۔ نفاق سازش اور دھوکے کی جنس سے ہے وہ خیر کو ظاہر کرتا ہے اور اس کے دل میں شر ہوتا ہے"[1]۔

نفاق کی قسمیں:

نفاق کی قسموں کو بیان کرتے ہوئے مفسر شیخ عبد الحق لکھتے ہیں:

"نفاق کی چند قسم ہیں اول یہ کہ زبان سے اسلام اور ایمان ظاہر کرے مگر در پردہ صاف منکر ہو دوم یہ کہ درپردہ صاف منکر و نہ ہو مگر یقین بھی نہ ہو بلکہ متردد اور مذبذب ہو سوم یہ کہ دل میں تصدیق تو ہو مگر کامل نہ ہو اور گناہوں اور حب دنیا میں اور غلبہ شہوات نے اس کو ایسا کر دیا کہ یہ دنیا کے منافع کو ایمان پر مقدم سمجھتا ہو اور دنیا کی خاطر لشکر اسلام کا مقابلہ اور اہل اسلام کی بربادی اور دین کی ہجو اس کے نزدیک کچھ مشکل نہ ہو، یہ تینوں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سخت کافر ہیں اور جہنم کے سب سے اسفل طبقہ میں رہیں گے"[۲]

منافقین کا تعارف:

ہجرت مدینہ کے بعد منافقین کا طبقہ نمایاں طور پر معرضِ وجود میں آچکا تھا۔ اسلام کو کھلی مخالفت اور دشمنی کا سامنا تو اسلام کی دعوت آغاز میں ہی تھا اور مسلمان اس سلسلے میں بے شمار مصائب و تکالیف برداشت کرتے چلے آئے تھے۔ لیکن ہجرت مدینہ کے بعد ایک نئی طرز اور نوع کی مخالفت بھی بڑے زور و شور سے شروع ہو گئی اور اسے "منافقت" کہا جاتا تھا۔ کچھ لوگوں نے زبان سے اسلام کا اقرار کر لیا، لیکن یہ لوگ فی الحقیقت "منافق" تھے۔

---

(۱) تبیان القرآن، غلام رسول سعیدی، ۱۱\۸۹۹

(۲) فتح المنان، تفسیر حقانی، عبد الحق حقانی: ۱\۹۷

منافقین کی اقسام:

منافقین کو علماء کرام نے چند اقسام میں تقسیم کیا ہے چنانچہ ڈاکٹر طاہر القادری لکھتے ہیں:

"پہلی قسم ایسے منافقین کی تھی جو اسلام کے برحق ہونے کے قائل تھے لیکن اس کی خاطر نہ اپنے مفادات کی قربانی کے لئے تیار تھے اور نہ مصائب و آلام کو برداشت کرنے کے لئے۔ لہذا کچھ خود غرضی و مفاد پرستی اور کچھ بزدلی ان کے سچا مسلمان ہونے کے راستے میں حائل تھی۔

دوسری قسم ایسے منافقین کی تھی جو دل سے قطعاً اسلام کے منکر تھے اور محض سازش اور فتنہ و شر کے لئے اسلامی صفوں میں گھس آئے تھے۔ یہ اسلام کے بہت بڑے دشمن تھے۔

تیسری قسم ایسے منافقین کی تھی جو اسلام کے اقتدار و حکومت کے باعث مفاد پرستانہ خواہشات کے تحت اسلام سے وابستہ ہو گئے تھے۔ لیکن مخالفینِ اسلام سے بھی اپنا تعلق بدستور قائم رکھے ہوئے تھے تاکہ دونوں طرف سے حسبِ موقع فوائد بھی حاصل کر سکیں اور دونوں طرف کے خطرات سے بھی محفوظ رہیں۔

چوتھی قسم ایسے منافقین کی تھی جو ذہنی طور پر اسلام اور کفر کے درمیان متردد تھے۔ نہ انہیں اسلام کی حقانیت پر کامل اعتماد تھا اور نہ وہ اپنی سابقہ کفر یا جاہلیت پر مطمئن تھے وہ اوروں کی دیکھا دیکھی مسلمان ہو گئے تھے لیکن اسلام ان کے اندر راسخ نہیں ہوا تھا۔

پانچویں قسم ایسے منافقین کی تھی جو اسلام کو حق سمجھے ہوئے دل سے اس کے قائل تو ہو چکے تھے لیکن پرانے اوہام و عقائد اور رسم و رواج کو چھوڑنے، دینی اور اخلاقی پابندیوں کو قبول کرنے اور اوامر و نواہی کے نظام پر عمل پیرا ہونے کے لئے ان کا نفس تیار نہیں ہو رہا تھا۔

چھٹی قسم ایسے منافقین کی تھی جو اسلام کو توحید، احکام الٰہی اور آخرت وغیرہ پر ایمان لانے کی حد تک تو تسلیم کرتے تھے لیکن حضور نبی اکرم ﷺ کی غلامی اور وفاداری سے گریزاں تھے۔ نہ وہ حضور ﷺ کی عظمت و سیادت دل سے ماننے کو تیار تھے اور نہ آپ ﷺ کی حاکمیت و شفاعت۔ اس میں وہ اپنی ہتک اور ذلت محسوس کرتے تھے۔ چنانچہ وہ تعلق نبوی ﷺ کے بغیر ذاتِ ربانی تک رسائی حاصل کرنے کے خواہاں تھے۔"[۱]

---

(۱) قادری، محمد طاہر، ڈاکٹر، منافقت اور اس کی علامات، منہاج القرآن پبلی کیشنز، اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۷، ط: ہشتم، ص: ۱۳۰

منافقین کے توحید سے متعلق نظریات اور ان کا رد

منافقین میں سے جو منافق اعتقادی تھے یعنی وہ لوگ جو در حقیقت تو کافر تھے خدا پر ایمان کے منکر تھے، لیکن جلب منفعت کی خاطر اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے تھے ان منافقین کے چند باطل نظریات کو اللہ تعالی نے قرآن کریم میں واضح انداز میں رد فرمایا ہیں ذیل میں وہ نظریات لکھے جاتے ہیں۔

منافقین اللہ پر ایمان نہیں رکھتے:

منافقین توحید کے دعوی دار تو تھے مگر در حقیقت وہ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الآخِرِ وَمَا هُم بِمُؤْمِنِينَ﴾[1]

اور لوگوں میں سے بعض وہ (بھی) ہیں جو کہتے ہیں ہم اللہ پر اور یومِ قیامت پر ایمان لائے حالانکہ وہ (ہرگز) مومن نہیں ہیں"

علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

"منافقین نے خصوصیت سے یہ کہا کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور آخرت پر ایمان لائے، کیونکہ یہودیوں کا در حقیقت اللہ پر ایمان تھا نہ آخرت پر، اللہ پر ایمان اس لیے نہیں تھا کہ وہ کہتے تھے کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے، اس لیے وہ مشرک تھے اورآخرت پر اس لیے ایمان نہیں تھا کہ ان کا اعتقاد تھا کہ جنت میں یہودیوں کے سوا اور کوئی داخل نہیں ہو گا، اس لیے انہوں نے ملمع کاری کے لیے اللہ اور آخرت پر ایمان کا ذکر کیا تا کہ مسلمان یہ سمجھیں کہ وہ یہودیت سے تائب ہو خالص مسلمان ہو گئے ہیں۔

اللہ تعالی نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا: وہ مؤمن نہیں ہیں، یعنی وہ اس سچے مسلمانوں میں داخل نہیں ہیں، جن کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالی ان کی خلوت اور جلوت پر مطلع ہے، کیونکہ منافقین بعض ظاہری عبادات کر لیتے تھے اور یہ زعم کرتے تھے کہ ان سے ان کا رب راضی ہو جائے گا، اس کے بعد حرص، طمع، شر اور فساد اور مسلمانوں کے ساتھ

---

(۱) سورۃ البقرۃ، ۹/۲

خیانت اور سیہ کاری میں مشغول تھے، جیسا کہ اس کے بعد کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان کے فتنہ اور فساد کی تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔[1]

پیر کرم شاہ ازہری لکھتے ہیں:

"اللہ کے نزدیک مسلمان وہی ہے جو زبان کے اقرار کے ساتھ دل سے تصدیق بھی کرے اور جو دل سے تصدیق نہ کرے وہ مؤمن نہیں ہو سکتا۔ خواہ ایمان و اسلام کے دعوی میں وہ کتنا ہی چرب زبان ہو۔"[2]

علامہ عبد الحق حقانی لکھتے ہیں:

"مدینہ میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے کہ جو بظاہر تو یہ کہتے تھے کہ ہم اللہ اور رسول ﷺ اور قیامت پر ایمان لائے اور مسلمان ہوئے تاکہ مسلمانوں میں مل کر منافع دنیا حاصل کریں اور ہر قسم کی سختی سے جو ان پر پیش آنے والی تھی اسلام کو آڑ بنا کر بچیں مگر یہ ایمان در حقیقت ایمان نہ تھا اور بغیر خلوصِ دل زبان سے کہنا اللہ تعالیٰ علام الغیوب کے آگے کچھ بھی وقعت نہیں رکھتا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تنبیہ کرنے کیلئے فرمایا کہ یہی لوگ فریبی ہیں ہرگز مؤمن نہیں۔ ان لوگوں کو شرع میں منافق کہتے ہیں۔[3]

مولانا مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں:

"مذکورہ بالا آیات میں پہلی دو آیتوں میں منافقین کے متعلق فرمایا کہ لوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر، حالانکہ وہ بالکل ایمان والے نہیں۔"[4]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

(۱) سعیدی، علامہ، غلام رسول، تبیان القرآن، فرید بک سٹال، اردو بازار، لاہور، ط: نہم، جون ۲۰۰۹ء، ص: ۲۸۵

(۲) الازہری، پیر، محمد کرم شاہ، ج: ۱/ ۳۴

(۳) حقانی، علامہ، عبد الحق، تفسیر حقانی، الفیصل ناشران و تاجران کتب، اردو بازار، لاہور، ۲/ ۹۶

(۴) محمد شفیع، علامہ، مفتی، معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی، ۲۰۰۸ء، ۱/ ۱۲۳

﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لاَ يَحْزُنكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِينَ قَالُواْ آمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِن قُلُوبُهُمْ ﴾(۱)

ترجمہ: اے رسول! وہ لوگ آپ کو رنجیدہ خاطر نہ کریں جو کفر میں تیزی (سے پیش قدمی) کرتے ہیں ان میں (ایک) وہ (منافق) ہیں جو اپنے منہ سے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے حالانکہ ان کے دل ایمان نہیں لائے۔

علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

"اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ کفر میں ان کی سرگرمیوں کی پرواہ نہ کریں، ان میں سے بعض منافقین ہیں جو کفار کے ساتھ دوستی رکھتے ہیں اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے ہیں، آپ ان کو اہمیت نہ دیں۔ اللہ عزوجل آپ کیلئے کافی ہے، اور ان کے مکروفریب کے خلاف آپ کی مدد فرمائے گا۔"(۲)

پیر کرم شاہ ازہری لکھتے ہیں:

"یہود کی خباثتوں سے حضور نبی کریم ﷺ کا دل آزردہ ہوتا تھا۔ حضور ﷺ ان کو قدم قدم پر اسلام کی حقانیت کے ثبوت مہیا فرماتے لیکن وہ برابر کفر سے چمٹے رہنے پر بضد رہتے۔ اللہ تعالی نے اپنے محبوب کو تسلی دے رہے ہیں کہ آپ افسردہ نہ ہوں۔ یہ نہ آپ کو کوئی نقصان پہنچاسکتے ہیں اور نہ اسلام کی ترقی کو روکنے میں کامیاب ہوسکتے ہیں۔ یہ صرف زبان سے ایمان کا اقرار کررہے ہیں ان کے دل اسی پرانے کفر میں مبتلا ہیں۔"(۳)

مولانا مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں:

"اے رسول ﷺ! جو لوگ کفر (کی باتوں) میں دوڑ دوڑ گرتے ہیں (یعنی بے تکلف رغبت سے ان باتوں کو کرتے ہیں) آپ ﷺ کو وہ مغموم نہ کریں (یعنی آپ ﷺ اُن کے کفریات سے مغموم ومتأسف نہ ہوں) خواہ وہ ان لوگوں میں سے ہوں جو اپنے منہ سے تو (جھوٹ موٹ) کہتے

---

(۱) سورۃ المائدہ:۵/۴۱

(۲) تبیان القرآن، ۳/۱۹۰

(۳) ضیاء القرآن، ۳/۴۶۹

ہیں کہ ہم ایمان لائے اور ان کے دل یقین (یعنی ایمان) لائے نہیں، (مراد منافقین ہیں جو کہ ایک واقعہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔"[1]

اللہ تعالیٰ کے موت وحیات کا مالک ہونے میں تردد ہونا:

اللہ تعالیٰ ہی موت وحیات کا مالک ہے مگر منافقین عقیدہ توحید کے معاملہ میں اس قدر کمزور تھے کہ ان کا خیال تھا کہ اگر جنگ میں نہ جایا جائے تو موت سے بچا جا سکتا ہے۔ قرآن مجید نے اس کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تَكُونُواْ كَالَّذِينَ كَفَرُواْ وَقَالُواْ لِإِخْوَانِهِمْ إِذَا ضَرَبُواْ فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُواْ غُزًّى لَّوْ كَانُواْ عِندَنَا مَا مَاتُواْ وَمَا قُتِلُواْ لِيَجْعَلَ اللّهُ ذَلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ وَاللّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَاللّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾[2]

ترجمہ: اے ایمان والو! تم ان کافروں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے ان بھائیوں کے بارے میں یہ کہتے ہیں جو (کہیں) سفر پر گئے ہوں یا جہاد کر رہے ہوں (اور وہاں مر جائیں) کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ قتل کئے جاتے، تاکہ اللہ اس (گمان) کو ان کے دلوں میں حسرت بنائے رکھے، اور اللہ ہی زندہ رکھتا اور مارتا ہے، اور اللہ تمہارے اعمال خوب دیکھ رہا ہے۔"

علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

"منافقین نے جو یہ کہا تھا کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ قتل کیے جاتے، اس قول کا ایک رد تو اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ کسی جگہ پر آنے جانے میں مرنے اور جینے کا دخل نہیں ہے، اللہ ہی زندہ کرتا ہے اور وہی موت طاری کرتا ہے، اور دوسرا جواب اس آیت میں دیا ہے کہ انسان کو موت تو لامحالہ آنی ہے اور اس سے کوئی مفر نہیں ہے کہ انسان قتل کر دیا جائے گا یا طبعی موت سے مر جائے گا اور جب یہ موت یا قتل ہونا اللہ کی راہ میں اور اس کی رضا کی طلب میں واقع ہو تو یہ

---

(۱) معارف القرآن، ۳/۱۴۲

(۲) سورۃ آل عمران، ۳/۱۵۶

اس سے بہتر ہے کہ کہ انسان دنیا اوراس کی لذتوں کے طلب میں مر جائے کیونکہ انسان مرنے کے بعد ان لذتوں سے فائدہ حاصل نہیں کر سکتا۔"[۱]

پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

"منافقین جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے اور مسلمانوں کے ساتھ بھائی چارے کا دعوی کیا کرتے وہ اپنی بزدلی کو حزم واحتیاط اور مسلمانوں کے جذبہ جہاد اور شوقِ سر فروشی کو دیوانگی سمجھا کرتے۔ اور جب کوئی مسلمان جہاد میں جام شہادت نوش کرتا تو رونی صورت بنا کر خیر خواہی کے انداز میں کہا کرتے کہ کاش یہ ہمارے بھائی جو جنگوں میں کٹ کٹ کر مر رہے ہیں۔ہماری طرح آرام سے گھروں میں ٹھیرتے تو کاہے کو یہ مصیبت آتی۔بچے یتیم ہوئے۔بیگم کا سہاگ اُجڑا۔ماں کی دنیا تاریک ہو گئی۔اللہ تعالی نے مسلمانوں کو ہوشیار فرمارہے ہیں کہ ان مکاروں کے فریب میں نہ آنا۔ موت وحیات میرے قبضہ قدرت میں ہے۔میں چاہوں تو گھر میں رُوح قبض کرلوں اور چاہوں تو گھمسان کے رن میں جہاں گولیاں برس رہی ہوتی ہیں۔توپیں دھاڑ رہی ہوتی ہیں اور طیارے بموں کی بارش کر رہے ہوتے ہیں بچالوں۔"[۲]

سید ابو الاعلی مودودی لکھتے ہیں:

"یعنی یہ باتیں حقیقت پر مبنی نہیں ہیں۔حقیقت تو یہ ہے کہ قضاء الٰہی کسی کے ٹالے ٹل نہیں سکتی، مگر جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور سب کچھ اپنی تدبیروں ہی پر موقوف سمجھتے ہیں ان کیلئے اس قسم کے قیاسات بس داغِ حسرت بن کر رہ جاتے ہیں اور وہ ہاتھ ملتے رہ جاتے ہیں کہ کاش یوں ہوتا تو یہ ہو جاتا۔[۳]

مولانا مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں:

"اے ایمان والو!تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جو (حقیقت میں) کافر ہیں (گو ظاہراً اسلام کا دعوی کرتے ہوں) اور کہتے ہیں اپنے (ہم نسب یا ہم مشرب) بھائیوں کی نسبت جبکہ وہ لوگ کسی

---

(۱) تبیان القرآن،۲/۴۱۳

(۲) ضیاالقرآن،۱/۲۷۹

(۳) تفہیم القرآن،۱/۲۹۹

سرزمین میں سفر کرتے ہیں (اور وہاں اتفاقاً مر جاتے ہیں) یا وہ لوگ کہیں غازی بنتے ہیں (اور اس تقدیر سے قتل ہو جاتے ہیں تو وہ منافق کہتے ہیں) کہ اگر یہ لوگ ہمارے پاس رہتے (سفر اور غزوہ میں نہ جاتے) تو مرتے اور نہ مارے جاتے (یہ بات ان کے دل اور زبان پر اس لئے آتی ہے) تاکہ اللہ تعالی اس بات کو ان کے قلوب کیلئے موجبِ حسرت کر دیں (یعنی نتیجہ اس طرح کی باتوں کا حسرت کے سوا کچھ نہیں) اور مارتا جِلاتا تو اللہ ہی ہے (خواہ سفر ہو یا حضر اور جنگ ہو یا امن) اور اللہ تعالی جو کچھ تم کرتے ہو سب کچھ دیکھ رہے ہیں۔"[۱]

مولانا حقانی لکھتے ہیں:

"پہلے ذکر تھا کہ منافق کہتے ہیں اگر جنگ میں ہم کو کچھ اختیار ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ کیے جاتے، اس کا جواب دے کر یہاں مسلمانوں کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ تم ایسے سست اعتقاد اور عالم اسباب پر توکل کرنے والے نہ بنو جیسا کہ منکرانِ قدرت خدا ہیں جو اپنے بھائیوں سے یعنی برادری کے ان لوگوں کیلئے جو دور دراز سفر میں یا جہاد میں جاتے اور وہاں قضاءِ الٰہی سے مر جاتے ہیں۔ کہتے ہیں اگر یہ لوگ ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے کیونکہ ان باتوں سے صرف دل میں حسرت اور افسوس پیدا ہوتا ہے جو ایک عذاب روحانی اور بے فائدہ چیز ہے اور قضاء تو کہیں ٹل نہیں سکتی۔ اللہ مارتا جلاتا ہے۔ وہ ہر جگہ اسباب موت پیدا کر سکتا ہے اور مواقع قتل میں بچا سکتا ہے اور بالفرض اگر تم اللہ کی راہ میں مارے بھی گئے تو اس سے کیا بہتر؟ کس لیے کہ اگر شہید مرے یا یوں ہی مر گئے تو جبکہ اللہ تعالیٰ خوش ہے تو کیا باک ہے۔ اس کی مغفرت اور پھر رحمت تمہاری کمائی بہتر ہے کیونکہ جو کچھ مال و زر جمع کر رہے ہو اور اس کیلئے مارے مارے پڑے پھرتے ہو سب یہیں رہ جاتا ہے مگر اس کی مغفرت اور رحمت ساتھ رہتی ہے۔"[۲]

ارشاد باری تعالی ہے:

---

(۱) معارف القرآن، ۲/۲۱۴

(۲) تفسیر حقانی، ۳/۱۸۵

﴿الَّذِينَ قَالُواْ لِإِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُواْ لَوْ أَطَاعُونَا مَا قُتِلُوا قُلْ فَادْرَؤُوا عَنْ أَنفُسِكُمُ الْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ﴾ (۱)

ترجمہ: (یہ) وہی لوگ ہیں جنہوں نے باوجود اس کے کہ خود (گھروں میں) بیٹھے رہے اپنے بھائیوں کی نسبت کہا کہ اگر وہ ہمارا کہا مانتے تو نہ مارے جاتے، فرما دیں: تم اپنے آپ کو موت سے بچا لینا اگر تم سچے ہو۔

علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

"اللہ تعالی نے ان منافقوں کا پردہ چاک کر دیا اور جو لوگ ان کو مسلمان سمجھتے تھے ان پر ان کا نفاق ظاہر کر دیا اور جس دن ان کا حال ظاہر ہو گیا اس دن وہ ایمان کی بہ نسبت کفر کے زیادہ قریب تھے، یہ منافق اپنی زبانوں سے ایمان کو ظاہر کرتے تھے اور اپنے کفر کو چھپاتے تھے۔ یہ منافق یعنی عبد اللہ بن ابی کے اصحاب جو جہاد میں شامل نہیں ہوئے تھے اور شہر میں بیٹھے رہے تھے۔ ان کے نسبی بھائی جن کا تعلق خزرج سے تھا جو جنگ احد میں شہید ہو گئے تھے، ان کے متعلق ان منافقوں کو کہا کہ اگر ہمارے یہ (نسبی یا پڑوسی) بھائی مدینہ میں رہتے تو قتل نہ کیے جاتے اور ایک قول یہ ہے کہ عبد اللہ بن ابی اور اس کے اصحاب نے قبیلہ خزرج کے لوگوں سے کہا کہ یہ لوگ جو قتل کر دیئے گے اگر یہ ہماری پیروی کر لیتے تو جنگ میں نہ مارے جاتے، اللہ تعالی نے ان کے جواب میں یہ آیت نازل فرمائی: اے نبی! آپ ان سے کہئے کہ اگر تم اپنے دعوی میں سچے ہو تو جب تمہارے اوپر موت آئے تو تم اس کو خود سے ٹال کر دکھانا۔ (۲)

پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

"اُن کے نفاق کی دوسری کھلی علامت اُن کا یہ قول ہے۔"

اللہ تعالی نے ان کے اس باطل نظریہ کا رد فرمایا چنانچہ پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

---

(۱) سورۃ آل عمران: ۳/ ۱۶۸

(۲) تبیان القرآن، ۲/ ۴۵۶

"یعنی اگر تم اتنے زیرک اور داناہو کہ اپنے ناوکِ تدبیر سے عقابِ تقدیر کو گھائل کر سکتے ہو توذراخود کو موت کے آہنی پنجہ سے چھڑاکر دِکھاؤ۔"(۱)

علامہ حقانی لکھتے ہیں:

"یہ بھی منافقوں کاایک شبہ مسلمانوں کو جہاد فی سبیل اللہ سے روکنے کیلئے تھا کہ وہ اپنے بھائیوں کی نسبت جو کہ جب میں شہید ہوگئے یہ کہا کرتے تھے کہ اگر وہ ہمارا کہامانتے تو مارے نہ جاتے۔ چونکہ حیات ایک مرغوب چیز اور مرنے سے ڈرنا ایک طبعی بات ہے پھر جب اس کو اس شبہ سے قوت دی جائے تو خواہ مخواہ گھر میں چھپ کر بیٹھنے کو دل چاہے گا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ ان سے کہہ دو اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو بھلا گھر بیٹھے تم تو موت سے بچ جاؤ۔ تمام امور جو عالم حسی میں سرزد ہوتے اور ظہور ہوتے ہیں وہ عالم مثالی میں ثابت ہو چکتے ہیں۔ وہ ظاہر ہو کر ہی رہیں گے۔ اسی طرح موت کا بھی وقت معین ہے خواہ اس وقت گھر میں ہو یا جنگ میں ضرور مرے گا خواہ مفت نامردی اور بدنصیبی کا دھبہ لگالے یا جوانمردی اور سعادت کا مرتبہ حاصل کرلے۔"(۲)

اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینے کی کوشش کرنا:

اللہ تعالیٰ ہر ہر چیز پر قادر ہے اور کوئی اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتا مگر منافقین یہ سمجھتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور مسلمانوں کو دھوکہ دے رہے ہیں اور یہ ان کا باطل نظریہ تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَاللّٰهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾(۳)

---

(۱) ضیاءالقرآن،۱/۲۹۵

(۲) تفسیر حقانی ،۳/ص:۱۹۱

(۳) سورۃ المائدۃ:۵/ ۱۷

ترجمہ: اور آسمانوں اور زمین اور جو (کائنات) ان دونوں کے درمیان ہے (سب) کی بادشاہی اللہ ہی کے لئے ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے، اور اللہ ہر چیز پر بڑا قادر ہے۔

اسی طرح سورت بقرہ میں اللہ تعالی ان کے اس باطل دعوی کی رد میں فرماتے ہیں:

﴿يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَ مَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ﴾[1]

فریب دیا چاہتے ہیں اللہ اور ایمان والوں کو اور حقیقت میں فریب نہیں دیتے مگر اپنی جانوں کو اور انہیں شعور نہیں"

علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

"منافقوں کا مسلمانوں کو دھوکہ دینا یہ تھا کہ وہ مسلمان پر یہ ظاہر کرتے تھے کہ وہ مؤمن ہیں اور اپنے کفر کو مخفی رکھتے تاکہ مسلمانوں کے خفیہ منصوبوں پر مطلع ہوں اور پھر اس کی خبر مسلمانوں کے دشمنوں، یہودیوں اور مشرکوں تک پہنچادیں۔

اس آیت میں یہ فرمایا کہ منافقین اللہ اور مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں، مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی تو وضاحت ہوگئی، اب سوال یہ ہے کہ اللہ کو دھوکہ دینا کس طرح صحیح ہو گا، کیونکہ اللہ تعالی سے کوئی چیز مخفی نہیں ہوتی اور نہ وہ خود اللہ کو دھوکہ دینے کا قصد کرتے تھے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں لفظ اللہ سے پہلے لفظ رسول بہ طور مضاف محذوف ہے اور یہ مجاز بالحذف ہے اور معنی یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو دھوکہ دیتے تھے، دوسرا جواب یہ ہے کہ چونکہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالی کے نائب اور خلیفہ ہیں، اس لیے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو معاملہ کیا جائے وہ اللہ تعالی کے ساتھ معاملہ ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ کو دھوکہ دینا، اللہ کو دھوکہ دینا ہے، جیسا کہ اللہ تعالی نے ان آیات میں اس کو واضح فرمایا ہے:

﴿مَن يُّطِعَ الرَّسُولَ فَقَد اَطَاعَ اللّٰه﴾[2]

ترجمہ: جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

---

(۱) سورہ البقرہ:۲/۹

(۲) سورہ النساء:۴/۸۰

"وہ یہ فریب اللہ سے نہیں کرتے تھے بلکہ اللہ کے رسول سے کرتے تھے لیکن اللہ نے اُن کو بتادیا کہ جو اللہ کے رسول کے ساتھ فریب کرتے ہیں اور اس دھوکہ بازی کا وبال اُن پر ہی پڑے گا وہ اسلام اور اللہ تعالی کے رسول کا کچھ بگاڑ نہیں سکیں گے، کیونکہ یہ وہ نور ہے جس کو ہمیشہ تاباں ودرخشاں رکھنے کا ذمہ دار خود اللہ تعالی ہے۔"[1]

سید ابوالاعلی مودودی لکھتے ہیں:

"یعنی وہ اپنے آپ کو اس غلط فہمی میں مبتلا کر رہے ہیں کہ ان کی یہ منافقانہ روش ان کیلئے مفید ہوگی، حالانکہ دراصل یہ ان کو دنیا میں بھی نقصان پہنچائے گی اورآخرت میں بھی، دنیا میں ایک منافق چند روز کیلئے تو لوگوں کو دھوکا دے سکتا ہے مگر ہمیشہ اس کا دھوکا نہیں چل سکتا۔ آخر کار اس کی منافقت کا راز فاش ہو کر رہتا ہے اور پھر معاشرے میں اس کی کوئی ساکھ باقی نہیں رہتی۔ رہی آخرت، تو وہاں ایمان کا زبانی دعوی کوئی قیمت نہیں رکھتا اگر عمل اس کے خلاف ہو۔"[2]

مولانا مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں:

"چالبازی کرتے ہیں اللہ سے اور ان لوگوں سے جو ایمان لاچکے ہیں، اور واقع میں کسی کے ساتھ بھی چالبازی نہیں کرتے بجز اپنی ذات کے اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔(یعنی اس چالبازی کا انجام بدخود اپنے ہی کو بھگتنا پڑے گا)"[3]

مولانا حقانی لکھتے ہیں:

"یعنی وہ منافقین جو یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائے اپنے زعم میں اللہ تعالیٰ اور مسلمانوں سے فریب بازی کررہے ہیں حالانکہ یہ فریب اپنے تئیں دے رہے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے۔ اس سے کوئی بات مخفی نہیں رہ سکتی اور وہ مومنوں کو آگاہ کرتا رہے گا۔ سو ان پر تو کچھ بھی اس مخادعت (فریب بازی) کا اثر نہ پڑا الٹا ان ہی پر پڑا کہ دنیا میں بھی رسوائی ہوئی آخرت میں عذاب شدید میں مبتلا ہوں گے مگر ان کے حواس سلیمہ میں فتور آگیا کہ ان کو یہ موٹی

---

(۱) ضیاء القرآن، ۱/ ۳۵، ۳۴

(۲) تفہیم القرآن، ۱/ ۵۳

(۳) معارف القرآن، ۱/ ۱۲۱

سے بات بھی دکھائی نہیں دیتی کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی فریب نہیں دے سکتا، اسکا الٹا وبال ہم ہی پر پڑے گا۔"[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ﴾[2]

ترجمہ: بیشک منافق لوگ اپنے گمان میں اللہ کو فریب دیا چاہتے ہیں اور وہی انہیں غافل کر کے مارے گا۔

علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

"اکثر منافقین اللہ کو مانتے تھے، اب یہ سوال ہو گا کہ وہ اپنے زعم میں اللہ کو کس طرح دھوکا دیتے تھے، کیونکہ ان کا بھی یہ عقیدہ تھا کہ اللہ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ وہ سیدنا محمد ﷺ کی رسالت کے منکر تھے اور اپنے زعم میں رسول اللہ ﷺ کو دھوکا دیتے تھے اور اللہ نے یہ فرما کر کہ وہ اللہ کو دھوکا دیتے ہیں یہ ظاہر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کو دھوکا دینا، اللہ کو دھوکا دینا ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کوئی معاملہ کرنا بعینہ اللہ کے ساتھ معاملہ کرنا ہے، اور اللہ تعالیٰ ان کے دھوکے کی یہ سزا دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اپنے نبی اکرم ﷺ کو ان کے نفاق پر مطلع فرمادیا اور آپ نے مسلمانوں کو اس کی خبر دے دی ان کا راز فاش ہو گیا اور وہ دنیا میں رسوا ہو گئے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ ان کو الگ سزا دے گا۔"[3]

مولانا مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں:

"بلاشبہ منافق لوگ (اظہار ایمان میں) چالبازی کرتے ہیں اللہ سے گو ان کی چال اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی اور گو ان کا اعتقاد اللہ کے ساتھ چالبازی کرنے کا نہ ہو، مگر ان کی یہ کاروائی

---

(۱) تفسیر حقانی، ۲/ ۹۸

(۲) سورۃ النساء: ۴/ ۱۴۲

(۳) تبیان القرآن، ۲/ ۸۳۴

مشابہ اسی کے ہے کہ جیسا یہی اعتقاد ہو حالانکہ اللہ تعالی اس چال کی سزا ان کو دینے والے ہیں۔"[۱]

علامہ حقانی لکھتے ہیں:

"یہ آیات بھی پہلی آیت کا تتمہ ہیں۔ان میں منافقین کے اوصاف باقی ماندہ بتلاتا ہے تاکہ انسان کو ان اوصاف سے اجتناب کرنے کا خیال رہے اور یہ جانے کہ منافق کسی کی ذات نہیں جس میں یہ وصف ہیں وہی منافق ہے کہ وہ لوگ ایمان اور ظاہری طاعات کو خلوص اور امیدِ ثواب کیلئے نہیں بلکہ مسلمانوں میں شریک ہونے کیلئے اور دنیا کیلئے کرتے ہیں جس سے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اللہ کو فریب دے رہے ہیں۔ گو ان کا یہ خیال نہ ہو مگر اس قسم کی کاروائی اس علام الغیوب کے روبرو اسی بات کو ظاہر کرتی ہے اور اس کا وبال چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر دنیا و آخرت میں پڑنے والا تھا۔"[۲]

اللہ تعالی کی طرف فریب کی نسبت کرنا:

اللہ تعالی پاک ہے اور اس کی توحید اور واحدنیت کا تقاضا ہے کہ وہ ہر قسم کی برائی سے پاک اور مبرا ہو مگر منافقین کہتے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہمارے ساتھ دھوکہ کا وعدہ کیا ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا﴾[۳]

ترجمہ: اور جب منافق لوگ اور وہ لوگ جن کے دلوں میں (کمزوریٔ عقیدہ اور شک وشبہ کی) بیماری تھی، یہ کہنے لگے کہ ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے صرف دھوکہ اور فریب کے لئے (فتح کا) وعدہ کیا تھا "

مولانا مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں:

"جب کہ منافقین اور وہ (وہ) لوگ جن کے دلوں میں (نفاق اور شک کا) مرض ہے یوں کہہ رہے تھے کہ ہم سے تو اللہ نے اور اس کے رسول نے محض دھوکہ ہی کا وعدہ کر رکھا ہے (جیسا معتب

---

(۱) معارف القرآن، سورۃ النساء:۵۸۸،۵۸۷

(۲) تفسیر حقانی،۳/۲۹۶

(۳) سورۃ الاحزاب:۳۳/۱۲

بن قشیر اور اس کے ہمراہیوں نے یہ قول اس وقت کہا تھا کہ خندق کھودتے وقت کدال لگنے سے کئی بار آگ کا شرارہ نکلا، اور حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ہر بار ارشاد فرمایا کہ مجھ کو فارس اور روم اور شام کے محل اس کی روشنی میں نظر آئے اور اللہ تعالی نے ان کی فتح کا وعدہ فرمایا ہے۔ جب احزاب کے اجتماع کے وقت پریشانی ہوئی تو یہ لوگ کہنے لگے کہ یہ تو حالت ہے اور اس پر فتحِ روم وفارس کی بشارتیں سنا رہے ہیں، یہ محض دھوکہ ہے۔"(۱)

اللہ تعالی نے ان کا ردیوں فرمایا:

﴿أُولَئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوا فَأَحْبَطَ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا﴾(۲)

ترجمہ: یہ لوگ (حقیقت میں) ایمان ہی نہیں لائے، سو اللہ نے ان کے اعمال ضبط کر لئے ہیں اور یہ اللہ پر آسان تھا۔

مولانا مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں:

"یہ لوگ (پہلے ہی سے) ایمان نہیں لائے تو اللہ تعالی نے ان کے تمام اعمال (نیک پہلے ہی سے) بے کار کر رکھے ہیں (آخرت میں کچھ ثواب نہ ملے گا) اور یہ بات اللہ کے نزدیک بالکل آسان ہے (کوئی اس سے مزاحمت نہیں کر سکتا کہ ہم ان اعمال کا صلہ دیں گے)"(۳)

اللہ تعالی کے حق میں برے برے خیالات کا اعتقاد رکھنا:

منافقین کا اللہ تعالیٰ کے بارے میں غلط اعتقاد کا شکار تھے جو شرک کے ضمرے میں آتا ہے۔ وہ اللہ تعالی کے بارے میں ان غلط گمانوں کا تذکرہ کچھ یوں کیا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ الظَّانِّينَ بِاللَّهِ ظَنَّ السَّوْءِ عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾(۴)

---

(۱) معارف القرآن، ۷/ ۹۵

(۲) سورۃ الاحزاب: ۳۳/ ۱۹

(۳) معارف القرآن، ۷/ ۹۷

(۴) سورۃ الفتح: ۴۸/ ۶

ترجمہ: اور (اس لئے بھی کہ ان) منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے جو اللہ کے ساتھ بُری بدگمانیاں رکھتے ہیں، انہی پر بُری گردش (مقرر) ہے، اور ان پر اللہ نے غضب فرمایا اور ان پر لعنت فرمائی اور ان کے لئے دوزخ تیار کی، اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔"

علامہ غلام رسول اللہ سعیدی لکھتے ہیں:

"اور اس آیت میں فرمایا: جو اللہ کے متعلق بُرا گمان رکھتے ہیں" منافقوں کا برا گمان یہ تھا کہ اب نبی کریم ﷺ مدینہ واپس نہیں جاسکیں گے اور نہ ہی آپ کے ان اصحاب میں سے کوئی واپس آسکے گا جو حدیبیہ کی طرف گئے تھے اور مشرکین اب مسلمانوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں گے، انہوں نے اللہ کے رسول اور ان کے اصحاب کے ساتھ بُرا گمان کیا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کا وہ بُرا گمان خود ان پر الٹ دیا کہ مشرکین دنیا میں قتل کیے گئے اور قید کیے گئے اور آخرت میں ان کیلئے جہنم کا عذاب ہے اور منافقوں کو ذلت اور رسوائی کا سامنا کرنا پڑا اور ان کی آرزوئیں خاک میں مل گئیں۔"[1]

سید ابو الاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

"اطراف مدینہ کے منافقین کو تو اس موقع پر یہ گمان تھا، جیسا کہ آگے آیت ۱۲ میں بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھ اس سفر سے زندہ واپس نہ آسکیں گے۔ رہے مکہ کے مشرکین اور ان کے ہم مشرب کفار، تو وہ اس خیال میں تھے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو عمرے سے روک کر وہ گویا آپ کو زک دینے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔ ان دونوں گروہوں نے یہ جو کچھ بھی سوچا تھا اس کی تہ میں در حقیقت اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ بدگمانی کام کر رہی تھی کہ وہ اپنے نبی کی مدد نہ کرے گا اور حق و باطل کی اس کشمکش میں باطل کو حق کا بول نیچا کرنے کی کھلی چھوٹ دے دیگا۔"

اللہ تعالیٰ اس کا رد کرتے ہوئے فرماتا ہے:

---

(۱) تبیان القرآن، ۱۱/۲۳۸

"یعنی جس انجام بد سے وہ بچنا چاہتے تھے اور جس سے بچنے کیلئے انہوں نے یہ تدبیریں کی تھیں، اسی کے پھیر میں وہ آگئے اور ان کی وہی تدبیریں اُس انجام کو قریب لانے کا سبب بن گئیں۔"[۱]

مولانا مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں:

"اللہ تعالی منافق مردوں اور منافق عورتوں کو اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو (بوجہ ان کے کفر کے) عذاب دے جو کہ اللہ کے ساتھ بُرے بُرے گمان رکھتے ہیں (اس بُرے گمان سے مراد باعتبار سیاقِ کلام کے اُن لوگوں کا گمان ہے جن کو عمرہ کیلئے حدیبیہ کے سفر کی دعوت دی گئی اور انہوں نے انکار کر دیا اور باہم یہ کہا کہ یہ لوگ اہل مکہ سے ہمیں لڑانا چاہتے ہیں ان کو جانے دو یہ ان کے ہاتھ سے بچ کر نہیں آویں گے ایسا کہنے والے لوگ منافقین ہی ہو سکتے ہیں، اور اپنے مفہوم عام کے اعتبار سے سارے عقائد کفریہ شرکیہ اسی گمان بد میں داخل ہیں اس سب کیلئے وعید ہے کہ دنیا میں) ان پر برا وقت پڑنے والا ہے (چنانچہ چند ہی روز کے بعد مقتول اور محبوس ہوئے اور منافقین کی تمام حسرتیں و پریشانی میں کٹی کہ اسلام بڑھتا تھا اور وہ گھٹتے جاتے تھے کہ تو دنیا میں ہوا) اور (آخرت میں) اللہ تعالی اُن پر غضبناک ہو گا اور اُن کو رحمت سے دور کر دیگا اور اُن کیلئے اس نے دوزخ تیار کر رکھی ہے اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔"[۲]

علامہ حقانی لکھتے ہیں:

"اس مقام پر منافقوں اور مشرکوں کا ایک عیب بیان کیا جو نفاق و شرک کے علاوہ ہے اور وہ یہ کہ "" اللہ سے بد گمانی کرتے ہیں (کہ رسول اللہ سے جو اللہ نے دین کے غلبہ کا وعدہ کیا ہے باوجود بے سروسامانی کے کیونکر پیغمبر کی جماعت غلبہ پاوے گی۔ یہ محض جھوٹے وعدے ہیں) اس کے جواب میں فرماتا ہے "(۱) دائرہ مصدر ہے اسم فاعل کی وزن پر یا اسم فاعل ہے دار یدور سے دائر خطِ محیط کو کہتے ہیں پھر اس کا استعمال حادثہ میں ہونے لگا جس پر پڑتا ہے اس کا احاطہ کرلیتا ہے۔ سوء بضم بمعنی عذاب وہزیمت وشر وبالفتح بمعنی برائی اس لیے دونوں قرأت ہیں۔ یعنی انہی حادثہ پر پڑے گانہ مسلمانوں پر جیسا کہ وہ گمان کرتے ہیں۔ (۲) ان پر اللہ کا غضب ہے (۳) اس کی لعنت

---

(۱) تفہیم القرآن ۵/۴۷

(۲) معارف القرآن، ۸/۷۸

(۴)ان کیلئے جہنم تیار کر رکھی ہے۔اور وہ اس گمان میں نہ رہیں کہ پیغمبر ﷺ کے پاس اسبابِ ظاہری نہیں وہ کیونکر فتح پاویں گے۔"[۱]

اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہنسی مذاق کرنا:

منافقین کے غلط اعتقادات میں سے ایک اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کا مذاق اڑانا بھی تھا۔ جبکہ اللہ تعالی وحدہ لاشریک ہے۔اس کے شایان شان نہیں کہ اس کے ساتھ مذاق کیا جائے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِؤُونَ﴾[۲]

اور اے محبوب اگر تم ان سے پوچھو تو کہیں گے کہ ہم تو یونہی ہنسی کھیل میں تھے تم فرماؤ کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنستے ہو۔

علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

"نبی اکرم ﷺ کا مذاق اُڑانے والے منافقین کے متعلق امام ابن جریر نے حسب ذیل روایات بیان کی ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: غزوہ تبوک کی ایک مجلس میں ایک شخص نے کہا: ہمارے قرآن پڑھنے والے جتنے پیٹ کے حریص ہیں اور جتنی باتوں میں جھوٹ ہیں اور مقابلہ کے وقت جتنے بزدل ہیں، اتنا میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔اس مجلس میں دوسرے شخص نے کہا: تم نے جھوٹ بولا اور تم منافق ہو۔میں ضرور رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچاؤں گا۔نبی کریم ﷺ کو یہ خبر پہنچ گئی اور قرآن نازل ہوا۔حضرت عبد اللہ بن عمر کہتے ہیں کہ میں نے اس شخص کو دیکھا، وہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کے پیچھے چل رہا تھا اور پتھروں سے اس کے پاؤں زخمی ہو رہے تھے اور وہ کہہ رہا تھا : یارسول اللہ ﷺ ! ہم تو محض خوش طبعی اور دل لگی کر رہے تھے اور رسول اللہ ﷺ یہ فرما رہے تھے: کیا تم اللہ کا اور اس کی آیتوں کا اور اس کے رسول کا مذاق اُڑاتے تھے۔

---

(۱) تفسیر حقانی،۶/ ۳۷۰

(۲) سورۃالتوبہ:۹/ ۶۵

قتادہ نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ غزوہ تبوک کے سفر میں جارہے تھے اورآپ کے آگے کچھ منافق تھے۔ان میں سے کسی نے کہا:اس شخص کو یہ امید ہے کہ یہ شام کے محلات اور قلعے فتح کرلے گا حالانکہ یہ بہت بعید ہے۔اللہ تعالی نے نبی کریم ﷺ کو اس بات سے مطلع کردیا۔نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:ان سواروں کو روکو،پھر آپ ﷺ نے پوچھا:تم نے اس اس طرح کہا تھا۔انہوں نے کہا:اے اللہ کے نبی!ہم تو محض خوش طبعی اور دل لگی کرتے تھے۔

مجاہد نے اس آیت کی تفسیر میں کہا:ایک منافق نے کہا(سیدنا)محمد(ﷺ)ہمیں یہ حدیث سناتے ہیں کہ فلاں شخص کی اونٹنی،فلاں وادی میں،فلاں فلاں دن ہے،یہ غیب کو کیا جانیں![1]

علامہ ابوعبداللہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:منافقین نے یہ کلمات کفریہ سنجیدگی سے کہے تھے یا مذاق سے اور جس طرح بھی انہوں نے یہ کلمات کہے ہوں یہ کفر ہے کیونکہ اس میں آئمہ کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ مذاق سے کلمہ کفریہ کہنا بھی کفر ہے۔"[2][3]

سید ابوالاعلی مودودی لکھتے ہیں:

> "غزوہ تبوک کے زمانہ میں منافقین اکثر اپنی مجلسوں میں بیٹھ کر نبی اکرم ﷺ اور مسلمانوں کا مذاق اُڑاتے تھے اور اپنی تضحیک سے اُن لوگوں کی ہمتیں پست کرنے کی کوشش کرتے تھے جنہیں وہ نیک نیتی کے ساتھ آمادہ جہاد پاتے تھے۔چنانچہ روایات میں ان لوگوں کے بہت سے اقوال منقول ہوئے ہیں۔مثلاایک محفل میں چند منافق بیٹھے گپ شپ لڑارہے تھے ایک نے کہا "اجی کیارومیوں کو بھی تم نے کچھ عربوں کی طرح سمجھ رکھا ہے؟کل دیکھ لینا کہ یہ سب سورما جو لڑنے تشریف لائے ہیں رسیوں میں بندھے ہوئے ہونگے۔دوسرا بولا:مزا ہو جو اوپر سے سو سو کوڑے بھی لگانے کا حکم ہو جائے۔ایک منافق نے حضور کو جنگ کی سرگرم تیاریاں کرتے دیکھ کر اپنے یار دوستوں سے کہا:آپ کو دیکھیے،آپ روم وشام کے قلعے فتح کرنے چلے ہیں۔"[4]

---

(۱) جامع البیان،۱۰/۲۲۰،۲۲۱

(۲) الجامع لاحکام القرآن،۸/۱۲۲

(۳) تبیان القرآن،۵/۱۸۵،۱۸۴

(۴) تفہیم القرآن،۳/۲۱۰

مولانا مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں:

"اگر آپ ان سے (اس استہزاء کی وجہ) پوچھیں تو کہہ دیں گے کہ ہم تو محض ہنسی اور خوش طبعی کر رہے تھے (اس کلام کے حقیقی معنی مقصود نہ تھے، محض جی خوش کرنے کو جس سے سفر آسانی سے قطع ہو ایسی باتیں زبان کر رہے تھے) آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ کیا اللہ کے ساتھ اور اس کے آیتوں کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ تم ہنسی کرتے تھے (یعنی خواہ غرض کچھ بھی ہو مگر یہ تو دیکھو کہ تم استہزا کس کا کر رہے ہو جن کے ساتھ استہزا کسی غرض سے بھی درست نہیں) تم اب (یہ بیہودہ) عذر مت کرو (مطلب یہ ہے کہ یہ عذر مقبول نہیں، اور اس عذر سے استہزء جائز نہیں ہو جاتا) تم تو اپنے کو مؤمن کہہ کر کفر کرنے لگے (کیونکہ دین کے ساتھ استہزا مطلقا کفر ہے، گو دل میں تو پہلے بھی ایمان نہ تھا، البتہ اگر کوئی دل سے توبہ کرلے اور مؤمن مخلص بن جائے تو البتہ کفر اور عذابِ کفر سے چھوٹ جاوے، لیکن اس کی بھی سب کو توفیق نہ ہوگی، ہاں بعض البتہ مسلمان ہو جاویں گے، اور معاف کر دیئے جائیں گے، پس حاصل یہ ٹھہرا کہ) اگر ہم تم میں سے بعض کو چھوڑ بھی دیں (اس لیے کہ وہ مسلمان ہو گئے) تو ہم بعض کو (ضرور ہی) سزا دیں گے بسبب اس کے کہ وہ (علم ازلی میں) مجرم تھے (یعنی وہ مسلمان نہیں ہوئے)"[(۱)]

مولانا حقانی لکھتے ہیں:

"منجملہ ان کے حالات واقوال ذمیمہ کے (جو وہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ مخلصین کے حق میں میں کہتے تھے، جنگ تبوک سے پیچھے رہ کر اعنی مدینہ میں بیٹھ کر اور نیز فوج میں شامل ہو کر جو کہ شرماشرمی چلے گئے تھے) ایک یہ ہے کہ وہ تحقیرِ اسلام کرتے تھے اور گستاخانہ کلماب بکا کرتے تھے جن پر بسا اوقات آنحضرت ﷺ بذریعہ وحی مطلع کیے جاتے تھے۔ پھر جب پوچھا جاتا تھا تو کہتے تھے کہ ہم ہنسی دل لگی کے طور پر کہتے تھے۔ پس جب وحی نازل ہوتی تھی تو آیات سے بہت ڈرتے تھے کہ کہیں ہمارے دل کے راز نہ کھل جائیں۔ اس کی طرف "یحذرالمنافقون۔۔الخ" میں اشارہ فرماتا ہے کہ کیوں ناحق کے عذر کرتے ہو تم کافر ہو چکے اگر تمہارا ظاہری کچھ ایمان تھا بھی تو رخصت ہوا۔"[(۲)]

---

(۱) معارف القرآن، ۴/۴۱۵

(۲) تفسیر حقانی، ۴/۲۵۴

کفر اور ایمان کے بیچ راہ نکالنا:

منافقین کا توحید کے بارے میں ایک غلط نظریہ، کفر اور ایمان کے بیچ راہ نکالنا تھا۔اُن کی خواہش تھی کہ کوئی ایسا راستہ اختیار کیا جائے کہ جس سے مسلمان بھی خوش ہوں اور کافر بھی راضی رہیں چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَن يُفَرِّقُواْ بَيْنَ اللّهِ وَرُسُلِهِ وَيقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَن يَتَّخِذُواْ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلاًO أُوْلَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا﴾[1]

ترجمہ: بلا شبہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اور چاہتے ہیں کہ اس (ایمان و کفر) کے درمیان کوئی راہ نکال لیں۔ایسے ہی لوگ درحقیقت کافر ہیں، اور ہم نے کافروں کے لئے رُسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔

مولانا حقانی لکھتے ہیں:

"جو لوگ اللہ اور رسول کا انکار کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں میں تفرقہ پیدا کر رہے ہیں اور وہ تفرقہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں ہم بعض رسولوں کو تو مانیں گے یعنی انبیاء بنی اسرائیل کو۔ کیونکہ وہ ہمارے ہیں بعض کو نہیں جو ان کے غیر ہیں۔ خصوصا نبی عربی کو کس لیے کہ یہ گنوار عربوں کے نبی ہیں ہم کو ان کی حاجت نہیں اور یہود تو حضرت مسیح علیہ السلام کو بھی نہیں مانتے اور ایک اور میانہ راستہ جداگانہ پیدا کرنا چاہتے ہیں سو وہ مومن اور نیکوکار نہیں بلکہ وہ یقینی کافر ہیں جن کیلئے ہم نے جہنم کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔"[2]

مولانا مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں:

"جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ تعالی کے ساتھ (جیسا ان کے عقیدہ اور قول سے جو آگے آتا ہے صاف طور پر لازم آتا ہے) اور (کفر کرتے ہیں) اس کے رسولوں کے ساتھ (یعنی بعض کے ساتھ

---

(۱) سورۃ النساء،۴/۱۵۱،۱۵۰

(۲) تفسیر حقانی،۳/۲۹۸

تو صراحۃً، کیونکہ حضرت عیسی علیہ السلام و حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت منکر تھے، اور کل کے ساتھ لزوماً جیسا آگے آتا ہے) اور یوں چاہتے ہیں کہ اللہ کے اور اس کے رسولوں کے درمیان میں (باعتبار ایمان لانے کے) فرق رکھیں اور (اپنے اس عقیدہ کو زبان سے بھی) کہتے ہیں کہ ہم (پیغمبروں میں سے) بعضوں پر تو ایمان لاتے ہیں اور بعضوں کے منکر ہیں (اس قول اور اس عقیدہ سے اللہ تعالی کے ساتھ بھی، کفر لازم آگیا، اور سب رسولوں کے ساتھ بھی، کیونکہ اللہ تعالی اور ہر رسول نے سب رسولوں کو رسول کہا ہے، جب بعض کا انکار ہوا تو اللہ تعالی کی اور بقیہ رسولوں کی تکذیب ہو گئی، جو کہ ضد ہے تصدیق اور ایمان کی) اور یوں چاہتے ہیں کہ بین بین ایک راہ تجویز کریں (کہ نہ سب پر ایمان رہے جیسے مسلمان سب پر ایمان رکھتے ہیں، اور نہ سب کا انکار رہے جیسا کہ مشرکین کرتے تھے سو) ایسے لوگ یقیناً کافر ہیں (کیونکہ کفر بالبعض بھی کفر ہے، اور ایمان اور کفر کے درمیان کوئی واسطہ نہیں، جب ایمان بالجمیع نہ ہوا تو کفر ہی ہوا) اور کافروں کے لیے ہم نے اہانت آمیز سزا تیار کر رکھی ہے، (وہی ان کے لیے بھی ہوگی)"[۱]

ایمان لانے کے بعد کافر ہونا:

منافقین کے غلط نظریات میں سے ایک یہ بھی تھا کہ ایمان لانے کے بعد ایک گروہ پھر کفر کی طرف لوٹ گیا چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّى فَرِيقٌ مِّنْهُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ وَمَا أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ﴾[۲]

ترجمہ: اور وہ (لوگ) کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لے آئے ہیں اور اطاعت کرتے ہیں پھر اس (قول) کے بعد ان میں سے ایک گروہ (اپنے اقرار سے) رُوگردانی کرتا ہے، اور یہ لوگ (حقیقت میں) مومن (ہی) نہیں ہیں۔

سید ابو الاعلی مودودی لکھتے ہیں:

---

(۱) معارف القرآن ۲/ ۵۹۲

(۲) سورۃ النور: ۲۴/ ۴۷

"یعنی اطاعت سے روگردانی ان کے دعوائے ایمان کی خود تردید کر دیتی ہے، اوراس حرکت سے یہ بات کھل جاتی ے کہ انہوں نے جھوٹ کہاجب کہا کہ ہم ایمان لائے اور ہم نے اطاعت قبول کی۔"[1]

مولانا مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں:

"دعوی تو کرتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور رسول پر ایمان لے آئے اور (اللہ تعالیٰ ورسول کا) حکم (دل سے) مانا پھر اسکے بعد (جب عمل کر کے اپنا دعوی ثابت کرنے کا وقت آیا تو) ان میں کا ایک گروہ (جو بہت زیادہ شریر ہے اللہ تعالیٰ ورسول کے حکم سے) سرتابی کرتا ہے (اس وقت سے وہ صورت مراد ہے کہ جب انکے ذمہ کسی کا حق چاہتا ہو اور صاحبِ حق اس منافق سے درخواست کرے کہ چلو جنابِ رسول اللہ ﷺ کے پاس مقدمہ لے چلیں اس موقع پر یہ سرتابی کرتے ہیں کیونکہ جانتے ہیں کہ آپکے اجلاس میں جب حق ثابت ہو جاوے گا تو اسی کے موافق آپ فیصلہ کریں گے جیسا عنقریب آیت "وَاِذَا دُعُوا" میں اس موقع کا یہی بیان آتا ہے اور تخصیص ایک فریق کی باوجود یہ کہ تمام منافقین ایسے ہی تھے اس لیے ہے کہ غریب غرباء کو باوجود کراہت قلبی کے صاف انکار کرنے کی جرأت وہمت نہیں ہوا کرتی یہ کام وہی لوگ کرتے ہیں جن کو کچھ وجاہت اور قوت حاصل ہو) اور یہ لوگ بالکل ایمان نہیں رکھتے (یعنی دل میں تو کسی منافق کے بھی ایمان نہیں مگر ان کا تو وہ ظاہری ملمع شدہ ایمان بھی نہ رہا"[2]

حاصل کلام:

منافقین جو ظاہرا تو اسلام کا اقرار کرتے تھے اور اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے درحقیقت کافر تھے اور اپنے اس کفر وشرک کے عقائد کو چھپائے رکھتے تھے۔ اللہ تعالی نے قرآن کریم میں ان کے اس نفاق یعنی کفر وشرک پر خوب رد فرمایاہے، اور ان کے مفاد پرستانہ رویوں پر تنقید فرمائی ہے، ان کا مؤمنین کو خداع دینا اور اپنے تئیں خدا کو دھوکہ دینا اور دین کو ہنسی مذاق بنانا ان کے ان سب باطل نظریات پر قرآن کریم نے بلیغ رد فرمایاہے۔

---

(۱) تفہیم القرآن، ۳/۴۱۴

(۲) معارف القرآن، ۶/۴۳۵

باب سوم:

فرشتوں سے متعلق نظریات اور آیات علم المخاصمہ کے تناظر میں ان کارد

فصل اول: فرشتوں سے متعلق یہود کا نظریہ

فصل دوم: فرشتوں سے متعلق نصاری کا نظریہ

فصل سوم: فرشتوں سے متعلق مشرکین کا نظریہ

تمہید:

اس باب میں تین فصول ہیں فصل اول کے مبادیات میں ملائکہ کا تعارف، لغوی واصطلاحی تحقیق، ملائکہ کی حقیقت، ملائکہ کی اقسام، اور ملائکہ کی صفات ذکر ہوگی۔ فصل اول میں فرشتوں کے بارے میں یہود کے دو باطل نظریات کا بیان ہے، جبریل سے دشمنی کا نظریہ، دوم ملائکہ کی طرف کفروعصیان کی نسبت دونوں نظریات کی تردید میں قرآنی آیات ذکر کی گئی ہیں۔

فصل دوم میں نصاری کے ملائکہ کے بارے میں باطل نظریات لکھے گئے ہیں مثلا اتخاذ ولد کا نظریہ، فرشتوں کی ابدیت، جبریل کی الوہیت، عصیان ملائکہ وغیرہ۔

فصل سوم میں مشرکین مکہ جو فرشتوں کے بارے میں غلط نظریات رکھتے تھے اس کا بیان ہے، مثلاوہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے، اسی طرح وہ فرشتوں کی شفاعت قہری کے قائل تھے۔ فرشتوں کو معبود سمجھتے تھے۔ چنانچہ فصل سوم میں اس پر بسیط رد موجود ہے۔

فصل اول (ابتدائیہ):

اس فصل میں فرشتوں سے متعلق یہود کے نظریات کا قرآنی آیات کی روشنی میں جائزہ لیا گیا ہے۔ سب سے پہلے ملک یعنی فرشتہ کے متعلق بنیادی تصور کو پیش کیا جاتا ہے:

ملائکہ کا تعارف:

ملائکہ کی لغوی تحقیق:

ابن فارس لکھتے ہیں:

"الملائكة: جمع ملك. وأصلها، ملأك ، ثم حذفت همزته، لكثرة الاستعمال، فقيل: ملك، والميم واللام والكاف أصل صحيح يدل على قوة في الشيء"[1]

ملائکہ ملک کی جمع ہے، اور اس کی اصل ملاک ہے، کثرت استعمال کی وجہ سے ہمزہ حذف ہوا، اور یہ بھی کہا گیاہے کہ اس کی اصل ملک ہے چنانچہ میم، لام، اور کاف اصلی حروف ہے لفظ صحیح ہے، اور قوت پر دلالت کرتا ہے۔

---

(۱) مقاییس اللغۃ، ابن فارس، دار الکتب العلمیۃ، بیروت:۵\۳۵۱

اس صورت میں وجہ تسمیہ یہ ہوگی کہ ملائک کو ملائک اس لیے کہتے ہے کہ وہ قوت والی مخلوق ہے۔

صاحب انوار التنزیل علامہ بیضاوی رحمہ لکھتے ہیں:

"والملائكة جمع ملأك على الأصل كالشمائل جمع شمأل ، والتاء لتأنيث الجمع ، وهو مقلوب مألك من الألوكة وهي : الرسالة ، لأنهم وسائط بين الله تعالى ، وبين الناس"(۱)

ملائکہ اصل میں ملاک کی جمع ہے، جیسے شمائل شمال کی جمع ہے، اور اس میں تاء جمع کی تانیث کے لیے ہے، اور مالک الالوکۃ سے مقلوب ہے، اور الوسۃ کا معنی ہے پیغام رسائی، کیونکہ یہ فرشتے اللہ اور بندوں کے درمیان پیغام رساں ہیں۔

اس تعریف میں وجہ تسمیہ بھی آگئی کہ الوسۃ کا معنی پیغام رسائی ہے اور چونکہ یہ فرشتے پیغام رساں ہیں۔

علامہ ابن القیم نے اس دوسری تحقیق کو ترجیح دی ہے، روضة المحبيين میں لکھتے ہیں:

"سموا ملائكة من الألوكة وهي الرسالة، فهم رسل الله في تنفيذ أوامره"(۲)

ملائکہ الوسۃ سے ہے، جس کا معنی ہے پیغام رسانی، یہ فرشتے اللہ کے فرستادہ ہیں تنفیذ اوامر میں۔

اسی طرح حافظ ابن حجر نے بھی اس قول کو ترجیح دی ہے:

وهذا قول سيبويه، والجمهور(۳)

یہ قول سیبویہ(۴) اور جمہور امت کا ہے۔

---

(۱) انوار التنزیل واسرار التاویل المعروف بتفسير البيضاوي، البیضاوی، ناصر الدین ابی الخیر عبد اللہ بن عمر الشیرازی، دار احیاء التراث العربی بیروت، ط: ۱۹۹۸، ص: ٦٧

(۲) روضة المحبين ونزهة المشتاقين، ابن قیم الجوزیۃ، دار عالم الفوائد للنشر والتوزیع، ط: ۱۴۳۱، ص: ۵۸

(۳) فتح الباري شرح صحيح البخاري، ٦\٣٠٦

(۴) امام نحو، حجت عرب، ابو بشر، عمرو بن عثمان بن قنبر فارس کے رہنے والے اور پھر بصرہ کے رہنے والے ہے، زمانہ دراز انہوں فقہ اور حدیث سیکھی ہے، پھر علوم عربیت کی طرف متوجہ ہوئے اس میں ممتاز رہے اور اہل زمانہ کی سیادت کی، اور علوم عربیت متعلق انہوں نے اپنی بڑی تصنیف رقم کی ہے، کہا جاتا ہے کہ ۱۸۰ ہجری میں وفات پاچکے ہیں اور یہی قول زیادہ صحیح ہے۔ ۸\۳۵۲)

ملائکہ کی اصطلاحی تعریف:

سید شریف جرجانی ملائکہ کی اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الملک: جسم لطيف نوراني يتشكل بأشكال مختلفة(۱)

ترجمہ: ملائکہ نورانی لطیف جسم کے مالک اور مختلف شکلوں میں تشکیل پاتے ہیں۔

قرآن کریم میں لفظ ملائکہ کا استعمال:

قرآن کریم میں مذکورہ دونوں معنوں میں ملائکہ کا لفظ استعمال ہوا ہے، یعنی پیغام رسانی کے معنی میں بھی، اور قوت کے معنی میں بھی۔

سورہ فاطر میں ملائکہ پر رسل یعنی پیغام رساں کا اطلاق یوں کیا گیا ہے:

﴿جَاعِلِ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا﴾(۲)

اور فرشتوں کو قاصد بنانے والا ہے

اور سورت ہود کی آیت سے ملائکہ کی قوت والا معنی بھی واضح ہوتا ہے:

﴿قَالُواْ يَا لُوطُ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَن يَصِلُواْ إِلَيْكَ﴾(۳)

فرشتوں نے کہا کہ لوط ہم تمہارے پروردگار کے فرشتے ہیں یہ لوگ ہرگز تم تک نہیں پہنچ سکیں گے۔

فرشتوں کی حقیقت:

فرشتوں کی حقیقت سے متعلق یہ اختلاف پایا جاتا ہے کہ یہ مجرد قوتیں یا روحانی و نورانی مشخص ہستیاں ہیں۔ جمہور اہل السنہ کا قول ہے کہ یہ مجرد قوتیں نہیں بلکہ یہ نور (لائٹ) سے پیدا شدہ مشخص ارواح ہیں۔ چنانچہ سید مودودی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر تفہیم القرآن میں لکھتے ہیں:

> "ملک کے اصل معنی عربی میں "پیامبر" کے ہیں، اسی کا لفظی ترجمہ فرستادہ یا فرشتہ ہے، یہ محض مجرد قوتیں نہیں ہیں، جو تشخص نہ رکھتی ہوں، بلکہ یہ شخصیت رکھنے والی ہستیاں ہیں، جن سے اللہ اپنی اس عظیم الشان سلطنت کی تدبیر و انتظام میں کام لیتا ہے، یوں سمجھنا چاہیے کہ یہ سلطنت الٰہی

---

(۱) التعریفات، علی بن محمد الجرجانی الحنفی، مکتبۃ رحمانیۃ، ص: ۱۶۰

(۲) سورۃ الفاطر: ۳۵/ ۱

(۳) سورۃ الھود: ۱۱/ ۸۱

کے اہل کار ہیں جو اللہ کے احکام کو نافذ کرتے ہیں، جاہل لوگ انہیں غلطی سے خدائی میں حصہ دار سمجھ بیٹھے اور بعض نے انھیں اللہ تعالیٰ کا رشتہ دار سمجھا اور ان کو دیوتا بنا کر ان کی پرستش شروع کردی"۔[۱]

فرشتوں کی حقیقت وماہیت کے متعلق عبدالحق حقانی تفسیر حقانی میں رقم طراز ہیں:

"ملائکہ کی حقیقت میں مختلف اقوال ہیں لیکن اس بات میں سب متفق ہیں کہ ملائکہ ذوات موجودہ قائم بذات خود ہیں، کسی کی صفت یا عرض نہیں، اکثر اہل اسلام یہ کہتے ہیں کہ وہ اجسام لطیفہ ہیں کہ جو اشکال مختلف میں ظاہر ہوسکتے ہیں اور بڑے قوی کام کرسکتے ہیں کس لیے کہ انبیاء اور دیگر لوگوں نے ان کو مختلف اشکال میں دیکھا ہے، جمہور اہل کتاب یہود اور سامری اور عیسائی بھی یہی کہتے ہیں، اور بعض نصاریٰ کا یہ قول ہے کہ اچھے لوگوں کی ارواح بعد موت کے ملائکہ بن جاتی ہیں، یہ قول صحیح نہیں کیونکہ بنی آدم سے پہلے بھی ملائکہ تھے ہاں اگر یہ کہیں کہ ابرار لوگوں کی ارواح بعد مفارقت بدن ان میں جاملتی ہیں تو کچھ مضائقہ نہیں، حکماء کہتے ہیں کہ وہ جواہر مجردہ ہیں اور نفوس ناطقہ سے مخالف الحقیقت ہیں، جس قدر تصرفات ہیں انہیں کے ذریعہ سے ہوتے ہیں"۔[۲]

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں لکھتے ہیں:

"وقد وقع الاتفاق على الملائكة مخلوقون، وهم أرواح"[۳]

اور بے شک اس پر اتفاق ہوا ہے کہ ملائکہ مخلوق ہیں اور وہ ارواح ہیں۔

اسی مضمون کو علامہ بیضاوی بھی نقل کرتے ہیں:

"واختلف العقلاء في حقيقتهم بعد اتفاقهم على أنها ذوات موجودة قائمة بأنفسها. فذهب أكثر المسلمين إلى أنها أجسام لطيفة قادرة على التشكل بأشكال مختلفة، مستدلين بأن الرسل كانوا يرونهم كذلك. وقالت طائفة من النصارى : هي النفوس

---

(۱) تفہیم القرآن، مودودی، سید ابوالاعلیٰ، ادارہ ترجمان القرآن، ۲۰۱۲ء، ۱/ ۶۲

(۲) فتح المنان (تفسیر حقانی) ابو محمد عبدالحق حقانی دہلوی، میر محمد کتب خانہ، کراچی، ۱\ ۲۸

(۳) فتح الباری شرح صحیح البخاری، ۱۳\۴۴۴

الفاضلة البشرية المفارقة للأبدان . وزعم الحكماء أنهم جواهر مجردة مخالفة للنفوس الناطقة في الحقيقة"[۱]

فرشتوں کے وجود پر اتفاق کے بعد فرشتوں کی حقیقت میں اہل علم کا اختلاف پایا جاتا ہے، جمہور امت کی رائے یہ ہے کہ فرشتے لطیف اجسام ہیں جو مختلف شکلوں میں متشکل ہوتے ہیں، ان کا استدلال رسولوں کا مشاہدہ ہے کہ وہ ان کو مختلف اشکال میں متشکل دیکھتے تھے۔ جبکہ نصاری کی ایک جماعت کا ماننا ہے کہ فرشتے برتر بشری مخلوق ہے جو بدنوں سے جدا ہیں۔ اور فلاسفہ کا گمان ہے کہ فرشتے محض مجرد قوتیں ہیں جو اپنے حقیقی ماہیت میں نفوس ناطقہ سے الگ شی ہے۔

فرشتے اللہ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے، ان کی تخلیق نور سے ہوئی ہے، صحیح مسلم کی روایت کے مطابق فرشتے نوری مخلوق ہیں:

"عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ خلقت الملائكة من نور وخلق الجان من مارج من نار وخلق آدم مما وصف لكم"[۲]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فرشتے نور سے پیدا کے گئے ہیں، اور جان آگ کی لپک سے، اور آدم کو مٹی سے بنایا گیا ہے۔

فرشتوں کی اقسام:

فرشتوں کی بنیادی دو قسمیں ہیں پہلی قسم وہ ہے جو محض اللہ کی تسبیح و تحمید میں مشغول ہیں، اور دوسری قسم وہ ہے جو تنفیذ اوامر میں مصروف ہے علامہ ناصر الدین بیضاوی لکھتے ہیں:

"قسم شأنهم الاستغراق في معرفة الحق جل جلاله والتنزه عن الاشتغال بغيره ، كما وصفهم في محكم تنزيله فقال تعالى:﴿يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ﴾[۳] وهم العليون والملائكة المقربون. وقسم

---

(۱) تفسیر البیضاوی:۱۹۹۸، ۲/۶۷

(۲) صحیح مسلم، مسلم بن الحجاج أبو الحسن القشیری النیسابوری، دار احیاء التراث العربی -بیروت، ۴\۲۲۹۴

(۳) سورۃ الانبیاء:۲۱/۲۰

يدبر الأمر من السماء إلى الأرض على ما سبق به القضاء وجرى به القلم الإلهي {لاَ يَعْصُونَ اللهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ}[1] وهم المدبرات أمراً ، فمنهم سماوية ، ومنهم أرضية"[2]

ایک قسم وہ ہے جن کی شان اللہ کی معرفت میں استغراق ہے، جیسے اللہ تعالی نے ان کی توصیف اپنے کلام میں فرمائی ہے کہ وہ دن رات اللہ کی تسبیح میں مشغول رہتے ہیں اور اس میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے، اللہ کے مقرب فرشتے اور علیین کہلاتے ہیں۔ دوسری قسم وہ ہے جو تقدیر الہی کے مطابق زمین وآسمان کے بیچ تدبیر کرتے ہیں اور احکام بجالاتے ہیں، وہ اللہ کے احکام کی مخالفت نہیں کرتے، ان کو مدبرات کہا جاتا ہے، ان میں کچھ آسمانی ہے امور کے نگران ہیں اور کچھ زمینی امور کے۔

کچھ مفسرین ومتکلمین کی جانب سے ذیلی تقسیمات بھی ملتی ہیں چنانچہ مولانا عبد الحق دہلوی صاحب تفسیر حقانی میں لکھتے ہیں:

"اول: حاملانِ عرش: حاملان عرش کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ ﴾[3] ترجمہ: جو (فرشتے) عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں۔ وقوله تعالى: ﴿وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ﴾[4] ترجمہ: اور آپ کے رب کے عرش کو اس دن ان کے اوپر آٹھ (فرشتے یا فرشتوں کے طبقات) اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ فرشتوں کی ان ذیلی اقسام میں ایک قسم وہ فرشتے ہیں جنہوں نے عرشِ الہی کو اٹھایا ہوا ہے۔ دوم: عرش کے ارد گرد طواف کرنے والے: قال تعالى: ﴿ وَتَرَى الْمَلَائِكَةَ حَافِّينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ﴾[5] ترجمہ: اور (اے حبیب!) آپ فرشتوں کو عرش کے ارد گرد حلقہ باندھے ہوئے دیکھیں گے جو اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہوں گے۔

---

(۱) سورۃ التحریم: ۶۶/ ۶

(۲) تفسیر البیضاوی، ۱۹۹۸ء، ۱/ ۶۷

(۳) سورۃ الغافر: ۴۰/ ۷

(۴) سورۃ الحاقۃ: ۶۹/ ۱۷

(۵) سورۃ الزمر: ۳۹/ ۷۵

سوم: اکابر ملائکہ :ان سے مراد حضرت جبرئیل وحضرت میکائیل ہیں، جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔ **قال تعالی:** ﴿**مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلّهِ وَمَلاَئِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ اللّهَ عَدُوٌّ لِّلْكَافِرِينَ**﴾[1] ترجمہ: جو شخص اللہ کا اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں کا اور جبریل اور میکائیل کا دشمن ہو تو یقیناً اللہ (بھی ان) کافروں کا دشمن ہے۔ چہارم: ارواح کو قبض کرنے والے فرشتے:اس سے مراد وہ ملائکہ ہیں جو ارواح قبض کرتے ہیں **قال تعالی:** ﴿**حَتَّىَ إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا**﴾[2] ترجمہ: یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے (تو) ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) اس کی روح قبض کرلیتے ہیں۔ **وقال تعالی:** ﴿**وَلَوْ تَرَى إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلاَئِكَةُ**﴾[3] ترجمہ: اور اگر آپ (وہ منظر) دیکھیں (تو بڑا تعجب کریں) جب فرشتے کافروں کی جان قبض کرتے ہیں،اس جماعت کے سردار عزرائیل ہیں۔

پنجم: ملائکہ جنت میں :قال تعالی:﴿**وَالْمَلاَئِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِم مِّن كُلِّ بَابٍ○ سَلاَمٌ عَلَيْكُم بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ**﴾[4] ترجمہ: فرشتے ان کے پاس (جنت کے) ہر دروازے سے آئیں گے۔(انہیں خوش آمدید کہتے اور مبارک باد دیتے ہوئے کہیں گے:) تم پر سلامتی ہو تمہارے صبر کرنے کے صلہ میں، پس (اب دیکھو) آخرت کا گھر کیا خوب ہے۔ ششم: ملائکہ جہنم ہیں: آل دوزخ کو عذاب انہیں کے ساتھ سے ہوتا ہے۔ **قال تعالی:** ﴿**عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ○ وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً**﴾[5] ترجمہ: اس پر اُنیس (فرشتے داروغے مقرر) ہیں○اور ہم نے دوزخ کے داروغے صرف فرشتے ہی مقرر کئے ہیں۔ اوراس فریق کے سردار مالک ہیں۔ **قال تعالی:** ﴿**وَنَادَوْا يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ قَالَ إِنَّكُمْ مَاكِثُونَ**﴾[6] ترجمہ: اور وہ (داروغۂ جہنّم کو) پکاریں گے: اے مالک! آپ کا رب ہمیں موت دے دے (تو اچھا ہے)۔وہ کہے گا کہ تم (اب اِسی حال میں ہی) ہمیشہ رہنے والے ہو۔ اور اس کے فریق کا نام زبانیہ ہے۔ **قال تعالی:** ﴿ **فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ○ سَنَدْعُ**

---

(۱) سورۃ البقرۃ:۲/ ۹۸

(۲) سورۃ الانعام:۶/ ۶۱

(۳) سورۃ الأنفال: ۸/ ۵۰

(۴) سورۃ الرعد:۱۳/ ۲۳-۲۴

(۵) سورۃ المدثر:۷۴/ ۳۰-۳۱

(۶) سورۃ الزخرف:۴۳/ ۷۷

الزَّبَانِيَةَ﴾[1] ترجمہ: پس وہ اپنے ہم نشینوں کو (مدد کے لئے) بلالے۔ ہم بھی عنقریب (اپنے) سپاہیوں (یعنی دوزخ کے عذاب پر مقرر فرشتوں) کو بلالیں گے۔

ہفتم: ملائکہ موکل و محافظ: وہ ملائکہ ہیں کہ جو کہ بنی آدم پر موکل و محافظ ہیں۔قال تعالی: ﴿ إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ o مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ﴾[2] ترجمہ: جب دو لینے والے (فرشتے اس کے ہر قول و فعل کو تحریر میں) لے لیتے ہیں (جو) دائیں طرف اور بائیں طرف بیٹھے ہوئے ہیںo وہ مُنہ سے کوئی بات نہیں کہنے پاتا مگر اس کے پاس ایک نگہبان (لکھنے کے لئے) تیار رہتا ہےo۔ وقولہ تعالی: ﴿لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ ﴾[3] ترجمہ: (ہر) انسان کے لئے یکے بعد دیگرے آنے والے (فرشتے) ہیں جو اس کے آگے اور اس کے پیچھے اللہ کے حکم سے اس کی نگہبانی کرتے ہیں۔

ہشتم: اعمال نامہ لکھنے والے فرشتے: اس سے مراد وہ ملائکہ ہیں جو آدمی کے اعمال لکھتے ہیں: قال تعالی: ﴿ وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ o كِرَامًا كَاتِبِينَo يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ﴾[4] ترجمہ: حالانکہ تم پر نگہبان فرشتے مقرر ہیں۔ (جو) بہت معزز ہیں (تمہارے اعمال نامے) لکھنے والے ہیں۔ وہ ان (تمام کاموں) کو جانتے ہیں جو تم کرتے ہو۔ نہم) عالم کے احوال پر موکل: اس سے مراد وہ ملائکہ ہیں کہ جو اس عالم کے احوال پر موکل ہیں اللہ تعالیٰ کے اس قول میں یہی لوگ مراد ہیں: ﴿ وَالذَّارِيَاتِ ذَرْوًا o فَالْحَامِلَاتِ وِقْرًاo فَالْجَارِيَاتِ يُسْرًاo فَالْمُقَسِّمَاتِ أَمْرًا﴾[5] ترجمہ: اُڑا کر بکھیر دینے والی ہواؤں کی قَسمo اور (پانی کا) بارِ گراں اٹھانے والی بدلیوں کی قَسمo اور خراماں خراماں چلنے والی کشتیوں کی قَسمo اور کام تقسیم کرنے والے فرشتوں کی قَسم"۔

فرشتوں کی صفات:

فرشتوں کی بعض صفات قرآن کریم واحادیث میں ذکر ہوئی ہیں، ان میں سے چند صفات ذکر کی جاتی ہیں:

---

(۱) سورۃ العلق:۹۶/ ۱۷-۱۸

(۲) سورۃ ق:۵۰/ ۱۷-۱۸

(۳) سورۃ الرعد:۱۳/ ۱۱

(۴) سورۃ الانفطار:۸۲/ ۱۰-۱۲

(۵) سورۃ الذاریات:۵۱/ ۱-۴

کھانے پینے سے بے نیازی:

فرشتے نورانی مخلوق ہے وہ کھانے پینے سے مستغنی ہیں ان کو کھانے کی حاجت نہیں ہوتی ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب ان کو کھانا پیش کیا تو انہوں نے اس میں سے نہیں کھایا تو ابراہیم علیہ السلام فکر مند ہوئے کہ یہ ہمارا کھانا کیوں نہیں کھارہے کہیں دشمن تو نہیں ہیں فرشتوں نے جوابا کہا کہ ہم قوم لوط کی طرف فرستادہ فرشتے ہیں اس لیے کھانا نہیں کھارہے ہیں، ارشاد باری تعالی ہے:

﴿فَلَمَّا رَأَى أَيْدِيَهُمْ لاَ تَصِلُ إِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً قَالُواْ لاَ تَخَفْ إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَى قَوْمِ لُوطٍ﴾[1]

ترجمہ: پھر جب (حضرت ابراہیم علیہ السلام نے) دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس (کھانے) کی طرف نہیں بڑھ رہے تو انہیں اجنبی سمجھا اور (اپنے) دل میں ان سے کچھ خوف محسوس کرنے لگے، انہوں نے کہا: آپ مت ڈریئے! ہم قومِ لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی ذیل میں فرماتے ہیں:

"وفي قصة الملائكة مع إبراهيم وسارة ما يؤيد أنهم لا يأكلون ، وأما ما وقع في قصة الأكل من الشجرة أنها شجرة الخلد التي تأكل منها الملائكة فليس بثابت"[2]

ابراہیم اور سارہ کے ساتھ فرشتوں کے واقعہ سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ فرشتے نہیں کھاتے اور جو دائمی درخت کے کھانے کی جو روایت ہے وہ ثابت نہیں ہے۔

طاقت ور ہونا:

جبریل علیہ السلام کی قوت وسطوت کو عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یوں بیان فرماتے ہیں:

"أنه أي النبي ﷺ رأى جبريل له ستمائة جناح"[3]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل امین کو دیکھا تھا جبریل کے چھ سو پر تھے۔

---

(۱) سورۃ ہود: ۱۱/ ۷۰

(۲) فتح الباری ۶\۳۰۶

(۳) صحیح البخاري، محمد بن إسماعيل، دار طوق النجاة، الطبعة الأولى، سن طباعت ۶\۱۴۱

خوبصورت ہونا:

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں آتا ہے کہ وہ تو فرشتے جیسے خوبصورت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا هَـٰذَا بَشَرًا إِنْ هَـٰذَا إِلاَّ مَلَكٌ كَرِيمٌ﴾[1]

ترجمہ: یہ تو بشر نہیں ہے، یہ تو بس کوئی برگزیدہ فرشتہ (یعنی عالمِ بالا سے اترا ہوا نور کا پیکر) ہے۔

ہاتھ ہتھیلی کا ہونا:

قرآنی آیات سے ثابت ہے کہ فرشتوں کے ہاتھ بھی موجود ہیں، سورہ انعام میں اللہ کریم فرماتے ہیں:

﴿وَلَوْ تَرَى إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلآئِكَةُ بَاسِطُواْ أَيْدِيهِمْ﴾[2]

ترجمہ: اور اگر آپ (اس وقت کا منظر) دیکھیں جب ظالم لوگ موت کی سختیوں میں (مبتلا) ہوں گے اور فرشتے (ان کی طرف) اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہم آپ کو دیکھتے ہیں تو ہماری حالت اہل آخرت جیسی ہوتی ہے لیکن جب آپ سے جدا ہوتے ہیں تو ہماری حالت بدل جاتی ہے اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لو تكونون أو قال لو أنكم تكونون على كل حال على الحال التي أنتم عليها عندي لصافحتكم الملائكة بأكفهم ولزارتكم في بيوتكم"[3]

اگر تم برابر اسی حالت پر رہو جس حالت میں میرے ہاں ہوتے ہو، تو پھر تو فرشتے آپ سے اپنے ہتھیلیوں سے ہاتھ ملاتے رہے اور تمہارے گھروں میں تم سے ملاقات کرتے رہیں۔ ان جیسے روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کے ہاتھ بھی ہوتے ہیں۔

چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا:

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس میں وہ فرماتے ہیں:

---

(۱) سورۃ یوسف:۱۲/۳۱

(۲) سورۃ الانعام:۶/ ۹۳

(۳) مسند أحمد بن حنبل الشيباني، دار الحديث–القاهرة، الطبعة :الأولى، ۱۹۹۵م، ۱۶\۲۴۱

"أن رسول الله ﷺ قال إن الملائكة يوم الجمعة على أبواب المساجد"[1]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ فرشتے جمعہ کے دن مسجد کے دروازوں پر بیٹھتے ہیں۔

مذکورہ آیات اور دیگر آیات واحادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ فرشتے بیٹھتے بھی ہیں چلتے بھی ہیں سنتے بھی ہیں کلام بھی کرتے ہیں اور کراماکاتبین لکھتے بھی ہیں۔ یہاں تک فرشتوں کی وجود حقیقت اور ان کی صفات متعلق بنیادی تصور سامنے آیا۔اب فرشتوں سے متعلق یہود کے باطل نظریات اور اس کارد ذکر کیاجاتاہے۔

سرعتِ پرواز:

فرشتے اللہ تعالی کی نورانی مخلوق ہے اور ان کے ذریعے اللہ تعالی تدبیر امور فرماتے ہیں وہ اللہ تعالی کے انتہائی تیز رفتار فوج ہے جو تنفیذ اوامر میں مصروف رہتی ہے۔ سورت سجدہ اللہ تعالی فرشتوں کی سرعت رفتار متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

﴿يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُه اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ﴾[2]

وہ آسمان سے زمین تک ہر کام کی تدبیر کرتاہے' پھر وہ کام اس کی طرف اس دن میں چڑھے گا جس کی مقدار تمہارے گننے کے مطابق ایک ہزار سال ہے۔

اس آیت کے تحت مولاناغلام رسول سعیدی صاحب لکھتے ہیں:

"حضرت جبرائیل آسمان سے زمین کی طرف وحی لے کر آتے ہیں' پھر واپس اس جگہ پہنچتے ہیں جہاں سے وحی قبول کی تھی اور یہ در حقیقت ایک ہزار سال کی مسافت ہے' کیونکہ زمین سے آسمان تک پانچ سو سال کی مسافت ہے اور آنے جانے کے اعتبار سے ایک ہزار سال کی مسافت ہے لیکن حضرت جبرائیل امین اس مسافت کو ایک دن میں طے کرلیتے ہیں"۔

اسی طرح سورت نازعات میں اللہ تعالی نے فرشتوں کی رفتار کی تشبیہ پانی میں تیرنے کے ساتھ دی ہے اور عربی زبان میں یہ تشبیہ سہولت رفتار اور سرعت جری کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ارشاد ہے:

---

(۱) مسند أحمد بن حنبل الشیبانی،۱۷\۲۰۹

(۲) سورۃ السجدۃ:۳۲/۵

﴿وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا﴾[1]

اور ان (فرشتوں کے رب) کی قسم جو تیزی سے تیرتے پھرتے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں:

"تیسری صف فرشتوں کی وّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ہے۔ سبح کے لغوی معنی تیرنے کے آتے ہیں، مراد اس جگہ تیزی سے چلنا ہے جیسے دریا میں کوئی آڑ پہاڑ نہیں ہوتا، تیرنے والا یا کشتی وغیرہ میں چلنے والا سیدھا اپنی منزل مقصود کی طرف جاتا ہے فرشتوں کی یہ صفت کہ تیز جانے والے ہیں یہ بھی ملائکہ موت سے متعلق ہے کہ انسان کی روح قبض کرنے کے بعد اس کو تیزی سے آسمان کی طرف لیجاتے ہیں"۔

ان آیات قرآنیہ سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ فرشتے اللہ تعالی کی ایسی مخلوق ہے جو لائٹ کی روشنی سے بھی تیزی کے ساتھ حرکت کرتی ہے اور تنفیذ اوامر میں مصروف رہتی ہے۔

---

(۱) سورۃ النازعات:۷۹/۳

فصل اول:

فرشتوں سے متعلق یہود کا نظریہ

اس فصل میں فرشتوں کے متعلق یہود کے باطل نظریات تحریر کیے جائیں گے، پہلا نظریہ ان کا جبریل امین کے ساتھ دشمنی، اسکے بعد ان کا دوسرا نظریہ فرشتوں کی طرف کفر وعصیان کی نسبت دونوں نظریات کی تردید میں قرآن آیات موجود ہیں چنانچہ ان آیات کے ضمن ان نظریات کا رد لکھا جاتا ہے۔

یہود کا عداوتِ جبریل اور قرآن مجید:

یہود جبرئیل امین کو اپنا دشمن سمجھتے تھے۔ یہ نظریہ انہوں نے دو وجوہات پر قائم کیا تھا۔ اول ان کا ماننا تھا کہ حضرت یسوع مسیح علیہ السلام کے ساتھ یہی فرشتہ تعاون کر رہا تھا۔ دوم: یہ فرشتہ سختی، قحط سالی اور عذاب والا ہے، جبکہ میکائیل بارشوں اور رزق فراخی والا فرشتہ ہے۔ علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں ابن جریر طبری کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

"حدثنا قال، حدثنا يونس بن بكير، عبد الحميد بن بهرام، عن شهر بن حوشب، عن ابن عباس أنه قال: حضرت عصابة من اليهود رسول الله ﷺ فقالوا: يا أبا القاسم، حدثنا عن خلال نسألك عنهن، لا يعلمهن إلا نبي. فقال رسول الله ﷺ: سلوا عما شئتم، ولكن اجعلوا لي ذمة الله، وما أخذ يعقوب على بنيه، لئن أنا حدثتكم شيئا فعرفتموه، لتتابعُني على الإسلام. فقالوا: ذلك لك. فقال رسول الله ﷺ: سلوني عما شئتم. فقالوا: أخبرنا عن أربع خلال نسألك عنهن: أخبرنا، أي الطعام حرم إسرائيل على نفسه من قبل أن تنزل التوراة؟ وأخبرنا، كيف ماء المرأة وماء الرجل؟ وكيف يكون الذكر منه والأنثى؟ وأخبرنا بهذا النبي الأمي في النوم ومن وليه من الملائكة؟ فقال رسول الله ﷺ:"عليكم عهد الله لئن أنا أنبأتكم لتتابعني! فأعطوه ما شاء من عهد وميثاق. فقال:"نشدتكم بالذي أنزل التوراة على موسى، هل تعلمون أن إسرائيل مرض مرضا شديدا فطال سقمه منه، فنذر نذرا لئن عافاه الله من سقمه ليحرمن أحب الطعام والشراب إليه، وكان أحب الطعام إليه لحم الإبل – قال أبو جعفر: فيما أروي: وأحب الشراب إليه ألبانها؟ فقالوا: اللهم نعم. فقال رسول الله ﷺ: أشهد الله عليكم

وأنشدكم بالله الذي لا إله إلا هو، الذي أنزل التوراة على موسى، هل تعلمون أن ماء الرجل أبيض غليظ، وأن ماء المرأة أصفر رقيق، فأيهما علا كان له الولد والشبه بإذن الله، فإذا علا ماء الرجل ماء المرأة كان الولد ذكرا بإذن الله، وإذا علا ماء المرأة ماء الرجل كان الولد أنثى بإذن الله؟ قالوا: اللهم نعم. قال: اللهم اشهد! قال: وأنشدكم بالذي أنزل التوراة على موسى، هل تعلمون أن هذا النبي الأمي تنام عيناه ولا ينام قلبه؟ قالوا: اللهم نعم! قال: اللهم اشهد! قالوا: أنت الآن تحدثنا من وليك من الملائكة، فعندها نتابعك أو نفارقك. قال: فإن وليي جبريل، ولم يبعث الله نبيا قط إلا وهو وليه. قالوا: فعندها نفارقك، لو كان وليك سواه من الملائكة، تابعناك وصدقناك. قال:"فما يمنعكم أن تصدقوه؟ قالوا: إنه عدونا. فأنزل الله عز وجل:(من كان عدوا لجبريل فإنه نزله على قلبك بإذن الله)"(١)

---

(١) تخریج الحدیث: س کی سند صحیح ہے، یونس بن بکیر بن واصل شیبانی ثقہ ہے، جس نے ان پر کلام کیا ہے، اس کے پاس کوئی حجت نہیں ہے، اس کی امام مسلم نے اپنی صحیح میں تخریج کی ہے، اس کے حالاتِ زندگی التھذیب، بخاری کی الکبیر (۴/۲/۴۱۱)، ابن سعد کے طبقات (جلد٦ ، صفحہ٢٧٩)، ابنِ ابی حاتم (۲/۴/۲۳٦)۔ عبد الحمید بن بھرام (باء کی زبر اور ہاء کی جزم کے ساتھ)، الفزاری: ثقہ ہے، جس کی احمد اور ابنِ معین وغیرہ نے توثیق کی ہے، جس نے بھی اس کے بارے میں کلام کیا ہے، اس کی بنیاد شھر بن حوشب سے اس کا روایت کرنا ہے، اور وہ اسی کی روایت ہی ہے، لیکن یہ ثقہ ہی مشہور ہے، جیسا کہ ہم نے (۱۴۸۹) میں اشارہ دیا ہے، اور حدیث جسے احمد نے المسند (۲۴۱۵) میں روایت کیا ہے وہ مطولات میں شمار کی جاتی ہے، اور اسی طرح ابنِ سعد نے طبقات (۱۱۵-۱۱٦/۱/۱) میں، وہ دونوں ہاشم بن قاسم، اور وہ عبد الحمید بن بھرام سے اسی سند کے ساتھ ہے، پھر اسے احمد نے (۲۵۱۵) نے محمد بن بکار سے روایت کیا ہے، جسے وہ عبد الحمید بن بن بہرام سے روایت کرتے ہیں، لیکن انہوں نے اس کے لفظ ذکر نہیں کئے پر انا حوالہ دیتے ہوئے۔ اس سے پہلے بھی احمد نے (۲۴۷۱) مختصرا حسین سے اسے روایت کیا ہے، (ابنِ محمد مروزی)، جو آگے عبد الحمید بن بہرام سے روایت کرتے ہیں۔ اور اسے (۲۴۸۳) ایک اور وجہ سے بھی روایت کیا ہے، جو بھت کم طویل ہے۔ اسی طرح اسے ابو نعیم نے الحلیہ (جلد ۴، صفحہ ۳۰۴-۳۰۵) میں اس طریق پر روایت کیا ہے، اور ہیثمی نے یہ روایت (۲۵۱۴) ذکر کی ہے، اور اس روایت (۲۵۱۴) میں جو زیادتی ہے، اس کی طرف بھی مجمع الزوائد (ج۴، صفحہ ۲۴۱-۲۴۲) میں اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے: "اسے احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے، اس کے رجال ثقہ ہیں)۔ ابنِ کثیر نے اپنی تفسیر (ج۱، صفحہ ۲۳۸۔۲۳۹) میں طبری کی یہ والی روایت ذکر کی ہے، پھر المسند (۲۵۱۴) کی طرف اشارہ کیا ہے، بعد ازیں المسند (۲۴۸۳) کی روایت (۱، صفحہ ۲۴۰) نقل کی ہے، اور المسند کی دونوں روایتیں بھی (جلد ۲، صفحہ ۱۸٦۔۱۸۷) نقل کی ہیں۔

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ یہودیوں کی ایک جماعت نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: ہم آپ سے چار ایسی چیزوں کے متعلق سوال کرتے ہیں جن کا جواب نبی کے سوا اور کوئی نہیں دے سکتا، نبی ﷺ نے فرمایا: تم جو چاہو سوال کرو لیکن اس کی ضمانت دو کہ اگر تم ان جوابات کا صدق پہچان لو تو پھر تم اسلام کو قبول کر لو گے انہوں نے اس کا وعدہ کر لیا، انہوں نے سوال کیا کہ تورات نازل ہونے سے پہلے حضرت یعقوب علیہ السلام نے کون سے طعام کو اپنے اوپر حرام کیا تھا؟ آپ نے فرمایا میں تم کو اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے تورات کو نازل کیا ہے، کیا تم کو معلوم ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام سخت بیمار ہو گئے اور جب ان کی بیماری طول پکڑ گئی تو انہوں نے یہ نذر مانی کہ اگر اللہ تعالی نے مجھے اس بیماری سے صحت دے دی تو میں اپنا پسندیدہ کھانا اور پینا اپنے اوپر حرام کر لوں گا اور انکا پسندیدہ کھانا اونٹ کا گوشت تھا، انہوں نے کہا ہاں ان کا دوسرا سوال تھا کہ مرد کا پانی کیسا ہے اور عورت کا پانی کیسا ہے؟ اور مذکر اور مؤنث کیسے بنتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں جس کے سوا معبود نہیں ہے اور جس نے موسی علیہ السلام پر تورات نازل کی کیا تم کو معلوم ہے کہ مرد کا پانی سفید اور گاڑھا ہوتا ہے اور عورت کا پانی پتلا اور زرد ہوتا ہے اور جس کا پانی غالب ہو بچہ اسی (جنس) کا ہوتا ہے اور اللہ کے اذن سے اس کی مشابہت ہوتی ہے انہوں نے کہا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا تو گواہ ہو جا۔ ان کا تیسرا سوال تھا اس نبی امی کی نیند کیسی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم کو اس ذات کی قسم جس نے موسی علیہ السلام پر تورات نازل کی کیا تم کو معلوم ہے کہ اس نبی امی کی آنکھیں سوتی ہیں اور اس کا دل نہیں سوتا؟ انہوں نے کہا بہ خدا، ہاں آپ ﷺ نے فرمایا اے اللہ گواہ ہو جا انہوں نے کہا اب آپ ﷺ ہمیں یہ بتائیں کہ فرشتوں میں سے آپ کا دوست کون ہے؟ اور آپ ﷺ کے دین کو قبول کرنے یا نہ کرنے کا مدار اس سوال کے جواب پر ہے، آپ ﷺ نے فرمایا میرا دوست جبریل ہے اور اللہ تعالی نے جس نبی کو بھی بھیجا اس کے وہی دوست تھے، انہوں نے کہا اب ہم آپ کو چھوڑتے ہیں اگر کوئی اور فرشتہ آپ ﷺ کا دوست ہوتا تو ہم آپ ﷺ کی اتباع کر لیتے اور آپ ﷺ پر ایمان لے آتے، آپ ﷺ نے فرمایا تم جبریل کی تصدیق کیوں نہیں کرتے؟ انہوں نے کہا وہ ہمارا دشمن ہے پھر یہ آیت

﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰہِ﴾ نازل ہوئی"۔[1]

نیز امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

"عن قتادة قال: ذكر لنا أن عمر بن الخطاب انطلق ذات يوم إلى اليهود، فلما أبصروه رحبوا به. فقال لهم عمر: أما والله ما جئت لحبكم ولا للرغبة فيكم، ولكن جئت لأسمع منكم. فسألهم وسألوه، فقالوا: من صاحب صاحبكم؟ فقال لهم: جبريل. فقالوا: ذاك عدونا من أهل السماء، يطلع محمدا على سرنا، وإذا جاء جاء بالحرب والسنة ولكن صاحب صاحبنا ميكائيل، وكان إذا جاء جاء بالخصب وبالسلم، فقال لهم عمر: أفتعرفون جبريل وتنكرون محمدا؟ ففارقهم عمر عند ذلك، وتوجه نحو رسول الله ﷺ ليحدثه حديثهم، فوجده قد أنزل عليه هذه الآية:﴿قل من كان عدوا لجبريل فإنه نزله على قلبك بإذن الله﴾"[2] ۔

"قتادہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ یہود کے پاس گئے جب انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو ان کو خوش آمدید کہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں کوئی تم سے محبت یا تمہاری طرف رغبت کی وجہ سے نہیں آیا ہوں لیکن میں تمہاری باتیں سننے کے لیے آیا ہوں پھر دونوں نے ایک دوسرے سے سوالات کیے اور بحث کی۔ یہودیوں نے پوچھا آپ کے نبی ﷺ کا دوست کون ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جبریل انہوں نے کہا وہ تو ہمارا دشمن ہے وہ آسمان سے آکر محمد (ﷺ) کو ہمارے راز بتا دیتا ہے، وہ جب بھی آتا ہے جنگ اور قحط سالی لے کر آتا ہے۔ البتہ ہمارے نبی کا دوست میکائیل ہے، وہ جب بھی آتا ہے، صلح، خوشحالی، اور غلہ کی فراوانی کے ساتھ آتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تو تم جبریل کو پہچانتے ہو اور محمد ﷺ کا انکار کرتے ہو، پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں سے سے اٹھ گئے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ کہیے جو شخص جبریل کا دشمن ہے تو ہوا کرے"۔

امام نسائی سے بھی ایک روایت نقل ہے جس میں یہود کا جبریل سے عدوات کا نظریہ سامنے آتا ہے:

---

(۱) تبیان القرآن: ۱\۴۵۶

(۲) جامع البیان: ۲\۳۸۲

" حَدَّثَنَا أَنَسٌ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ سَلاَمٍ، بَلَغَهُ مَقْدَمُ النَّبِيِّ ﷺ الْمَدِينَةَ، فَأَتَاهُ يَسْأَلُهُ عَنْ أَشْيَاءَ، فَقَالَ إِنِّي سَائِلُكَ عَنْ ثَلاَثٍ لاَ يَعْلَمُهُنَّ إِلاَّ نَبِيٌّ مَا أَوَّلُ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ وَمَا أَوَّلُ طَعَامٍ يَأْكُلُهُ أَهْلُ الْجَنَّةِ وَمَا بَالُ الْوَلَدِ يَنْزِعُ إِلَى أَبِيهِ أَوْ إِلَى أُمِّهِ قَالَ " أَخْبَرَنِي بِهِ جِبْرِيلُ آنِفًا ". قَالَ ابْنُ سَلاَمٍ ذَاكَ عَدُوُّ الْيَهُودِ مِنَ الْمَلاَئِكَةِ. قَالَ " أَمَّا أَوَّلُ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ فَنَارٌ تَحْشُرُهُمْ مِنَ الْمَشْرِقِ إِلَى الْمَغْرِبِ، وَأَمَّا أَوَّلُ طَعَامٍ يَأْكُلُهُ أَهْلُ الْجَنَّةِ، فَزِيَادَةُ كَبِدِ الْحُوتِ، وَأَمَّا الْوَلَدُ، فَإِذَا سَبَقَ مَاءُ الرَّجُلِ مَاءَ الْمَرْأَةِ نَزَعَ الْوَلَدَ، وَإِذَا سَبَقَ مَاءُ الْمَرْأَةِ مَاءَ الرَّجُلِ نَزَعَتِ الْوَلَدَ ". قَالَ أَشْهَدُ أَنَّ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ وَأَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ. قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ الْيَهُودَ قَوْمٌ بُهُتٌ، فَاسْأَلْهُمْ عَنِّي قَبْلَ أَنْ يَعْلَمُوا بِإِسْلاَمِي، فَجَاءَتِ الْيَهُودُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ " أَىُّ رَجُلٍ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَلاَمٍ فِيكُمْ ". قَالُوا خَيْرُنَا وَابْنُ خَيْرِنَا وَأَفْضَلُنَا وَابْنُ أَفْضَلِنَا. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ " أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَسْلَمَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَلاَمٍ ". قَالُوا أَعَاذَهُ اللَّهُ مِنْ ذَلِكَ. فَأَعَادَ عَلَيْهِمْ، فَقَالُوا مِثْلَ ذَلِكَ، فَخَرَجَ إِلَيْهِمْ عَبْدُ اللَّهِ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ. قَالُوا شَرُّنَا وَابْنُ شَرِّنَا. وَتَنَقَّصُوهُ. قَالَ هَذَا كُنْتُ أَخَافُ يَا رَسُولَ اللَّهِ. "(۱)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو عبد اللہ بن سلام ایک یہودی عالم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین چیزوں کے متعلق سوال کرتا ہوں جن کو نبی کے سوا اور کوئی نہیں جانتا، قیامت کی پہلی علامت کیا ہے؟ جنتی سب سے پہلے کیا چیز کھائیں گے؟ بچہ ماں یا باپ میں سے کس پر ہوتا ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے ابھی جبریل نے ان چیزوں کی خبر دی ہے، عبد اللہ نے کہا فرشتوں میں جبریل یہود کا دشمن ہے (صحیح بخاری میں ہے تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی قل من کان عدوا لجبریل الآیہ) آپ نے فرمایا قیامت کی سب سے پہلی علامت یہ ہے کہ ایک آگ ظاہر ہو گی جو لوگوں کو مشرق سے لے کر مغرب کی طرف جمع کرے گی، اور جس چیز کو جنتی سب سے پہلے کھائیں گے وہ مچھلی کی کلیجی ہو گی اور بچہ کا معاملہ یہ ہے کہ جب مرد کا پانی غالب ہو تو وہ بچے کو کھینچ لیتا ہے، اور جب عورت کا پانی غالب ہو تو وہ بچے کو کھینچ لیتا ہے، عبد اللہ بن سلام نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی

(۱) السنن الکبری، النسائی، حدیث نمبر: ۸۲۵۴، ۷۰۱۵

عبادت کا مستحق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، یہود بہتان لگانے والے ہیں اگر میرے متعلق پوچھنے سے پہلے آپ نے ان کو میرے مسلمان ہونے کے متعلق بتادیا تو مجھ پر بہتان باندھیں گے جب یہود آئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا تمہارے نزدیک عبد اللہ بن سلام کیسا شخص ہے؟ انہوں نے کہا وہ ہم سب سے اچھا ہے اور اس کا باپ بھی سے اچھا تھا آپ نے فرمایا یہ بتاؤ اگر عبد اللہ بن سلام اسلام لے آئے انہوں نے کہا اس کو اسلام سے اپنی پناہ میں رکھے، تب حضرت عبد اللہ بن سلام نے آکر کہا اشهد ان لا اله الا اللہ و اشهد ان محمدا رسول اللہ وہ کہنے لگے یہ ہم میں سب سے برا آدمی ہے اور اس کا باپ بھی سب سے برا تھا، اور ان کی مذمت کی، حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا یارسول اللہ ﷺ مجھے اسی بات کا خوف تھا۔

پیر محمد کرم شاہ صاحب لکھتے ہیں:

"یہود کے ایک عالم عبد اللہ بن صوریا نے حضور کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ کونسا فرشتہ وحی لے کر آپ کے پاس آتا ہے، حضور ﷺ نے فرمایا جبریل امین، ابن صوریا کہنے لگا کہ وہ تو ہمارا پرانا دشمن ہے، ہمیشہ غضب و عذاب ہی لے کر ہم پر اترتا رہا۔ ہم اس کی لائی ہوئی وحی پر ایمان لانے سے معذور ہیں اس آیت میں اس کا رد فرمایا جارہا ہے کہ جبریل اپنی طرف سے تو کچھ نہیں کرتا، وہ تو صرف اللہ تعالی کے حکم کی تعمیل پر مقرر ہے، اگر جبریل سے تمہیں دشمنی ہے تو اللہ بھی تمہارا دشمن ہے"۔ (۱)

رد نظریہ عداوت جبریل:

یہود جو اپنے آپ کو دین موسوی کے پیروکار گردانتے ہیں وہ نہ صرف آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ کے رسالت کا انکار کرتے ہیں، بلکہ فرشتوں کی برگزیدگی کا بھی منکر ہیں، جو مامور فی اللہ ہیں۔ قرآن پاک میں نہ صرف ان کا مامور من اللہ ہونے کا ذکر ہے بلکہ یہود کے خود ساختہ دوستی اور دشمنی کا رد بھی بیان کیا گیا ہے:

---

(۱) ضیاء القرآن، جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، جمادی الثانی، ۱۴۰۳ھ، ۷۷\۱

﴿قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللهِ مُصَدِّقاً لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ* مَن كَانَ عَدُوًّا لِّلهِ وَمَلآئِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ اللهَ عَدُوٌّ لِّلْكَافِرِينَ﴾[1]

آپ فرما دیں: جو شخص جبریل کا دشمن ہے (وہ ظلم کر رہا ہے) کیونکہ اس نے (تو) اس (قرآن) کو آپ کے دل پر اللہ کے حکم سے اتارا ہے (جو) اپنے سے پہلے (کی کتابوں) کی تصدیق کرنے والا ہے اور مؤمنوں کے لئے (سراسر) ہدایت اور خوشخبری ہے*جو شخص اللہ کا اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں کا اور جبریل اور میکائیل کا دشمن ہوا تو یقیناً اللہ (بھی ان) کافروں کا دشمن ہے۔

اس آیت سے متعلق امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

" أجمع أهل العلم بالتأويل جميعا على أن هذه الآية نزلت جوابا لليهود من بني إسرائيل، إذ زعموا أن جبريل عدو لهم، وأن ميكائيل ولي لهم. ثم اختلفوا في السبب الذي من أجله قالوا ذلك. فقال بعضهم: إنما كان سبب قيلهم ذلك، من أجل مناظرة جرت بينهم وبين رسول الله ﷺ في أمر نبوته---وقال آخرون: بل كان سبب قيلهم ذلك، من أجل مناظرة جرت بين عمر بن الخطاب رضي الله عنه وبينهم، في أمر النبي ﷺ"۔[2]

آیات کی تفسیر سے متعلق اہل علم کا اجماع ہے کہ یہ آیات بنی اسرائیل میں سے یہود کے جواب میں نازل ہوئی ہیں، جب انہوں نے گمان کیا کہ جبریل ان کا دشمن ہے اور میکائیل ان کا دوست ہے، پھر اہل علم کے اس قول کے سبب متعلق اختلاف ہے بعض کا کہنا ہے کہ ان کے اس قول کی وجہ وہ مناظرہ ہے ان کے درمیان اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان نبوت سے متعلق ہوا تھا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ ان کے اس قول کی وجہ وہ مناظرہ ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور یہود کے درمیان ہوا تھا حضور ﷺ کے بارے میں۔

---

(۱) سورۃ البقرۃ:۲/۹۷-۹۸

(۲) جامع البیان عن تأویل آی القرآن،۲\۳۷۷-۳۸۱

ان آیات سے متعلق ابن جریر طبری نے اہل علم کا جو اجماع نقل کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی آخر الزمان ﷺ کے ساتھ جبریل علیہ السلام سے بھی سخت بیر اور دشمنی رکھتے ہیں جس کا رد ان آیات میں ذکر ہوا ہے کیونکہ فرشتوں کا کسی کے ساتھ دوستی دشمنی کا کیا سوال وہ تو مامور من اللہ ہیں۔

ان آیات کی تفسیر میں علامہ سعیدی رحمۃ اللہ علیہ تبیان القرآن میں یوں رقم طراز ہیں:

"جو شخص جبریل کا دشمن ہو گا وہ اللہ کی وحی کا دشمن ہو گا کیونکہ تورات اور قرآن دونوں وحی کے ذریعہ نازل ہوئے ہیں اور قرآن مجید تورات زبور اور انجیل کا مصدق ہے، اور یہ تمام آسمانی کتابیں اللہ کی توحید عبادات اور اخلاق حسنہ کی دعوت دیتی ہیں، اور یہی گمراہی سے ہدایت دیتی ہیں اور ان پر عمل کرنے والوں کو جنت کی بشارت دیتی ہیں پھر اللہ تعالی نے اس کی تاکید کے لیے فرمایا: جو شخص جبریل کا دشمن ہو گا وہ اللہ کا دشمن ہو گا کیونکہ جبریل کو اللہ تعالی بھیجنے والا ہے اور جو جبریل کا دشمن ہو گا وہ سارے فرشتوں کا دشمن ہو گا کیونکہ سارے فرشتے جبریل کے موافق ہیں، اور جو جبریل کا دشمن ہو گا وہ سب رسولوں کا دشمن ہو گا کیونکہ جبریل تمام رسولوں کا ولی اور مؤید ہے اور جو جبریل کا دشمن ہو گا وہ میکائیل کا بھی دوست نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ دونوں ایک دوسرے کے موافق ہیں دونوں رسل ملائکہ میں سے ہیں اور دونوں مقرب فرشتے ہیں اور جو ان کا دشمن ہے وہ سن لے کہ اللہ کافروں کا دشمن ہے۔ اس لیے اللہ تعالی نے فرمایا: جو شخص اللہ کا اس کے فرشتوں کا اس کے رسولوں کا اور جبریل اور میکائیل کا دشمن ہے تو وہ اللہ کافروں کا دشمن ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے اور بے شک اے رسول ہم نے آپ کی طرف واضح آیتیں نازل کی ہیں اور ان آیتوں کا صرف فاسق ہی انکار کرتے ہیں"۔ (۱)

علامہ عبد الحق حقانی تفسیر حقانی میں اس باطل سوچ و فکر کہ جبریل علیہ السلام کسی کے ساتھ خود ساختہ دشمنی کریں، کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ جواب دیتا ہے کہ جبریل علیہ السلام جو کچھ کرتا ہے، حکم الہی سے کرتا ہے، اس نے یہ قرآن جو حضرت ﷺ کے قلب پر نازل کیا ہے، تو ہمارے حکم سے اب جو اس کا دشمن ہے وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے۔ دوم: تم خود اس قرآن میں غور کرو کہ یہ کیسا؟ اس سے کوئی صاحب عقل سلیم انکار

---

(۱) تبیان القرآن، ۱\۴۵۷

نہیں کر سکتا، کس لیے کہ جو لوگ اگلے انبیاء کے مقلد ہیں تو یہ مصد قالما بین یدیہ ہے کہ سب اگلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے، اس کے اصول اور عمدہ مطالب حرف بحرف ان کے مطابق ہیں اس صورت میں اس کا انکار ان کا انکار ہے اور جو کسی سابق نبی یا کتاب کا مقلد نہیں بلکہ جو کتاب دلائل عقل سلیم کے موافق ہو اور جس میں تمام باتیں مصالح دین و دنیا ہوں اس کو مانتے ہیں تو ان کو بھی اس سے انکار نہ کرنا چاہیے، یہ ہدی یعنی ہدایت ہے۔ سوم: اور جو صاحبان قلب سلیم ہیں اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں اور اس کے شوق اور تسلی بخش باتوں کے طالب ہیں ان کو بھی اسکا ماننا ضروری ہے۔ کیونکہ یہ بشری للمؤمنین ہے کہ اہل ایمان کو تسلی اور خوشخبری اس سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ تین اوصاف جب اس قرآن میں تو پھر اس وجہ سے انکار کرنا کہ اس کو جبریل علیہ السلام لائے ہیں محض حماقت ہے۔ یہ بات کہ جبریل علیہ السلام ہمارے دشمن ہیں کل یہود کا مقولہ نہ تھا بل کہ ان کا جو مدینہ اور اس کے اطراف میں رہتے تھے۔۔۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ یہود کو الزام دیتا ہے، کہ جو شخص اللہ تعالی اور اس کے رسولوں اور ملائکہ بالخصوص جبریل و میکائیل علیہم السلام کا دشمن ہے وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے۔ یہ بات علمائے یہود بھی مانتے تھے اور اب بھی مانتے ہیں کہ ملائکہ پر ایمان لانا ضروری ہے اس بناء پر جو ملائکہ بالخصوص اعظم ملائکہ جبریل یا میکائیل کا دشمن ہے قطعی کافر ہے یہود کے اقرار سے ان کا کفر ثابت ہو گیا"۔[۱]

پیر محمد کرم شاہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"ان الفاظ سے تنبیہ فرمادی کہ یہ عجیب لوگ ہیں جو وحی لے کر اب جبریل اتر رہا ہے اس سے تورات اور جملہ انبیاء بنی اسرائیل کی تصدیق ہو رہی ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ دوڑ کر اس پر ایمان لاتے لیکن یہ الٹی کھوپڑی والے اپنے دوست اور دشمن کو بھی نہیں پہچانتے"۔[۲]

---

(۱) فتح المنان (تفسیر حقانی) ابو محمد عبد الحق حقانی دہلوی، میر محمد کتب خانہ، کراچی، ۱\۲۳۱

(۲) ضیاء القرآن، جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، جمادی الثانی، ۱۴۰۳ھ، ۱\۷۸

فرشتوں سے متعلق قرآن مجید کے اسالیب مخاصمہ کا جائزہ:

واقعہ مذکورہ کی روشنی میں جو نکات ہمارے سامنے آتے ہیں جس سے اس باطل اور خود ساختہ عقیدے اور فکر پر روشنی اور رد پڑھتا ہے، وہاں اس سے قرآن مجید کے بہترین اسلوب مخاصمہ کا بھی پتہ چلتا ہے، جس کی توضیح درج ذیل پیرائے میں کی جاتی ہے۔

ا۔ قرآن مجید اور جبریل علیہ السلام کا منزل من اللہ ہونا:

یہود کا یہ اعتراض کہ قرآن مجید منزل من اللہ ہم مانتے ہیں لیکن جبریل علیہ السلام کے ذریعے نہیں مانتے کہ یہ ہمارے دشمن ہیں۔ ان کا ردیوں فرمایا کہ جس طرح قرآن مجید اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے بعینہ جبریل علیہ السلام بھی مامور من اللہ ہے۔ اس میں جبریل علیہ السلام کا خود ساختہ عمل دخل کوئی نہیں فرمایا:

﴿فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾[1]

اس نے تو (یہ کتاب) اللہ تعالیٰ کے حکم سے تمہارے دل پر نازل کی ہے۔

قرآن مجید حضرت جبریل علیہ السلام اپنی مرضی سے نہیں لے کے آئے بلکہ اللہ کے حکم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کر چکے ہیں چونکہ یہ سارا کام اللہ کے حکم سے ہو رہا ہے۔ لہٰذا یہود کی حضرت جبریل علیہ السلام سے دشمنی نا قابل فہم ہے۔

۲۔ قرآن مجید اور سابقہ آسمانی کتب کا آپس میں تعلق:

یہود کا اعتراض اس لیے غیر فطری اور عناد پر ہے مبنی ہے کہ چونکہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

﴿مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ﴾[2]

جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔

جس کو جبریل امین محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کر چکے ہیں، اپنے سے ماقبل تورات وانجیل کی تصدیق کنندہ ہے تو یہود اس وحی کی وجہ سے کیوں جبریل کی مخالفت کر رہے ہیں جو وحی ان کے کتابوں کی تصدیق کنندہ ہے چاہیے تو یہ تھا کہ وہ اس بات اور وحی کو پلے باندھتے اور مخالفت برائے مخالفت سے باز آتے۔

---

(۱) سورۃ البقرۃ:۲/ ۹۷

(۲) ایضاً

۳۔ پیغمبروں اور آسمانی کتب کا مقصد نزول:

تیسری بات جو ان آیات سے مبرھن ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جس طرح حضرت محمد ﷺ سے پہلے پیغمبروں اور آسمانی کتب و صحائف کو اللہ نے انسانی ہدایت و راہنمائی کے لیے بھیجا ہے یہی مقصد آخری پیغمبر اور آخری آسمانی کتاب قرآن مجید کا حصہ ہے۔

﴿وَهُدًى وَبُشْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ﴾(۱)

اور ایمان والوں کے لیے ہدایت اور بشارت ہے۔

قرآن کریم تو آفاقی سچائیوں کی کتاب ہے۔ بلند اخلاق و پاکیزہ کردار کی طرف بلانے والی کتاب ہے جس میں اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لانے والوں کے لیے خوشخبریاں ہیں تو یہود اس قرآن کی وجہ سے جبریل کی کیوں مخالفت کر رہے ہیں؟ لہذا ان کا یہ اعتراض اور بیر نا قابل فہم ہونے کے ساتھ غیر منطقی بھی ہے۔

۴۔ نتیجہ مخالفت:

چونکہ یہ تمام اعتراضات غیر فطری، نا قابل فہم اور ساتھ ہی عناد اور محض نفس پرستی پر مبنی ہے اور خداوند ارض وسماء کے امر کی صریح مخالفت ہے لہذا نتیجۃً اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ﴾(۲)

جو شخص اللہ تعالیٰ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے پیغمبروں کا اور جبرئیل اور میکائیل کا دشمن ہو تو ایسے کافروں کا اللہ تعالیٰ دشمن ہے۔

ان نکات کے بعد اللہ تعالی نے اس مخالفت کا عقلی و منطقی نتیجہ پر تفریعی حکم ارشاد فرمایا ہے، کہ جب یہ وحی جبریل اللہ کے حکم سے لائے ہیں، اور جب یہ ان کی کتابوں کی تصدیق کنندہ بھی ہے، اور ساتھ کائناتی سچائی سے بھی لبریز ہے، تو پھر بھی جبریل سے یہ مخالفت در حقیقت اللہ سے دشمنی ہے اور جبریل جو تمام فرشتوں کے سردار ہے تو گویا یہ تمام فرشتوں سے دشمنی کے مترادف ہیں جو اللہ ہی کے فرستادہ ہیں جیسے جبریل و میکائیل۔ بے شک اللہ تعالیٰ ایسے ہی کافروں کا دشمن ہے۔

---

(۱) سورۃ البقرۃ:۲/ ۹۷

(۲) ایضاً:۲/ ۹۸

چنانچہ مخاصمہ کے ان تسلیم کردہ عقلی معیارات ومعتقدات کو دلیل بنا کر یہود پر اتمام حجت قائم کیا گیا تا کہ غور وفکر کرنے والوں کے لیے اس میں کوئی اخفا باقی نہ رہے۔

ہاروت وماروت سے متعلق یہود کا نظریہ اور طرزِ عمل:

تناخ[۱]،اور تالمود[۲] میں ہاروت ماروت سے متعلق کوئی تصریح موجود نہیں ہے، تاہم یہود کی دیگر کتب میں قصہ ہاروت ماروت الگ ناموں یعنی عزازیل اور شمھازی سے ملتا ہے جس میں ناموں کی تبدیلی کے علاوہ واقعہ تقریباً وہی نقل کیا جاتا ہے جو کعب احبار سے ایک اسرائیلی واقعہ منقول ہے۔ یہ واقعہ Legends of the Jews میں نقل ہوا ہے:

"دو فرشتے عزازیل اور شمہازی زمین پر اتریں، اور ان کے نزول کا مقصد اطاعت خداوندی اور اخلاق میں انسانوں پر فرشتوں کی برتری ثابت کرنا تھا، لیکن ان میں سے شمہازی کچھ عرصہ بعد زہرہ نامی عورت کے محبت میں واقع ہوا اور اس کے قربت کا طلب گار ہوا، لیکن اس نے اسے روکا کہ جب تک تم اسم اعظم مجھے نہیں سکھائے تب تک آپ میرے قریب نہیں آسکتے، جب اس نے اسم اعظم سے آسمان کی طرف چڑھنے کی قوت حاصل کر لی تو اپنا وعدہ نبھائے بغیر وہ اوپر چلی گئی لیکن اللہ تعالی نے اسے آسمان میں روک دیا اور اسے سیارہ بنادیا چنانچہ اس کا جسم زہرہ ستارہ یا فینوس ستارہ میں تبدیل ہوگیا"۔[۳]

مسلم مفسرین کی کتب تفسیر میں بھی یہ واقعہ ملتا ہے جس میں عزازیل اور ستمھاری کی جگہ ہاروت وماروت کی تبدیلی ہے لیکن اس میں یہ بھی ذکر ہے کہ دونوں فرشتے زہرہ کے عشق میں مبتلا ہوگئے تھے، علامہ ماوردی نقل کرتے ہیں:

---

(۱) تناخ سر نامہ ہے، توریت Torah –، نویم Nevi'im– اور کتویم، Ketuvim کا۔ ان تینوں حروف کے شروع کے حرف کو اکٹھا جوڑ کر "تناخ" بنتا ہے۔

(۲) تالمود بائبل مقدس سے متعلق انتہائی قدیم بحث وتمحیص اور مختلف ادوار کے اس فاضل ومعتبر اساتذہ کے مفسرانہ تاثرات کا مجموعہ ہے۔ یہ قانونی، شہری، عدالتی، الٰہی اور انسانی انسائیکلوپیڈیا ہے۔ تالمود کو دو حصوں میں یعنی مشنہ اور جمرا میں تقسیم کیا گیا ہے۔ یہ ربیوں اور مذہبی درسگاہوں کے سرداروں کا مسلسل کام ہے۔ تالمود کی تالیف وتدوین تین سو گیارہ سال کے عرصہ میں مکمل ہوئی۔ (تالمود، تعارف واہمیت تالمود، ص:۱۵)

(3).Sandiki, Legends and Narratives of Islam, Kazi Publications , Chicago , 2000 , PP. 235 – 236 . citing , Louis Ginzbery , Legends of the Jews , III , P 247.

"أن هاروت وماروت مَلَكان ، أَهْبَطَهُما الله عز وجل إلى الأرض ، وسبب ذلك ، أن الله تعالى لما أطلع الملائكة على معاصي بني آدم ، عجبوا من معصيتهم له مع كثرة أَنْعُمِهِ عليهم ، فقال الله تعالى لهم: أما أنكم لو كنتم مكانهم لعملتم مثل أعمالهم ، فقالوا: سبحانك ما ينبغي لنا.

فأمرهم الله أن يختاروا ملكين ليهبطا إلى الأرض ، فاختاروا هاروت وماروت فأُهْبِطَا إلى الأرض، وأحل لهما كل شيء ، على ألا يُشْرِكا بالله شيئاً ، ولا يسرقا، ولا يزنيا، ولا يشربا الخمر ، ولا يقتلا النفس التي حرم الله إلا بالحق.

فعرضت لهما امرأة وكان يحكمان بين الناس تُخَاصِمُ زوجها واسمها بالعربية: الزهرة، وبالفارسية: فندرخت ، فوقعت في أنفسهما ، فطلباها ، فامتنعت عليهما إلا أن يعبدا صنماً ويشربا الخمر ، فشربا الخمر ، وعبدا الصنم ، وواقعاها ، وقتلا سابلاً مر بهما خافا أن يشهر أمرهما ، وعلّماها الكلام الذي إذا تكلم به المتكلم عرج إلى السماء ، فتكلمت وعرجت ، ثم نسيت ما إذا تكلمت به نزلت فمسخت كوكبا ، قال : كعب فوالله ما أمسيا من يومهما الذي هبطا فيه ، حتى استكملا جميع ما نهيا عنه، فتعجب الملائكة من ذلك . ثم لم يقدر هاروت وماروت على الصعود إلى السماء ، فكانا يعلّمان السحر"[1]

ہاروت وماروت دو فرشتے تھے، جن کو اللہ تعالی نے زمین کی طرف بھیجا اس کا سبب یہ تھا کہ جب فرشتوں کو اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش پر واقف کرایا تو انہوں نے آدم پر اللہ کے کثیر انعامات کے باجود لغزش پر تعجب کیا، تو اللہ نے فرمایا کہ ان کی جگہ تم ہوتے تو تم بھی اس طرح عمل کر گزرتے تو فرشتوں نے کہا آپ ہر عیب سے پاک ہے یہ کام ہمیں زیب نہیں دیتا۔

پس اللہ نے ان کو حکم دیا کہ تم دو فرشتوں کا انتخاب کرو تا کہ وہ زمین پر اترے چنانچہ انہوں نے ہاروت وماروت کو چنا ان دونوں کو زمین اتارا گیا اور ان کے لیے سب چیزیں جائز قرار دی گئی سوا اس کے کہ وہ شرک نہیں کرینگے، چوری نہیں کرینگے، زنا نہیں کرینگے شراب نہیں پینگے اور بلاوجہ کسی کو قتل نہیں کرینگے۔

---

(۱) النکت والعیون، تفسیر الماوردی اَبوالحسن، علی بن محمد بن حبیب البصری البغدادی، طبع ۱، ۷\۷۸

ان کے سامنے ایک عورت پیش ہوئی اس حال میں کہ وہ فرشتے لوگوں کا فیصلہ کررہے تھے وہ عورت اپنے شوہر سے مخاصمہ کررہی تھی اس عورت کا نام عربی میں زہرہ تھا اور فارسی میں اس کا نام فندرخت بتایا جاتا ہے، تو وہ عورت ان دو فرشتوں کے دل میں پڑ گئی تو ان فرشتوں نے اس عورت سے ہم کنار ہونا چاہا عورت نے منع کیا تاکہ وہ فرشتے بت کی عبادت کرے شراب پیے، انہوں نے شراب پی، اور بت کی عبادت کی اور اس عورت سے زنا کیا، اور اس شوہر کو قتل کیا تاکہ وہ ان کی بات نہ پھیلائے، اور اس عورت کو انہوں نے وہ کلمات سکھائے جس سے آسمان پر جایا جاسکتا ہے۔ اس نے اس کلمہ کو پڑھا اس پر وہ آسمان چڑھی لیکن اترنے کا کلمہ بھول گئی چنانچہ وہ عورت مسخ ہوئی اور ستارہ بن گئی حضرت کعب احبار کہتے ہیں بخدا انہوں نے ایک شام بھی نہیں گزاری مگر یہ کہ جن کاموں سے منع کئے گئے تھے وہ سب کر گزرے تو فرشتے اس بات سے حیرت میں پڑ گئے پھر ہاروت وماورت آسمان نہیں جاسکے اور وہ لوگوں کو سحر سکھاتے تھے۔

مسلم مفسرین کی اکثریت نے اس واقعہ کو باطل قرار دیا ہے اور اس کو اسرائیلی واقعہ گردانا جو یہود کے باطل عقائد میں سے ہے، جیسے کہ بحوالہ Legends of the Jews گزر گیا ہے۔

اس واقعہ سے یہود کا فرشتوں سے متعلق یہ باطل نظریہ سامنے آتا ہے کہ فرشتوں سے بھی گناہ کا صدور ہو سکتا ہے، جیسے انہوں نے بت کی عبادت کی اور شراب بھی پی لی اور زنا بھی کیا، جو کہ قرآن مجید کی صریح مخالفت ہے۔

قصہ ہاروت ماورت کی استنادی حیثیت مفسرین کی نظر میں:

قرآن کریم میں یہود کے باطل نظریات، عناد، عداوت کا رد موجود ہے، اسی طرح یہ اسرائیلی واقعہ کئی جوانب سے عقلاً ونقلاً باطل ہے۔

ا۔ عصمت ملائکہ:

فرشتوں کی عصمت قرآن کی روشنی میں مبرہن ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَّا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾(۱)

ترجمہ: وہ فرشتے اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہ وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔

---

(۱) سورۃ التحریم:٦٦/ ٦

۲۔وہ مکرم و معزز مخلوق ہے:

گناہوں اور عصیان کا نسبت فرشتوں کی طرف کر کے ان کا عصمت و تکریم مجروح ہوتا ہے اور ساتھ اللہ تعالیٰ کے حکم کی بھی مخالفت لازم آتا ہے۔جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ o لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُم بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ ﴾(۱)

ترجمہ: وہ (اللہ کے) معزز بندے ہیں۔وہ کسی بات (کے کرنے) میں اس سے سبقت نہیں کرتے اور وہ اسی کے امر کی تعمیل کرتے رہتے ہیں ۔

۳۔خوف ملائکہ:

چونکہ فرشتے اللہ کے مقرب مخلوق ہے اللہ کے قدرت و سطوت اور جلالت ہر وقت ان پر ظاہر و باہر رہتا ہے، ان کے لیے کیونکر ممکن ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عصیان کرے بلکہ وہ تو ہر وقت خوفِ خداوندی سے لرزاں و تراساں رہتے ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَخَافُونَ رَبَّهُم مِّن فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴾(۲)

ترجمہ: وہ اپنے رب سے جو ان کے اوپر ہے ڈرتے رہتے ہیں اور جو حکم انہیں دیا جاتا ہے (اسے) بجالاتے ہیں ۔

ان وجوہات اور آیات کے خوبصورت پیرایہ میں فرشتوں سے متعلق اصولی بات سمجھائی گئی ہے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں بیٹے نہیں۔اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے۔اللہ سے ڈرتے ہیں اور جو حکم ان کو دیا جاتا ہے اسی کو بجالاتے ہیں۔لہذا ہاروت وماروت فرشتوں سے متعلق جتنے باطل نظریات پائے جاتے ہیں، ان آیات میں اس کا رد کیا گیا ہے۔اور مسلم مفسرین میں سے بعض نے جو کعب احبار سے واقعہ نقل کیا ہے بلند پایہ مفسرین نے اسے رد کیا ہے ۔علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ ان مفسرین کے آراء کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں: ہاروت اور ماروت کے قصہ میں بہت سے مفسرین نے لکھا ہے کہ زہرہ ایک عورت تھی انہوں نے اس سے اپنی خواہش پوری کرنی چاہی، اس نے کہا پہلے مجھے اسم

---

(۱) سورۃ الانبیاء:۲۱/ ۲۷

(۲) سورۃ النحل:۱۶/ ۵۰

اعظم سکھاؤ۔ وہ یہ اسم پڑھ کر آسمان پر چلی گئی اور ستارہ بن گئی، میرا گمان ہے کہ اس قصہ کو اسرائیلوں نے وضع کیا ہے"۔(۱)

آگے علامہ قرطبی کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ تمام روایات ضعیف ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ سے سے بہت بعید ہے کہ وہ ایسی روایت کریں ان میں سے کوئی روایت صحیح نہیں ہے، فرشتے اللہ کے سفیر اور اس کی وحی پر امین ہیں۔ وہ اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے، وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔ ہر چند کہ عقلا فرشتوں سے معصیت ممکن ہے اور ان میں شہوت کا پیدا ہونا ممکن ہے، اور ہر ممکن اللہ کی قدرت میں ہے لیکن یہ ممکن بغیر کسی صحیح حدیث کے ثابت نہیں ہو سکتا اور اس قصہ میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے، اور اس کے صحیح نہ ہونے پر یہ دلیل ہے کہ جب اللہ نے سات آسمانوں کو پیدا کیا اس وقت اللہ تعالی نے آسمانوں میں ان سات سیاروں کو پیدا کیا۔ زحل مشتری، بہرام، عطارد، زہرہ، شمس، اور قمر۔ اور اس روایت میں یہ بیان کیا ہے کہ وہ عورت زہرہ ستارہ بن گئی"۔(۲)

تفسیر کبیر کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ تمام روایات فاسد، مردود اور غیر مقبول ہیں، کتاب اللہ میں ان میں سے کسی پر دلالت نہیں ہے، اور قرآن مجید میں فرشتوں کی عصمت بیان کی گئی ہے، یہ روایات اس کی مخالف ہیں"۔(۳)

اسی طرح ان روایات پر علامہ ابو الحیان اندلسی کا تبصرہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ان روایات میں سے کوئی چیز صحیح نہیں ہے، اور فرشتے معصوم ہیں وہ اللہ تعالی کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرتے، اور فرشتوں کو جادو سکھانے کے لیے اس لیے بھیجا گیا تھا کہ جس جادو سے اللہ تعالی کے دشمنوں اور اس کے دوستوں میں تفرقہ ہو جائے وہ اس زمانہ میں مباح یا مستحب تھا"۔(۴)

---

(۱) تبیان القرآن، ۱\۴۷۰ . دیکھئے تفسیر ابن کثیر: ۱\۲۰۷

(۲) ایضاً، ۱\۴۷۱ دیکھئے تفسیر قرطبی: ۲\۵۲

(۳) ایضاً، ۱\۴۷۱ دیکھئے ابن کثیر: ۲\۵۲

(۴) ایضاً، ۱\۴۷۱ دیکھئے تفسیر ابن کثیر: ۲\۵۳

"یہ روایات یہود سے نقل کی گئی ہیں اور یہ ہو سکتا ہے کہ متقدمین کی رموز ہوں جن کا حل کرنا اہل علم پر مخفی نہیں ہے"۔ (۱)

مذکورہ بالا واقعہ کی تردید پر دیگر مفسرین نے بھی کم و بیش انہی آراء کا اظہارِ خیال کیا ہے، جن کی دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

پیر محمد کرم شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس واقعہ کو رد کرتے ہوئے لکھا ہے:

"باقی رہی وہ روایات کہ زہرہ نامی بدکارہ نے ان فرشتوں ہاروت و ماروت کو اپنے دام عشق میں گرفتار کر لیا اور اس کے کہنے پر دونوں نے شراب پیا اور بدکاری کی اور اب وہ بابل کے کسی کنویں میں اوندھے لٹکے ہوئے ہیں۔ یہ روایت علماء محققین کے نزدیک مردود اور غیر مقبول ہے۔ (۲)

حاصل کلام:

یہود فرشتوں متعلق جو غلط عقائد رکھتے تھے قرآن کریم میں اس پر واضح رد موجود ہے، مثلاً جبریل امین متعلق ان کا غلط نظریہ یہ تھا کہ وہ ہمارے دشمن ہے ہمارے ساتھ دشمنی برتتے ہیں حالانکہ فرشتے ہر قسم کے سفلی جذبات سے مبرا ہیں وہ اللہ کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کرتے، اس لیے اللہ تعالی نے واضح انداز میں اس نظریہ کو رد فرمایا اور پیغام دیا کہ جو جبریل امین کا دشمن ہو گا وہ درحقیقت اللہ تعالی کا دشمن ہے۔

اسی طرح ان کا ہاروت و ماروت متعلق یہ غلط نظریہ پایا جاتا ہے کہ وہ معاصی میں مبتلاء ہو کر بت بن گئے تھے تو اس میں ضمناً یہ عقیدہ سامنے آتا ہے کہ فرشتے گناہ کر سکتے ہیں قرآن کریم کی درج بالا آیات سے یہ صاف واضح ہے کہ فرشتے اللہ کے حکم عدولی نہیں کرتے، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ وہ وہی کام کرتے ہیں جو انہیں کہا جاتا ہے، یہی آیات یہود کے مزعومہ و منقولہ واقعات اور کعب احبار سے نقل کردہ حکایت کے رد میں کافی ہیں۔ اس قسم کے دیگر واقعات جو مسلم عقائد اسلام کے خلاف ہوں گے، مردود قرار دیئے جاتے ہیں۔

---

(۱) تبیان القرآن، ۱\۴۷۶، دیکھئے تفسیر قرطبی: ۲\۵۳

(۲) ضیاء القرآن، جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، جمادی الثانی، ۱۴۰۳ھ، ۱\۸۲

فصل دوم:

فرشتوں سے متعلق نصاری کا نظریہ

نصاری کے مختلف مکاتب فکر ہیں جس میں کیتھولک پروٹیسٹنٹ اور ارتھوڈکس مشہور ہیں۔ ان مکاتب کا ملائکہ کے متعلق کچھ متفقہ اور مختلف فیہ تصورات ہیں جن کو بالاختصار ذکر کیا جاتا ہے:

مذکورہ بالا فرق کا تقریبا اس بات پر اتفاق ہے کہ فرشتے روحانی مخلوق ہیں وہ مکرم ہیں ذی ارادہ ہیں اور کار کائنات میں اللہ تعالیٰ کے مدبر ہیں ان کی مختلف ذمہ داریاں ہیں۔ لیکن جس طرح یہود کا ملائکہ کے متعلق باطل نظریات کا رد ہوا ہے اسی طرح نصاری کے بھی کچھ نظریات ان کی کتابوں میں ملتے ہیں۔ لہذا ضروری ہے کہ ذیل میں ان کے نظریات کا قرآنی آیات کی روشنی میں جائزہ لیا جائے۔

نصاری کے فرقے:

حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں مسیحی فرقوں میں اختلاف پایا جاتا ہے، ان کے تقریبا ایک سو پندرہ فرقے ہیں لیکن بنیادی فرقے یہی ہیں پولسی فرقہ، نسطوری فرقہ، یعقوبی فرقہ۔

پولسی فرقہ:

پانچویں صدی عیسوی میں پولسی فرقہ نمودار ہوا اس نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں ایک بین بین رائے ظاہر کی، اس نے کہا کہ حضرت مسیح خدا نہیں تھے، بلکہ فرشتے تھے انہیں اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھیجا تھا تاکہ وہ دنیا کی اصلاح کریں، چنانچہ وہ مریم کے پیٹ سے ایک انسان کی شکل اختیار کر کے پیدا ہوئے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا مخصوص جلال عطا کیا تھا اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے کہلائے۔

نسطوری فرقہ:

پانچویں صدی کے وسط میں نسطوری فرقہ کھڑا ہوا جس کا لیڈر نسطوریوس تھا اس نے اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے ایک نیا فلسفہ پیش کیا، اور وہ یہ کہ عقیدہ حلول کی تمام تر مشکلات اس مفروضے کی بناء پر ہیں کہ حضرت مسیح کو ایک شخصیت قرار دے کر ان کے لیے دو حقیقتیں ثابت کی گئی ہے ایک انسانی اور ایک خدائی۔

یعقوبی فرقہ:

چھٹی صدی عیسوی میں یعقوبی فرقہ پیدا ہوا، اس فرقہ کا نظریہ آریوس اور نسطوریوس دونوں کے بالکل برعکس تھا، نسطوریوس نے حضرت مسیح علیہ السلام کے وجود میں دو حقیقتوں کے ساتھ دو شخصیتیں ثابت کی تھیں، یعقوب نہ کہا کہ حضرت مسیح نہ صرف یہ کہ ایک شخصیت تھے بلکہ ان میں حقیقبت بھی صرف ایک پائی جاتی تھی، اور وہ تھی خدائی وہ صرف خدا تھے گو ہمیں انسان کی شکل میں نظر آتے ہوں۔ یہ نظریہ یعقوب برذعانی کے علاوہ بعض دوسرے فرقوں نے بھی اپنایا تھا اس قسم کے فرقوں کو مونوفیسی فرقے کہا جاتا ہے۔[۱]

اتخاذ ولد کا عقیدہ:

جیسے کہ اوپر ذکر ہوا کہ نصاری میں یہ نظریہ بھی موجود رہا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو باپ اور عیسی علیہ السلام کو ان کا بیٹا قرار دیتے ہیں، تمام اناجیل کے مطالعہ سے مبرہن ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو باپ اور عیسی علیہ السلام کو بیٹے سے تعبیر کرتے ہیں۔ انجیل یوحنا میں ہے:

ابتداء میں کلام تھا، اور کلام اللہ تعالیٰ کے ساتھ، اور کلام اللہ تعالیٰ تھا، یہی ابتداء میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ تھا۔[۲]

آیت نمبر ۱۴ میں لکھتے ہیں:

اور کلام مجسم ہوا اور فضل اور سچائی سے معمور ہو کر ہمارے درمیان رہا، اور ہم نے اسکا ایسا جلال دیکھا جیسا باپ کے اکلوتے کا جلال۔[۳]

آگے لکھتے ہیں:

باپ مجھ سے بڑا ہے۔[۴]

رکوع نمبر ۱۰ میں لکھتے ہیں:

میں اور باپ ایک ہیں۔[۵]

---

(۱) عیسائیت کیا ہے، مفتی محمد تقی عثمانی، دار الاشاعت کراچی، ص: ۳۷-۳۹

(۲) یوحنا: ۱: ۱-۲

(۳) ایضاً: ۱۴:۱

(۴) ایضاً: ۱۴: ۲۸

(۵) ایضاً: ۱۰: ۳۰

رد نظریہ اتخاذ ولد:

مذہب اسلام میں جو تصور خدا موجود ہے اس میں اللہ تعالیٰ یکتا ہے بے نیاز ہے نہ وہ اولاد جنتا ہے اور نہ وہ کسی کا بیٹا ہے۔ قرآن کریم سورہ اخلاص سے اس باطل نظریے کی مکمل تصریح کے ساتھ تردید ہوتی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ٥ اللَّهُ الصَّمَدُ ٥ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ٥ وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ ﴾[(۱)]

ترجمہ: (اے نبیٔ مکرّم!) آپ فرما دیجئے: وہ اللہ ہے جو یکتا ہے۔ اللہ سب سے بے نیاز، سب کی پناہ اور سب پر فائق ہے۔ نہ اس سے کوئی پیدا ہوا ہے اور نہ ہی وہ پیدا کیا گیا ہے۔ اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے۔

سورہ انبیاء میں اللہ تعالیٰ نصاری کے مسیح کے بیٹے ہونے اور مشرکین کے فرشتوں کی بیٹیاں قرار دینے کے نظریے کو رد فرماتے ہیں جس کے ضمن میں یہود و نصاری کے فرشتوں متعلق یہ باطل تصور بھی رد ہو جاتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ ٥ لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُم بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ ٥ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَى وَهُم مِّنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ ﴾[(۲)]

ترجمہ: یہ لوگ کہتے ہیں کہ (خدائے) رحمان نے (فرشتوں کو اپنی) اولاد بنا رکھا ہے وہ پاک ہے، بلکہ (جن فرشتوں کو یہ اُس کی اولاد سمجھتے ہیں) وہ (اللہ کے) معزز بندے ہیں۔ وہ کسی بات (کے کرنے) میں اس سے سبقت نہیں کرتے اور وہ اسی کے امر کی تعمیل کرتے رہتے ہیں۔ وہ (اللہ) ان چیزوں کو جانتا ہے جو ان کے سامنے ہیں اور جو ان کے پیچھے ہیں اور وہ (اس کے حضور) سفارش بھی نہیں کرتے مگر اس کے لئے (کرتے ہیں) جس سے وہ خوش ہو گیا ہو اور وہ اس کی ہیبت و جلال سے خائف رہتے ہیں۔

اس آیت کے ذیل میں صاحب تفسیر نسفی لکھتے ہیں:

---

(۱) سورۃ الاخلاص ۱۱۲/ : ۱-۴

(۲) سورۃ الانبیاء: ۲۱/ ۲۶-۲۸

"ثم أخبر عنهم بأنهم عباد بقوله { بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ } أي بل هم عباد مكرمون مشرفون مقربون وليسوا بأولاد إذ العبودية تنافي الولادة"[1]

پھر اللہ نے ان کے بارے میں خبر دی کہ فرشتے اللہ کے بندے ہیں بلکہ مکرم بندے ہیں صاحب شرف وصاحب قرب بندے ہیں اللہ کی اولاد نہیں ہیں کیونکہ عبودیت اور ولادت میں منافات ہے۔

علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے ذیل میں رقم طراز ہیں:

"اولاد والد کے مشابہ ہوتی ہے، اللہ تعالی واجب اور قدیم ہے اگر فرشتہ اللہ تعالی کی بیٹیاں ہوتے تو وہ بھی واجب اور قدیم ہوتے جب کہ وہ ممکن اور حادث ہیں اس سے معلوم ہوا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں نہیں ہیں، نیز اولاد غلام نہیں ہوتی، فرشتے اللہ تعالی کے بندے اور غلام ہیں وہ اللہ تعالی کی اولاد کس طرح ہوسکتے ہیں۔ اللہ تعالی ان کو جو حکم دیتا ہے، وہ اس کے سامنے چون وچرا نہیں کرتے، اس کے حکم کو ماننے میں پس وپیش نہیں کرتے وہ اس کی کامل اتباع کرتے ہیں وہ اس کی اولاد کیونکر ہوسکتے ہیں کیونکہ کوئی شخص اپنی اولاد کو اپنا غلام نہیں بناتا"۔[2]

گرچہ ان آیات میں قبیلہ بنو خزاعہ[3] کے اس نظریے کو رد کیا گیا ہے کہ فرشتے اللہ تعالی کی بیٹیاں ہیں لیکن آیات اپنے عموم کے ساتھ ہیں کہ اللہ ولد جننے سے منزہ ہے، اور ولد عربی کا لفظ ہے جو نرینہ وزنانہ دونوں اولاد پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ لہذا ان آیات میں یہود ونصاری کے اس مزعومہ عقیدے کی مکمل تردید ہو جاتی ہے۔

---

(۱) مدارک التنزیل وحقائق التأویل، النسفي، أبو البركات، عبد الله بن أحمد، الطبعة الخامسة، المكتبة الشاملة، ۲\۳۲۱

(۲) تبیان القرآن، علامہ غلام رسول سعیدی، فرید بک سٹال، طبعہ سادس، ۲۰۰۸ء، ۷\۵۳۷-۵۳۸

(۳) قحطانی عربوں کا ایک مشہور قبیلہ جو قدیم زمانے میں یمن میں آباد تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ولادت سے بہت پہلے ان لوگوں نے جنوبی حجاز اور مکہ پر قبضہ کر لیا اور بنی جرہم کو حجاز سے بے دخل کر دیا جو پرانے وقتوں سے یہاں کے بااختیار آزاد باشندے تھے۔ حضور کے جد اعلیٰ قُصی نے بنو خزاعہ کو مکے سے نکال کر اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ مکے سے نکل کر یہ قبیلہ جدہ کے قریب آباد ہو گیا۔ ظہور اسلام کے بعد، صلح حدیبیہ کی رو سے، یہ لوگ مسلمانوں کے حلیف بن گئے۔ ۸ ہجری میں بنو بکر اور قریش نے ان پر حملہ کر دیا تو ان کا ایک وفد مدینہ منورہ دربار رسالت میں حاضر ہو کر طالب امداد ہوا۔ معاہدے کی بنا پر نبی کریم ان کی مدد کے پابند تھے۔ اس لیے آپ نے دس ہزار صحابہ کے ساتھ مل کر مکہ پر چڑھائی کی، جس کے نتیجے میں مکہ فتح ہو گیا۔ اس طرح یہ قبیلہ فتح مکہ کا سبب بنا۔

فرشتے مرتے نہیں ہیں:

نصاری کا فرشتوں سے متعلق یہ بھی نظریہ بھی نقل کیاجاتا ہے کہ وہ ابدی مخلوق ہیں اور ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے کائنات کے نظام کو سنبھالا ہے موسوعۃ الحقائق الکتابیۃ میں، برسوم میخائیل لکھتا ہے:

"ملائکہ ارواح ہیں، اور ارواح کا نہ گوشت ہوتا ہے، اور نہ ہڈی۔ پس وہ نہ شادی کرتے ہیں اور نہ مرتے ہیں ان کا ٹھکانہ آسمان ہے، اوران کی تعداد بے شمار"۔ (۱)

رد نظریہ ابدیت ملائک:

اس نظریے کی تردید قرآن کریم کی متعدد آیات سے ہوتی ہے سورہ رحمن میں ارشاد اللہ تعالیٰ ہے:

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ٥ وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾ (۲)

ترجمہ: ہر کوئی جو بھی زمین پر ہے فنا ہو جانے والا ہے۔ اور آپ کے رب ہی کی ذات باقی رہے گی جو صاحبِ عظمت و جلال اور صاحبِ انعام واکرام ہے۔

سورہ عنکبوت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ﴾ (۳)

ترجمہ: ہر ذی جان دار نے موت کا مزہ چکھنا ہے، پھر ان کی واپسی ہماری طرف ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی ذات کے علاوہ تمام مخلوقات نے مرنا ہے۔ چاہے وہ انبیاء ہو یا ملائکہ مقربین یعنی فرشتے یہاں تک کہ موت کو بھی موت آجائے گی۔

روح القدس کی الوہیت کا نظریہ:

عیسائیت میں جب تحریفات ہونی لگی تو نصاری نے یہ نظریہ بھی قائم کیا کہ اللہ تعالیٰ تین اقانیم کا مجموعہ ہے یعنی باپ: اللہ تعالیٰ، بیٹا یعنی مسیح اور روح القدس یعنی جبریل امین، یہ تینوں اللہ تعالیٰ ہے اور اور یہ تینوں ایک ہے یعنی اللہ تعالیٰ

---

(۱) موسوعۃ الحقائق الکتابیۃ، برسوم میخائیل، دار الإخوۃ للنشر، الطبعۃ الثالثۃ، ۲۰۰۴، ص: ۱۷۱

(۲) سورۃ الرحمن: ۵۵/ ۲۶-۲۷

(۳) سورۃ العنکبوت: ۲۹/ ۵۷

ایک ہے۔ نظریہ کی رو سے دیکھا جائے تو اس میں اجل فرشتہ یعنی جبریل امین کے متعلق الوہیت کا تصور پایا جارہا ہے۔ تورات کتاب پیدائش میں لکھا ہوا ہے:

"خدا (باپ) نے ابتدا میں زمین و آسمان کو پیدا کیا۔ اور زمین ویران اور سنسان تھی اور گہراؤ کے اوپر اندھیرا تھا اور خدا کی رُوح (رُوح القدس) پانی کی سطح پر جنبش کرتی تھی۔ اور خدا نے کہا (خدا کا کلمہ مسیح)، روشنی ہو جا اور روشنی ہو گئی"۔[1]

یہی تثلیث مسیحی ایمان کی بنیاد ہے۔ عیسی علیہ السلام پر ایمان اُسی وقت مکمل ہو سکتا ہے جب اُس کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور رُوح القدس کو بھی تسلیم کیا جائے۔ مسیحی ایمان میں شامل ہونے کا بپتسمہ دراصل تثلیث کا بپتسمہ ہے۔ بقول نصاری یسوع مسیح خود تثلیث کے نام پر قوموں کو مسیحی ایمان میں شامل کرنے کا حکم دیتا ہے:

"پس تم جا کر سب قوموں کو شاگرد بناؤ اور ان کو باپ اور بیٹے اور رُوح القدس کے نام سے بپتسمہ دو"۔[2]

انسائیکلوپیڈیا آف برطانیہ میں نصاری کی تثلیث متعلق لکھا ہے کہ باپ بیٹا اور روح القدس اللہ تعالیٰ ہے۔[3] ان تینوں میں سے ہر ایک بذات خود اللہ تعالیٰ ہے جیسا مجموعہ خدا۔[4]

نظریہ الوہیتِ روح القدس کا جائزہ:

قرآن کریم میں فرشتوں کی عبودیت پر مصرح آیات موجود ہیں اور جیسا کہ ماقبل میں بھی واضح ہوا ہے کہ عبودیت اور الوہیت میں منافات ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَٰنُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ o لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُم بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ o يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ وَهُم مِّنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ ﴾[5]

---

(۱) تورات، کتاب: پیدائش، ۱:۱۔۳

(۲) انجیل متی: ۲۸:۱۹

(۳) انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا، ج:۲۲ص:۴۷۹

(4) Hibbert journal xxiv no: 1

(۵) سورۃ الانبیاء:۲۱/ ۲۶-۲۸

ترجمہ: یہ لوگ کہتے ہیں کہ (خدائے) رحمان نے (فرشتوں کو اپنی) اولاد بنا رکھا ہے وہ پاک ہے، بلکہ (جن فرشتوں کو یہ اُس کی اولاد سمجھتے ہیں) وہ (اللہ کے) معزز بندے ہیں۔ وہ کسی بات (کے کرنے) میں اس سے سبقت نہیں کرتے اور وہ اسی کے امر کی تعمیل کرتے رہتے ہیں۔ وہ (اللہ) ان چیزوں کو جانتا ہے جو ان کے سامنے ہیں اور جو ان کے پیچھے ہیں اور وہ (اس کے حضور) سفارش بھی نہیں کرتے مگر اس کے لئے (کرتے ہیں) جس سے وہ خوش ہو گیا ہو اور وہ اس کی ہیبت و جلال سے خائف رہتے ہیں۔

ان آیات کی تشریح میں علامہ نسفی لکھتے ہیں:

"ثم أخبر عنهم بأنهم عباد بقوله { بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ } أي بل هم عباد مكرمون مشرفون مقربون وليسوا بأولاد إذ العبودية تنافي الولادة"[1]

پھر اللہ نے ان کے بارے میں خبر دی کہ فرشتے اللہ کے بندے ہیں بلکہ مکرم بندے ہیں صاحب شرف وصاحب قرب بندے ہیں اللہ کی اولاد نہیں ہیں کیونکہ عبودیت اور ولادت میں منافات ہے۔

فرشتے اللہ تعالی کے بندے اور غلام ہیں وہ الہ کس طرح ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالی ان کو جو حکم دیتا ہے، وہ اس کے سامنے چون وچرا نہیں کرتے، اس کے حکم کو ماننے میں پس وپیش نہیں کرتے وہ اس کی کامل اتباع کرتے ہیں بلکہ قرآن کریم کے مطابق وہ فرمان بردار مخلوق ہیں۔

سو جو خود اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرمو انحراف نہیں کر سکتے وہ کیسے خدا ہو سکتے ہیں بلکہ وہ تو خود ہمہ وقت اللہ کے احکام کے پیروی میں لگے رہتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم عدولی سے خائف رہتے ہیں۔

سورہ نحل میں ارشاد ہے:

﴿ يَخَافُونَ رَبَّهُم مِّن فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴾[2]

ترجمہ: وہ اپنے رب سے جو ان کے اوپر ہے ڈرتے رہتے ہیں اور جو حکم انہیں دیا جاتا ہے (اسے) بجالاتے ہیں۔

---

(۱) مدارک التنزیل وحقائق التأویل، النسفی، أبو البرکات، عبداللہ بن أحمد، ۲\۳۲۱

(۲) سورۃ النحل:۱۶/ ۵۰

الہ تو بے نیاز ہوتا ہے وہ کسی سے خوف نہیں کھاتا تو جبریل جو من نوع ملائک ہے اور ملائک رب سے ڈرتے رہیے ہیں تو معلوم ہوا کہ جبریل نہ الہ ہے اور نہ اللہ تعالیٰ اقانیم ثلاثہ کا مجموعہ۔

بعض فرشتوں کا گناہ گار ہونا:

نصاریٰ کے ہاں یہ تصور موجود ہے کہ فرشتوں سے گناہ کا صدور ممکن ہے، جس طرح یہود کا نظریہ تھااور ہاروت ماروت متعلق وہ عصیان کے قائل ہیں۔ نصاریٰ کا یہ عقیدہ پطرس کے خط میں واشگاف الفاظ میں موجود ہے:

" کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے گناہ کرنے والے فرشتوں کو نہ چھوڑا بلکہ جہنّم میں بھیج کر تارِیک غاروں میں ڈال دِیا تاکہ عدالت کے دِن تک حراست میں رہیں"۔[۱]

اس خط میں جو تاریک غاروں کا ذکر ہے دیگر قرائن سے یہی معلوم ہو رہا ہے کہ یہ نظریہ ان کو یہود سے ملا ہے جو عزازیل اور شمہازی کے حوالے سے وہ نقل کرتے ہیں کہ وہ زہرہ کے عشق میں مبتلا ہوئے اور قیامت تک ایک کنوئیں میں قید ہوئے ہیں۔ اس کی وجہ غالبایہی ہے کہ نصاریٰ عہد قدیم (توارت) اور عہد نامہ جدید (انجیل) دونوں کو مانتے ہیں۔

ملائکہ کی نافرمانی اور قرآن:

قرآن کریم میں اس تصور کا رد مکمل صراحت کے ساتھ موجود ہے نعوذ باللہ ملائکہ سے معصیت کا صدور ہوتا ہے:

﴿لاَّ يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾[۲]

ترجمہ: وہ فرشتے اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہ وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔

بلکہ سورۃ انبیاء میں یہ بھی ذکر ہے کہ وہ تو مطیع فرمانِ الٰہی ہے:

﴿لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ﴾[۳]

اس کے آگے بڑھ کر بول نہیں سکتے۔ اور اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔

ان آیات کے ذیل میں علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ امام رازی کا حوالہ دیکر لکھتے ہیں:

---

(۱) بائبل، پطرس، ۲: ۴

(۲) التحریم:۶۶/ ۶

(۳) الأنبیاء:۲۱/ ۲۷

"یہ آیت تین چیزوں پر دلالت کرتی ہے: اول یہ کہ فرشتے پابند ہیں اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کو بجا لانے کے کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے: وہ کسی بات میں اس پر سبقت نہیں کرتے اور وہ اس کے حکم پر ہی عمل کرتے ہیں اور فرمایا وہ اس کے خوف سے لرزہ براندام ہیں، اس میں ان کو وعید سنائی ہے۔ دوم: یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ فرشتے معصوم ہیں، کیونکہ فرمایا وہ اس کے حکم پر ہی عمل کرتے ہیں۔ سوم: اس آیت میں وعید کا عموم ہے کیونکہ فرمایا ہم اسی طرح ظالموں کو سزا دیتے ہیں لیکن چونکہ اللہ تعالی گناہ گار مسلمانوں کو اپنے فضل سے معاف فرمادے گا اس لیے اس آیت میں ظالم سے مراد کافر ہیں"۔ [1]

حاصل کلام:

نصاری فرشتوں متعلق جو باطل نظریات کے حامل تھے اس میں ایک ان کا یہ باطل نظریہ تھا کہ نعوذ باللہ فرشتے ابدی مخلوق ہے، دوم یہ کہ روح القدس یعنی جبریل امین بھی اقالیم ثلاثہ کا اقلیم ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ ہے، سوم ان کا باطل نظریہ یہ تھا کہ فرشتوں سے بھی معاصی کا صدور ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالی نے ان کے تمام باطل نظریات کو مسترد کیا ہے، کہ ابدی ذات فقط اللہ تعالیٰ کی ہے باقی سب پر فناء کی چادر تنی ہوئی ہے، روح القدس اللہ تعالی کی مخلوق ہے اور وہ ہمہ وقت اللہ تعالی کے اوامر کی تنفیذ میں مصروف رہتے ہے۔ اور خوف خدا سے لرزتے ہے۔ نیز نصاری کے اس باطل نظریہ کا رد بھی قرآن میں موجود ہے کہ فرشتوں سے معاصی کا صدور ہوتا ہے۔

---

(۱) تبیان القرآن، ۷\۵۳۹ (دیکھیے تفسیر رازی: ۱\۴۴۲)

فصل سوم:

فرشتوں سے متعلق مشرکین کا نظریہ

قرآن کریم میں جن فرق باطلہ کے عقائد و نظریات کا رد شرح وبسط کے ساتھ موجود ہے، ان میں مشرکین عرب بھی ہے۔ خاص کر ان سے متعلق کافی تفصیلات قرآن مجید میں موجود ہیں کیونکہ اسلام کا اولین سامنا مشرکین عرب سے ہی تھا۔ ذیل میں فرشتوں سے متعلق ان کے نظریات کا جائزہ قرآنی آیات کی روشنی میں لیا جاتا ہے۔

فرشتے اللہ تعالی کی بیٹیاں ہیں:

مشرکین عرب میں سے خاص کر قبیلہ بنو خزاعہ کے لوگ فرشتوں کے بارے میں یہ نظریہ رکھتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالی کی بیٹیاں ہیں۔ وہ اس طرح کہ اللہ تعالی نے جنیات سے رشتہ ازدواج قائم کیا تو ان سے فرشتوں کی نسل پیدا ہوئی۔ اس زعم اور خیال کے بارے میں غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"مشرکین کہتے تھے کہ اللہ تعالی نے جنات سے رشتہ ازداج قائم کیا جس سے بیٹیاں پیدا ہوئیں اور وہ بیٹیاں یہی فرشتے ہیں"۔ (۱)

قرآن کریم نے ان کے اس دعوی کی طرف سورہ الصافات میں ان الفاظ سے اشارہ کیا ہے:

﴿ وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ﴾ (۲)

ترجمہ: اور انہوں نے (تو) اللہ اور جِنّات کے درمیان (بھی) نسبی رشتہ مقرر کر رکھا ہے۔

نظریہ اتخاذ ولد اور قرآن مجید:

مشرکین کے اس باطل نظریہ کو قرآن مجید نے متعدد مقامات پر رد کیا ہے۔ مثلاً سورہ صافات میں ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ ○ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يَصِفُونَ ○ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴾ (۳)

---

(۱) تبیان القرآن: ۵۳۷/۷

(۲) سورۃ الصافات: ۱۵۸/۳۷

(۳) ایضاً: ۱۵۸-۱۶۰

ترجمہ: اور انہوں نے (تو) اللہ اور جِنّات کے درمیان (بھی) نسبی رشتہ مقرر کر رکھا ہے، حالانکہ جنّات کو معلوم ہے کہ وہ (بھی اللہ کے حضور) یقیناً پیش کیے جائیں گے۔ اللہ ان باتوں سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں ۔ مگر اللہ کے چُنیدہ و برگزیدہ بندے (اِن باتوں سے مستثنٰی ہیں)۔

اس نظریے کے بارے میں مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جنات کی سردارزادیاں فرشتوں کی مائیں ہیں، گویا معاذ اللہ جنات کی سردار زادیوں سے اللہ تعالی کا زوجیت کا تعلق ہے، اور اسی تعلق کے نتیجے میں فرشتے وجود میں آئے ہیں چنانچہ ایک تفسیری روایت میں ہے کہ جب مشرکین عرب نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ ان کی ماں کون ہے؟ انہوں نے جواب میں کہا کہ جنات کی سردارزادیاں"۔ [1]

آگے لکھتے ہیں:

"اور جنات کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ گرفتار ہوں گے ۔۔ مطلب یہ ہے کہ جن شیاطین اور جنات کو تم نے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرا رکھا ہے وہ خود اچھی طرح جانتے ہیں کہ آخرت میں ان کا برا حشر ہونے والا ہے"۔ [2]

اللہ تعالی نے مشرکین کے اس نظریے کو باطل قرار دیا۔ جن جنات اللہ کا سسرالی ہیں ان کو معلوم ہے کہ ان کا مواخذہ ہونے والا ہے۔ آخر تم نے یہ کیسے تصور کر لیا کہ یہ جنات اللہ کے سسرالی ہیں اور فرشتے اللہ کی بیٹیاں۔ اس لیے اللہ تعالی فرماتے ہیں **سبحان اللہ عما یصفون**، اللہ پاک ہے ان باتوں سے جو یہ لوگ بتاتے ہیں یعنی اللہ تعالی کی کوئی بیٹیاں نہیں ہیں۔ بیٹے، بیٹیاں تو کمزوری کی علامت ہے، جس سے اللہ تعالیٰ پاک ہے۔

ان آیات سے چند آیات قبل اللہ تعالی نے ایک الزامی جواب دیا ہے کہ اول تو اللہ کی اولاد نہیں ہیں اگر ہوتی بھی تو تم خود لڑکی کی پیدائش پر دل گرفتہ ہوتے ہو اور نرینہ اولاد کی پیدائش پر خوش ہوتے ہو پھر تم نے ایسی ناانصاف تقسیم کی کہ خود کے لیے بیٹے پسند کر لیے اور اللہ کے لیے بیٹیاں یعنی جو تم اپنے لیے پسند نہیں کرتے تو اللہ کے لیے کیسے پسند کر لیا؟ ارشاد باری تعالی ہے:

---

(۱) معارف القرآن: ۷\۴۸۵

(۲) ایضاً

﴿ فَاسْتَفْتِهِمْ أَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُونَ * أَمْ خَلَقْنَا الْمَلَائِكَةَ إِنَاثًا وَهُمْ شَاهِدُونَ * أَلَا إِنَّهُم مِّنْ إِفْكِهِمْ لَيَقُولُونَ * وَلَدَ اللَّهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ * أَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِينَ * مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ * أَفَلَا تَذَكَّرُونَ * أَمْ لَكُمْ سُلْطَانٌ مُّبِينٌ * فَأْتُوا بِكِتَابِكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴾[1]

ترجمہ: پس آپ اِن (کفّارِ مکّہ) سے پوچھئے کیا آپ کے رب کے لئے بیٹیاں ہیں اور ان کے لئے بیٹے ہیں۔ کیا ہم نے فرشتوں کو عورتیں بنا کر پیدا کیا تو وہ اس وقت (موقع پر) حاضر تھے۔ سن لو! وہ لوگ یقیناً اپنی بہتان تراشی سے (یہ) بات کرتے ہیں۔ کہ اللہ نے اولاد جنی، اور بیشک یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ کیا اس نے بیٹوں کے مقابلہ میں بیٹیوں کو پسند فرمایا ہے (کفّارِ مکّہ کی ذہنیت کی زبان میں انہی کے عقیدے کا رڈ کیا جارہا ہے)۔ تمہیں کیا ہوا ہے؟ تم کیسا انصاف کرتے ہو؟ کیا تم غور نہیں کرتے؟ کیا تمہارے پاس (اپنے فکر و نظریہ پر) کوئی واضح دلیل ہے۔ تم اپنی کتاب پیش کرو اگر تم سچے ہو۔

ان آیات میں اللہ تعالی نے کیسے مشرکین کے اس مزعومہ نظریے کا رد کیا۔ کس طرح عقلی و عرفی دلائل سے ان کا مدعی رد ہوا ہے۔ مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"ان لوگوں سے جو ملائکہ اور جنات کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں اس طرح کہ ملائکہ کو نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں اور جنات کے سرداروں کی بیٹیوں کو ان فرشتوں کی مائیں قرار دیتے ہیں جس سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالی کا فرشتوں سے نسبی رشتہ ہے، اور جنات سے زوجیت کا تعلق ہے سو ان سب سے پوچھیے کہ کیا اللہ تعالیٰ کے لیے تو بیٹیاں ہوں اور تمہارے لیے بیٹے ہوں یعنی جب اپنے لیے بیٹے پسند کرتے ہو تو عقیدہ مذکور میں اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں کیسے تجویز کرتے ہو، پس اس عقیدے میں ایک خرابی تو یہ ہے اور ہاں دوسری بات سنو کہ کہ کیا ہم نے فرشتوں کو عورت بنایا ہے اور وہ ان کے بننے کے وقت دیکھ رہے تھے یعنی ایک دوسری برائی یہ ہے کہ فرشتوں پر بلا دلیل مؤنث ہونے کے تہمت رکھتے ہیں خوب سن لو کہ وہ لوگ دلیل کچھ نہیں رکھتے بلکہ محض سخن تراشی سے کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ اللہ صاحب اولاد ہے اور وہ یقینا بالکل جھوٹے

(۱) سورۃ الصافات: ۳۷/ ۱۴۹-۱۵۷

ہیں پس اس عقیدے میں تیسری برائی یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف اوالد کی نسبت لازم آتی ہے، ان میں سے پہلی برائی کا قبح عرف سے دوسری کا نقل سے اور تیسری کا عقل سے ثابت ہے۔ اور چونکہ جاہلوں کے لیے عرفی برائی کا اثبات زیادہ مؤثر ہوتا ہے اس لیے پہلی برائی کو دوسرے عنوان سے مکرر فرماتے ہیں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے بیٹوں کے مقابلے میں بیٹیاں زیادہ پسند کیں؟ تم کو کیا ہو گیا تم کیسا بیہودہ حکم لگاتے ہو؟ جس کو عرفاً خود بھی برا سمجھتے ہو پھر علاوہ عرف کے کیا تم عقل اور سوچ سے کام نہیں لیتے ہو کہ یہ عقیدہ عقل کے بھی خلاف ہے ہاں اگر دلیل عقلی نہیں تو کیا تمہارے پاس اس پر کوئی واضح دلیل موجود ہے اس سے مراد نقلی دلیل ہے سو تم اگر اس میں سچے ہو تو اپنی وہ کتاب پیش کرو اور عقیدہ مذکورہ میں ملائکہ کو اولاد قرار دینے کے علاوہ ان لوگوں نے اللہ میں اور جنات میں بھی رشتہ داری قرار دی ہے جس کا بطلان اور بھی زیادہ ظاہر ہے"۔ (۱)

اسی طرح سورہ انبیاء میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے اس نظریے کو رد کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَٰنُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ ﴾ (۲)

ترجمہ: یہ لوگ کہتے ہیں کہ (خدائے) رحمان نے (فرشتوں کو اپنی) اولاد بنا رکھا ہے وہ پاک ہے، بلکہ (جن فرشتوں کو یہ اُس کی اولاد سمجھتے ہیں) وہ (اللہ کے) معزز بندے ہیں ۔

علامہ سعیدی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"اولاد والد کے مشابہ ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ واجب اور قدیم ہے اگر فرشتہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہوتے تو وہ بھی واجب اور قدیم ہوتے جب کہ وہ ممکن اور حادث ہیں اس سے معلوم ہوا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں نہیں ہیں، نیز اولاد غلام نہیں ہوتی، فرشتے اللہ تعالیٰ کے بندے اور غلام ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی اولاد کس طرح ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جو حکم دیتا ہے، وہ اس کے سامنے چون وچرا نہیں کرتے، اس کے حکم کو ماننے میں پس وپیش نہیں کرتے وہ اس کی کامل اتباع کرتے ہیں وہ اس کی اولاد کیونکر ہو سکتے ہیں کیونکہ کوئی شخص اپنی اولاد کو اپنا غلام نہیں بناتا"۔ (۳)

---

(۱) معارف القرآن،۷\۴۸۱

(۲) سورۃ الانبیاء:۲۱/ ۲۶

(۳) تبیان القرآن:۷\۵۳۷-۵۳۸

الغرض قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیات کی رو سے مشرکین کا نظریہ عقلی نقلی اور عرفی دلائل سے مردود ہے۔

فرشتوں کی شفاعت قہری:

قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین مکہ فرشتوں کو صرف اللہ کی بیٹیاں نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ یہ فرشتے ہماری شفاعت بھی کرینگے۔ یہ شفاعت قہری کے مالک ہیں کیونکہ اولاد اپنے آباء پر از راہ قرب زبردستی بھی فیصلے کرواتی ہے۔ لہذا وہ ان کی رضاجوئی کے لیے ان کی عبادت بھی کیا کرتے تھے۔

اس سلسلے میں مولانا سید ابو الاعلی مودودی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"مشرکین فرشتوں کو دو وجوہ سے معبود بناتے تھے، ایک یہ کہ ان کے نزدیک وہ اللہ تعالیٰ کی اولاد تھے دوسرے یہ کہ وہ ان کی پرستش خوشامد کر کے انہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنا شفیع سفارشی بنانا چاہتے تھے"۔[۱]

رد عقیدہ شفاعت قہری از روئے قرآن مجید:

کوئی ایسی مخلوق اللہ نے پیدا نہیں کی ہے جو ان کی خوشی ناخوشی کے آگے سرِ تسلیم خم کرتا ہو۔ ان میں سے فرشتے بھی ہیں۔

﴿لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ ----- وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَى﴾[۲]

وہ اس کے آگے بڑھ کر بول نہیں سکتے۔ اور اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔ وہ (اس کے پاس کسی کی) سفارش نہیں کرسکتے مگر اس شخص کی جس سے اللہ تعالیٰ خوش ہو۔

مفسر مقاتل تفسیر میں لکھتے ہیں:

"{لا تشفع المائكة إلا لمن رض الله أن يشفع له ، يعنى من أهل التوحيد الذين لا يقولون إن الملائكة بنات الله عز وجل}"[۳]

---

(۱) تفہیم القرآن، ۳\۱۵۵

(۲) الأنبياء:۲۱/ ۲۶-۲۸

(۳) تفسیر مقاتل بن سلیمان، أبو الحسن مقاتل بن سلیمان بن بشیر الأزدي البلخي، دار إحیاء التراث-بیروت، الطبعة الأولى- ۱۴۲۳ ۲\۳۵۲

فرشتے کسی کی سفارش نہیں کرینگے مگر جن کے لیے اللہ سفارش پر راضی ہو، یعنی اہل توحید جو فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں نہیں قرار دیتے ہیں، کیونکہ کفار مکہ نے یہ گمان کیا تھا کہ فرشتے ان کی شفاعت کرینگے۔

ان آیات میں اللہ تعالی نے کفار مکہ کے اس نظریہ شفاعت قہری کا مکمل تردید اللہ تعالی نے فرمایا کہ اگر فرشتے روز قیامت کسی کی سفارش کرسکے گے تووہ بھی اللہ کی اجازت کے مطابق ہو گا ان کی یہ مجال نہیں کہ اللہ کی مرضی کے بغیر اللہ سے کوئی بات منوا سکے۔ بلکہ خود فرشتے اللہ کی ہیبت اور خوف سے لرزہ براندام ہونگے وہ کسی کی سفارش کی جرات کیسے کرسکتے ہیں۔

سورۃ بقرہ میں یہی ارشاد فرمایا ہے:

﴿مَن ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلاَّ بِإِذْنِهِ﴾ (۱)

ترجمہ: کون ایسا شخص ہے جو اس کے حضور اس کے اِذن کے بغیر سفارش کر سکے؟

مطلب کسی کی مجال نہیں ہے کہ وہ یوم آخرت اللہ کی دربار میں کسی ایسے شخص کی سفارش کرسکے جو خالق کائنات کے احکام و فرائض کا منکر ہو۔

عبادت ملائکہ کا نظریہ:

مشرکین مکہ نے جب یہ نظریہ اختیار کیا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور وہ ہماری شفاعت کرسکتے ہیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہی نکلتا تھا کہ پھر ان کی عبادت کی جائے تاکہ وہ ہم سے راضی ہو اور روز قیامت ہماری شفاعت کرسکے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ﴾ (۲)

ترجمہ: ہم تو انہیں صرف اتنی بات کے لیے پوجتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے پاس نزدیک کردیں۔

---

(۱) سورۃ البقرۃ:۲/۲۵۵

(۲) سورۃ الزمر:۳۹/۳

"مشرکین فرشتوں کو دو وجوہ سے معبود بناتے تھے، ایک یہ کہ ان کے نزدیک وہ اللہ تعالیٰ کی اولاد تھے دوسرے یہ کہ وہ کی پرستش خوشامد کرکے انہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنا شفیع سفارشی بنانا چاہتے تھے"۔[1]

پیر محمد کرم شاہ صاحب لکھتے ہیں:

"بعض مشرک قبائل فرشتوں کی پرستش کیا کرتے تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ فرشتے نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں"۔[2]

نظریہ عبادت ملائک اور قرآن مجید:

جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ فرشتے ان کی سفارشی ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں ان ارد فرمایا ہے:

﴿وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَائِكَةِ أَهَؤُلَاءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ ۝ قَالُوا سُبْحَانَكَ أَنتَ وَلِيُّنَا مِن دُونِهِم بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ أَكْثَرُهُم بِهِم مُّؤْمِنُونَ﴾[3]

ترجمہ: اور جس دن وہ سب کو ایک ساتھ جمع کرے گا پھر فرشتوں سے ارشاد فرمائے گا: کیا یہی لوگ ہیں جو تمہاری عبادت کیا کرتے تھے ۔ وہ عرض کریں گے: تو پاک ہے تو ہی ہمارا دوست ہے نہ کہ یہ لوگ، بلکہ یہ لوگ جنات کی پوجا کیا کرتے تھے، ان میں سے اکثر اُنہی پر ایمان رکھنے والے ہیں۔

ان آیات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قیامت والے دن ان لوگوں سے فرشتے اپنی برات کا اعلان کرینگے جو ان کی عبادت کیا کرتے تھے اور کہیں گے ہم نے ان کو بالکل اس کا حکم نہیں دیا تھا۔ بلکہ درحقیقت یہ جنات وشیاطین کے پیروکار تھے۔ انہوں نے ان کو اس شرک میں مبتلا کیا تھا، جس سے پروردگار تو پاک ہے۔

مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

---

(۱) تفہیم القرآن: ۳\۱۵۵

(۲) ضیاء القرآن: ۴\۱۳۱

(۳) سورۃ السباء ۳۴/: ۴۰-۴۱

"ملائکہ سے یہ سوال مشرکین کو لاجواب کرنے کے لیے ہو گا جو ملائکہ اور غیر ملائکہ کو اس خیال سے پوجتے تھے کہ یہ راضی ہو کر ہماری شفاعت کریں گے"۔ (۱)

آگے فرشتوں کا جواب لکھتے ہیں:

"یہ ہماری عبادت نہ کرتے تھے۔ بلکہ شیاطین کو پوجا کرتے تھے کیونکہ شیاطین ہی اس کی ترغیب بھی دیتے تھے اور اس سے راضی بھی تھے اس لیے وہی ان کے معبود ہوئے کیونکہ عبادت مستلزم ہے اطاعت مطلقہ کو کہ اس کے سامنے اور کسی کی اطاعت نہ کرے، اسی طرح ایسی اطاعت مطلقہ مستلزم ہے عبادت کو پس جب ہماری طرف سے امر و رضا متحقق نہیں تو ہماری اطاعت نہ ہوئی اور جب شیاطین کی اطاعت مطلقہ کی تو عبادت بھی در حقیقت انہی کی ہوئی گو یہ لوگ اسکا نام کچھ ہی رکھیں عبادت ملائکہ کہیں یا بتوں کی عبادت مگر واقع میں وہ عبادت شیاطین ہی کی ہے۔"(۲)

الغرض ان آیات میں اللہ تعالی نے مشرکین کی نقطہ نگاہ سے غیر اللہ کی عبادت اور ساتھ شفاعت قہری کو بھی مسترد کیا ہے کہ جب نہ وہ اللہ کی اولاد ہے، نہ وہ شفاعت کر سکتے ہیں اور نہ ہی فرشتے اس کا حکم دے سکتے ہیں تو پھر کس دلیل و منطق سے فرشتوں کی عبادت کی جا سکتی ہے؟

حاصل کلام:

مشرکین نے جہاں توحید متعلق غلط عقائد اپنائے تھے وہی انہوں نے فرشتوں متعلق بھی غلط نظریات قائم کیے تھے ان کا نظریہ تھا کہ فرشتے اللہ تعالی کی بیٹیاں ہیں اسی طرح انہوں نے فرشتوں کو لائق عبادات گردانا تھا اور اس کے نتیجہ میں وہ جبری شفاعت کے نظریے کے بھی قائل ہوئے تھے تو اللہ تعالی نے واضح رد فرمایا کہ نہ تو فرشتے اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے، نہ عبادت کے لائق اور نہ خود ساختہ سفارش کر سکتے ہیں اور نہ یوں شفاعت قہری کے مالک ہیں بلکہ وہ تو اللہ کے فرمان بردار اور معزز و مکرم مخلوق ہیں۔

---

(۱) معارف القرآن، ۷\۳۰۵

(۲) ایضاً، ۷\۳۰۵

باب چہارم:

آسمانی کتب سے متعلق نظریات اور آیات علم المخاصمہ کے تناظر میں ان کا رد

فصل اول: آسمانی کتب سے متعلق یہود کا نظریہ

فصل دوم: آسمانی کتب سے متعلق نصاری کا نظریہ

فصل سوم: آسمانی کتب سے متعلق مشرکین کا نظریہ

تمہید:

اس باب میں تین فصول ہیں، مبادیات میں تورات کا تعارف بیان ہو گا، فصل اول میں آسمانی کتابوں کے بارے میں یہود کے باطل نظریات ذکر ہونگے، مثلا یہ نظریہ کہ یہود تورات کو غیر محرف مانتے ہیں اس میں کسی تبدیلی کے قائل نہیں ہیں۔

اس نظریہ کی تردید پہلے دیگر یہودی و مسیحی علماء کی آرء سے کی جائے گی اور اس کے بعد قرآنی آیات سے اس تحریف واضح کی جائے گی۔ اسی طرح ان کا دوسرا باطل نظریہ جو انجیل و قرآن کے بارے میں انکار وکفر کا ہے وہ بیان ہو گا۔ تیسرا ان کا نظریہ بدذکر ہو گا۔

فصل دوم کے مبادی میں انجیل کا تعارف پیش ہو گا۔ فصل دوم میں الہامی کتب کے بارے میں نصاری کے باطل نظریات لکھے جائیں گے، اول نصاری بھی انجیل کے بارے میں عدم تحریف کے قائل ہیں، ان کے اس نظریہ کی تردید میں انجیل کے باہمی تضادات ذکر کیے جائیں گے۔ اور پھر قرآن کریم سے کتب سابقہ کی تحریف پر دلیل قائم کی جائے گی۔ فصل سوم میں آسمانی کتابوں کے حوالے سے مشرکین مکہ کا باطل نظریہ انکار وکفر ذکر ہو گا، اس پر اعجاز قرآنی سے رد پیش کیا جائے گا۔

تورات کا لغوی معنی:

اس میں اختلاف ہے کہ تورات عربی لفظ ہے یا عبرانی چنانچہ بصری و کوفی علماء اس کو عربی لفظ سمجھتے رہے، تاہم علامہ زبیدی نقل کرتے ہیں کہ محققین کے نزدیک یہ لفظ غیر عربی ہے:

"وقالوا هو لفظ غير عربي بل هو عبرانى اتفاقا"(۱)

یعنی محققین کہتے ہیں کہ یہ لفظ غیر عربی ہے بلکہ محققین کا اتفاق ہے کہ یہ عبرانی لفظ ہے۔

مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> یہ عبرانی لفظ ہے، جس کے معنی شریعت اور تعلیم کے ہیں۔ کبھی کبھی مجازا یہ لفظ عہد عتیق قدیم کے مجموعہ پر بھی بولا جاتا ہے۔(۲)

تورات کی لغوی تحقیق میں علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

---

(۱) تاج العروس ۱\۸۶۴۵۔

(۲) اظہار الحق، رحمت اللہ کیرانوی، مکتبہ دار العلوم کراچی، ۱۴۰۶، ۱\۳۰۶

"بعض علماء نے کہا ہے کہ تو ارت کا لفظ توریہ سے ماخوذ ہے، توریہ کنایہ کو کہتے ہیں چونکہ توارت میں زیادہ مثالیں ہیں اس لیے اس کو توریہ کہا گیا، اور بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے، اور عبرانی زبان میں تورات کا معنی شریعت ہے، یہ دوسری رائے زیادہ صحیح ہے"۔(۱)

تورات کا تعارف:

بائبل کی جملہ لغات کی مستند ڈکشنری (قاموس الکتاب) جو متداول ہے اس میں لکھا ہے:

"توریت: اسفار خمسہ: عربی تورات، عبرانی تورہ: شریعت۔ توریت موسی نبی کی پانچ کتابوں، پیدائش خروج، احبار، گنتی اور استثناء پر مشتمل ہے۔ ان کتابوں پر یہودی، پروٹسٹنٹ اور رومن کیتھولک علماء نے کبھی اعتراض نہیں کیا اور یہ ان کی فہرست مسلمہ میں شامل ہیں"(۲)۔

امریکہ کی باوثوق ویب ڈکشنری میں تورات کی تعریف یوں کی گئی ہے:

The body of wisdom and law contained in Jewish Scripture and other sacred literature and oral tradition. The five books of Moses constituting the Pentateuch[3]-"

ترجمہ: "تورات یہودی صحیفہ، مقدس ادبی لٹریچر اور زبانی روایات کے اس مجموعہ کو کہا جاتا ہے جو حکمت اور قانون پر مشتمل ہے۔ یہ موسی کی پانچ کتابوں کا مجموعہ ہے"۔

تورات کے تعارف میں علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"تورات موجودہ بائبل کا ایک حصہ ہے کتاب مقدس کے دو اہم حصے ہیں، پرانا عہد نامہ اور نیا عہد نامہ، پرانا عہد نامہ، نئے عہد نامے سے نسبتا زیادہ ضخیم ہے، کل بائبل تمام عیسائیوں کی مذہبی کتاب ہے، لیکن یہودیوں کی مذہبی کتاب صرف پرانا عہد نامہ ہے"۔(۴)

---

(۱) تبیان القرآن، ۲\۳۸۔

(۲) قاموس الکتاب، ایف ایس خیر اللہ، مسیحی اشاعت خانہ لاہور، (س ن)، ص:۲۶۶

(3) https://www.merriam-webster.com/dictionary/Torah

(۴) تبیان القرآن، ۲\۳۹۔

تورات عہد نامہ عتیق کا ایک حصہ ہے جو یہودی مذہب کا بنیادی مذہب لٹریچر شمار ہوتا ہے، عہد نامہ عتیق کے دو نسخے متداول ہیں ایک مسورہ یعنی روایتی نسخہ، دوسرا اسبعینیہ جو یونانی نسخہ بھی کہلاتا ہے۔ عہد نامہ عتیق ٹوٹل ۳۹ کتب کا مجموعہ ہے۔ جب یونانی نسخہ میں ۱۴ کتب مزید شامل ہیں۔ (۱)

خاص توریت پانچ کتب پر مشتمل ہیں: ۱ پیدائش۔ ۲ خروج۔ ۳ احبار۔ ۴ گنتی۔ ۵ استثناء۔ کتاب پیدائش میں تخلیق کائنات کی تفصیلات اور حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام سلام اور بی بی سارہ، ربیکا، لیہ، راشیل بی بی، اور یوسف علیہ السلام کے واقعات مذکور ہیں۔

کتاب خروج میں حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات سے لیکر موسی علیہ السلام کی قیادت میں مصر سے ہجرت کے واقعات تک موجود ہیں۔ کتاب احبار میں مقدس ٹمپل کے قوانین اور مجاوروں کی ذمہ داریاں صدقات خیرات اور اخوت کے اعمال کا بیان ہے۔ کتاب گنتی میں خروج مصر کے بعد میدان تیہ میں چالیس سال کے واقعات کا ذکر ہے۔ کتاب استثناء میں حضرت موسی علیہ السلام کے الوداعی خطبات، احکام عشرہ، موسی علیہ السلام کی وفات اور نئے پیغمبر جوشوآ کے ظہور کا ذکر ہے۔ (۲)

تورات کی ابواب بندی اور تشریح سے متعلق مشہور محقق رضی الدین سید لکھتے ہیں:

> "ابتداء میں تورات کو اللہ تعالی کی جانب سے سات تختیوں پر عطا کیا گیا تھا، جن میں پیدائش خروج، احبار اور استثناء کو علیحدہ علیحدہ چار تختیوں پر، جبکہ گنتی کو تین تختیوں پر تقسیم کیا گیا تھا، لیکن بعد میں ان سب کو محض پانچ تختیوں پر علیحدہ علیحدہ منتقل کر دیا گیا۔ تورات چونکہ تحریری شکل میں موجود تھی، اس لیے وہ تحریری قوانین کہلاتی تھی، جبکہ بعد میں اس کی زبانی تشریحات کی گئیں انہیں زبانی قانون کہا جانے لگا، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان زبانی قوانین کو بھی تحریری شکل دی گئی اور انہیں تالمود کا نام دیا گیا"۔ (۳)

اوپر کے اقتباس سے ضمنا یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ تالمود تورات کی تفسیری تشریحات ہیں، جو یہودی ربیوں نے کی ہیں۔ اس کے دو نسخے ایک بابلی تالمود اور دوسری یروشلمی تالمود ہیں۔

---

(۱) مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، چوہدری غلام رسول چیمہ، علم و عرفان پبلیشرز ۲۰۰۶، ص: ۳۸۴

(۲) یہودی مذہب مہد سے لحد تک، رضی الدین سید، بیت السلام، ۲۰۱۰، ص: ۲۹

(۳) ایضاً، ص: ۳۰

تورات کی تاریخیت کے حوالے سے ایک تحقیق منقول ہے کہ ۹۷۱ قبل مسیح رجعام شاہ یہود کی سلطنت کے پانچویں سال سیق شاہ مصر نے جب یروشلم پر حملہ کیا اور ہیکل اور یہودی بادشاہ کے گھر کو لوٹا۔ اس وقت توریت ضایع ہوئی۔ اس حساب سے توریت تین سو برس تک لوگوں کی نظر سے اوجھل رہی۔ (۱)

بہر حال توریت ایک لمبے عرصہ تک گم رہی اور جب سردار خلقیاہ نے اس کے دوبارہ مل جانے کا اعلان کیا تو اس نسخے کی تصدیق کرنے والے کوئی نہیں تھا کیونکہ نہ تو اس وقت توریت کی اشاعت عام تھی اور نہ ہی کوئی اس کا حافظ تھا۔ بس یہی نسخہ تھا یہ ہیکل میں پڑا رہتا تھا اور سالانہ بنیادوں پر لوگ اسے سننے آتے تھے۔ جب بخت نصر نے ہیکل کو جلایا تو یہ نسخہ بھی اس میں جل گیا تھا۔ (۲)

توریت دوبارہ کیسے مرتب ہوئی؟ اس کے جواب میں یہودی علماء کا اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ عزرا نبی نے اس کے مختلف نوشتہ تلاش کر کے اپنے حافظے سے اس کی تصحیح کر کے دوبارہ تورات مرتب کی، جبکہ دوسرا قول یہ ہے کہ فقیہ عزرا نبی نے اپنے حافظ سے دوبارہ تورات لکھوائی تھی۔ (۳)

اسی باعث یہود عزرا نبی یعنی عزیر علیہ السلام کو مجدد دین مانتے ہیں اور بعض یہود نے اسے ابن اللہ کا درجہ دیا، عزیر علیہ السلام کا زمانہ ۴۵۰ قبل مسیح کا بنتا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کے احکام عشرہ اور تورات زمانہ کے دست برد سے محفوظ نہیں رہے تھے۔ یہ بعد میں جا کر عزیر علیہ السلام نے اس کو مرتب کیا تھا۔ (۴)

تورات پر مختلف مراحل گزرے ہیں۔ بار بار اس پر بربادی کے ادوار آئے ہیں آخری بار ۶۱۳ء میں شاہ ایران خسرو پرویز نے یروشلم پر چڑھائی کر کے نوے ہزار آدمی قتل کیے اور تمام معبدوں کو پیوند خاک کر دیا۔ (۵)

تورات کی تاریخیت سے متعلق غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"تاریخ سے ثابت ہے، کہ حوادث زمانہ کے ہاتھوں تورات کئی بار تلف ہوئی ۷۰۵ قبل مسیح سے ۱۳۵ء تک فلسطین مسلسل مختلف حملہ آوروں اور فاتحین کی جولانگاہ بنا رہا۔ ۷۰۰ قبل مسیح میں سنے

---

(۱) مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، ص: ۳۹۰

(۲) ایضاً، ص: ۳۹۴

(۳) ایضا، ص:۹۵

(۴) یہودی مذہب مہد سے لحد تک ص:۲۸

(۵) مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، ص: ۳۹۷-۳۹۸

کرب حملہ آور ہوا اور یروشلم کا محاصرہ کیا۔ ۵۸۶ قبل مسیح میں بخت نصر حملہ آور ہوا اور یروشلم کو تباہ کر دیا۔ اس تباہی میں تورات خاکستر ہوگئی اور یہودیوں کو مملکت بابل میں جلاوطن کر دیا گیا۔ ۵۳۸ ق م سے لے کر ۳۳۲ ق م تک فلسطین ایران کے زیر اقتدار رہا۔ ۳۳۲ ق م سے لیکر ۳۲۳ ق م تک فلسطین سکندر اعظم کے زیر اقتدار رہا۔ ۶۳ ق م سے لے کر ۳۹۵ تک فلسطین سلطنت روما کے زیر اقتدار رہا۔ اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ یہودیوں کے اصل صحائف مقدسہ حوادث زمانہ کی نذر ہو گئے"۔ (۱)

تورات کی نشاۃ ثانیہ کیسے ہوئی اس بابت وہ مزید لکھتے ہیں:

"اس بات کا کوئی محقق تاریخی ثبوت نہیں ہے کہ موجودہ صحائف تورات کب مرتب ہوئے۔عام خیال یہ ہے کہ عزرا نبی (حضرت عزیر علیہ السلام) نے ان کو دوبارہ مرتب کیا ایک مروجہ روایت کے مطابق حضرت عزرا نے ۹۴ صحائف ۴۰ روز میں ۵ کاتبوں کو لکھوائے جن میں سے ۳۴ صحائف اب عہد نامہ قدیم میں شامل ہیں اور باقی ۶۰ صحائف غیر مستند قرار دیئے گئے۔ عہد نامہ قدیم کا قدیم ترین نسخہ ۹۱۶ء کا تحریر شدہ ہے۔ دوسری صدی عیسوی سے پہلے جو مخطوطات تھے وہ ایک دوسرے سے بہت مختلف تھے۔ عبرانی متن میں ایسے آثار بھی پائے جاتے ہیں جن سے یہ بھی ثابت ہو تا ہے، کہ اوائل زمانہ میں عبارت میں رد و بدل کرنا جائز سمجھا جاتا تھا۔ اتنا تو خود علماء یہود بھی تسلیم کرتے ہیں کہ تورات میں ۱۸ مقامات ایسے ہیں جہاں اوائل زمانہ میں کاتبوں نے عمداً تبدیلیاں کیں۔ یہ تمام صحائف ایک مؤلف کے مرتب کئے ہوئے نہیں ہیں بلکہ ان میں رفتہ رفتہ اضافے ہوتے رہے اور وہ کئی مرحلوں میں گزرنے کے بعد موجودہ شکل میں پہنچے ہیں۔ (۲)

---

(۱) تبیان القرآن، غلام رسول سعیدی، ۴۰\۲

(۲) ایضاً

فصل اول:

آسمانی کتب سے متعلق یہود کا نظریہ

اس فصل میں آسمانی کتب سے متعلق یہود کے نظریات اور قرآنی آیات کی روشنی میں اس کا جائزہ لیا گیا ہے۔

تورات سے متعلق یہود کا عقیدہ:

یہود کا عقیدہ ہے کہ تورات منزل من السماء ہے اور اس کا حرف حرف آسمانی ہے۔ اس موقف کو غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ نے تبیان القرآن میں یوں نقل کیا ہے:

"تورات باقی تمام صحائف سمیت یعنی مکمل عہد نامہ قدیم لفظا لفظا وحی منزل من اللہ ہے، اور جو کچھ بین الدفتین (اس جلد میں) ہے وہ اللہ کا کلام ہے"۔[۱]

بعض دیگر یہودی اور مسیحی علماء کی آراء:

تورات سے متعلق یہود کے زیادہ تر علماء کا عقیدہ تو موجودہ شکل میں غیر محرف اور غیر مبدل ہونے کے ساتھ حرف بحرف من جانب اللہ ہونے کا ہے جیسے کہ اوپر ذکر ہوا ہے۔ تاہم بعض یہودی و عیسائی کتب میں وہی رائے بھی ملتی ہے جو قرآن کریم نے پیش کی ہے یعنی کہ تورات میں تبدیلی ہو چکی ہے اور اس میں حک و اضافہ موجود ہے۔

جیوش انسائیکلوپیڈیا لکھتی ہے:

"اگرچہ اسفار موسی خود حضرت موسی کی تصنیف بتائی جاتی ہیں لیکن تحقیق جدید کی رو سے ان کے قریب اٹھائیس ماخذ تسلیم کیے گئے ہیں"[۲]۔

مسیحی رسالہ المائدہ کے ایک شمارے میں ہے:

"درحقیقت تاریخوں کی صحت تاریخی تفصیلات اور سائنس کے اصول و نظریات سے بائبل مقدس میں غلطیاں متضاد بیانات اور نامکمل علم پایا جاتا ہے، یہ غلطیاں زیادہ اہم مسائل جیسے اللہ تعالیٰ کا ذہن اور اللہ تعالیٰ کی مرضی وغیرہ میں بھی نظر آتی ہیں"[۳]۔

---

(۱) تبیان القرآن، غلام رسول سعیدی، ۳۹\۲

(۲) جیوش انسائیکلوپیڈیا، ۹۳\۹

(۳) ماہنامہ المائدہ، لاہور، ۳۱ دسمبر ۱۹۵۹ء

تورات سے متعلق قرآنی نقطہ نظر:

جہاں جہاں یہودی و مسیحی علماء کے مثبت آراء اور احساسات پائے گئے ہیں، قرآن مجید نے اس کی تحسین فرمائی ہے لیکن جہاں اس میں تحریف ورد وبدل کیا گیا ہے، اسے بھی اشکار کیا ہے۔ اس سلسلے میں بائبل کی تحریف پر انہی میں سے کچھ داخلی شواہد کا ذکر بھی کیا جائے گا۔

قرآن مجید کا تورات من جانب اللہ ہونے کی تصدیق:

قرآن کریم میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقاً لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَأَنزَلَ التَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَo مِن قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَأَنزَلَ الْفُرْقَانَ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُواْ بِآيَاتِ اللّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَاللّهُ عَزِيزٌ ذُو انتِقَامٍ﴾ (۱)

ترجمہ:(اے حبیب!) اسی نے (یہ) کتاب آپ پر حق کے ساتھ نازل فرمائی ہے (یہ) ان (سب کتابوں) کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے اتری ہیں اور اسی نے تورات اور انجیل نازل فرمائی ہے۔(جیسے) اس سے قبل لوگوں کی رہنمائی کے لئے (کتابیں اتاری گئیں) اور (اب اسی طرح) اس نے حق اور باطل میں امتیاز کرنے والا (قرآن) نازل فرمایا ہے، بیشک جو لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں ان کے لئے سنگین عذاب ہے، اور اللہ بڑا غالب انتقام لینے والا ہے۔

سورت مائدہ میں اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿وَقَفَّيْنَا عَلَى آثَارِهِم بِعَيسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ﴾ (۲)

"اور ہم نے ان (پیغمبروں) کے پیچھے ان (ہی) کے نقوشِ قدم پر عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) کو بھیجا جو اپنے سے پہلے کی (کتاب) تورات کی تصدیق کرنے والے تھے اور ہم نے ان کو انجیل عطا کی جس

---

(۱) سورۃ آل عمران:۳/ ۳،۴۔

(۲) سورۃ المائدۃ: ۵/ ۴۶

میں ہدایت اور نور تھا اور (یہ انجیل بھی) اپنے سے پہلے کی (کتاب) تورات کی تصدیق کرنے والی (تھی) اور (سراسر) ہدایت تھی اور پرہیزگاروں کے لیے نصیحت تھی۔"

اسی طرح سورت اعراف میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهُ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِى التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾[1]

"(یہ وہ لوگ ہیں) جو اس رسول (ﷺ) کی پیروی کرتے ہیں جو امی (لقب) نبی ہیں (یعنی دنیا میں کسی شخص سے پڑھے بغیر منجانب اللہ لوگوں کو اخبارِ غیب اور معاش و معاد کے علوم و معارف بتاتے ہیں) جن (کے اوصاف و کمالات) کو وہ لوگ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، جو انہیں اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع فرماتے ہیں اور ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور ان پر پلید چیزوں کو حرام کرتے ہیں اور اُن سے اُن کے بارِ گراں اور طوقِ (قیود)۔ جو اُن پر (نافرمانیوں کے باعث مسلّط) تھے۔ ساقط فرماتے (اور انہیں نعمتِ آزادی سے بہرہ یاب کرتے) ہیں۔ پس جو لوگ اس (برگزیدہ رسول ﷺ) پر ایمان لائیں گے اور ان کی تعظیم و توقیر کریں گے اور ان (کے دین) کی مدد و نصرت کریں گے اور اس نور (قرآن) کی پیروی کریں گے جو ان کے ساتھ اتارا گیا ہے، وہی لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں"۔

مذکورہ بالا آیات سے یہ بات مکمل صراحت کے ساتھ سامنے آتی ہے کہ تورات بھی من جملہ ان کتب میں سے ہے جو اللہ کی جانب سے مخلوق کی ہدایت کے لیے نازل ہوئی تھیں۔ انسانوں نے اپنی بدبختی کی وجہ سے اس میں تحریفات کی ہے بعض جگہ انہوں نے حسد کی وجہ سے تورات میں موجود آنے والے پیغمبر کی صفات کو چھپانے کی کوشش کی ہے اور بعض اوقات دنیاوی فوائد کی حصول کے لیے تورات کے مفاہیم غلط بیان کر کے قوم کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

---

(۱) سورۃ الاعراف: ۷/ ۱۵۷

تحریف تورات سے متعلق قرآنی نقطہ نظر:

قرآن کریم میں اللہ تعالی نے مکمل وضوح کے ساتھ متعدد مقامات پر یہود کی تحریفات کا ذکر فرمایا ہے، سورت بقرہ میں ارشاد باری تعالی ہے:

﴿أَفَتَطْمَعُونَ أَنْ يُؤْمِنُواْ لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلاَمَ اللّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾[۱]

(اے مسلمانو!) کیا تم یہ توقع رکھتے ہو کہ وہ (یہودی) تم پر یقین کر لیں گے جبکہ ان میں سے ایک گروہ کے لوگ ایسے (بھی) تھے کہ اللہ کا کلام (تورات) سنتے پھر اسے سمجھنے کے بعد (خود) بدل دیتے حالانکہ وہ خوب جانتے تھے (کہ حقیقت کیا ہے اور وہ کیا کر رہے ہیں)۔

تحریف تورات ایک گناؤنا عمل ہے:

آسمانی کتب ذریعہ ہدایت ہے۔ اس میں ردوبدل کرنا نہایت شنیع عمل ہے۔ ایسا کرنے والے ہلاکت سے دوچار ہوں گے۔ باری تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِندِ اللّهِ لِيَشْتَرُواْ بِهِ ثَمَناً قَلِيلاً فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُونَ﴾[۲]

پس ایسے لوگوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو اپنے ہی ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں، پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس کے عوض تھوڑے سے دام کما لیں، سو ان کے لئے اس (کتاب کی وجہ) سے ہلاکت ہے جو ان کے ہاتھوں نے تحریر کی اور اس (معاوضہ کی وجہ) سے تباہی ہے جو وہ کما رہے ہیں۔

---

(۱) سورۃ البقرۃ:۲/ ۷۵

(۲) ایضاً:۲/ ۷۹

اقسام تحریف:

کتب سابقہ میں تحریف صرف معنوی ہوئی ہے یا لفظی تغیر بھی پایا جاتا ہے؟ اس سے متعلق سید ابو الاعلی مودودی لکھتے ہیں:

"ایک گروہ سے مراد ان کے علماء اور حاملین شریعت ہیں، کلام اللہ سے مراد تورات، زبور اور وہ دوسری کتابیں ہیں جو ان لوگوں کو ان کے انبیاء کے ذریعے سے پہنچیں۔ تحریف کا مطلب یہ ہے کہ بات کو اصل معنی و مفہوم سے پھیر کر اپنی خواہش کے مطابق کچھ دوسرے معنی پہنادینا، جو قائل کے منشا کے خلاف ہوں۔ نیز الفاظ میں تغیر و تبدل کرنے کو بھی تحریف کہتے ہیں علمائے بنی اسرائیل نے یہ دونوں طرح کی تحریفیں کلام الہی میں کی ہیں"[۱]۔

ان آیات کی ذیل میں علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"صحیح یہی ہے کہ یہودی تورات میں لفظی تحریف بھی کرتے تھے اور معنوی تحریف بھی کرتے تھے"۔[۲]

ان بیانات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تورات میں تحریف ہوچکی ہے اور صرف کلمات کی غلط تاویل نہیں یعنی صرف تحریف معنوی نہیں بلکہ تحریف لفظی بھی اس میں ہوچکی ہے۔

تفسیر حقانی میں عبد الحق حقانی انہی آیات کی ذیل میں لکھتے ہیں:

"علمائے یہود کے اس میں مختلف قول ہیں: بعض کہتے ہیں کہ حضرت موسی علیہ السلام کے روبرو یہود یہ حرکت کرتے تھے کہ تورات کو سن کر اور سمجھ کر پھر اس کے بر خلاف عمل کرتے تھے، اور کلام الہی کو نہ مانتے تھے یہی ان کی تحریف تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ موسی کے بعد علمائے یہود نے اپنے اغراض نفسانیہ سے تورات میں تحریف کی چنانچہ حضرت عیسی علیہ السلام کی بشارت کو تاویلات اور الفاظ کی کمی زیادتی کرکے بدل دیا۔ اس لیے حواری عہد عتیق کے حوالے دیتے ہیں حالانکہ ان میں وہ حوالے نہیں پائے جاتے ہیں کسی کتاب میں نہیں کہ عیسی ناصری کہلائیگا حالانکہ حواری کہتے ہیں کہ انبیاء یہ بات فرماگئے ہیں اور بہت سے شواہد ہیں اور اسی طرح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ

(۱) تفہیم القرآن، ابو الاعلی مودودی، ۱\۸۷

(۲) تبیان القرآن، غلام رسول سعیدی، ۱\۵۸۴

تعالیٰ کی بشارات میں تصرف بے جا کیا، اور یہی قول صحیح ہے، اور اس بات کا ثبوت علماء اسلام نے کتب مناظرہ میں بڑی شد و مد سے کر دیا"۔[1]

پیر محمد کرم شاہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"یہودی علماء نے صرف اسی پر بس نہیں کی کہ خود عمل ترک کر دیا ہو بلکہ انہوں نے آیات الٰہی کو سرے سے ہی بدل ڈالا اور اپنی طرف سے طرح طرح کے اضافے کر دیئے۔ اور اس طرح ان ظالموں نے آئندہ نسلوں میں سے بھی کسی سلیم الطبع کے لیے یہ گنجائش نہ چھوڑی کہ وہ آیات الٰہی میں خود غور وفکر کر کے حقیقت تک رسائی حاصل کر سکے۔ یہود و نصاری اب تک تو تحریف کے قائل نہ تھے، لیکن اب ان کے محققین نے یہ تسلیم کر لیا ہے ان کی کتب تحریف و تغیر سے محفوظ نہیں ہیں"۔[2]

یہ کیونکہ ممکن ہے کہ جس بات کی نشاندہی قرآن مجید نے کی ہو وہ سچ نہ ہو جب کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَ الَّذِینَ هَادُواْ یُحَرِّفُونَ الْکَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ﴾[3]

اور کچھ یہودی (تورات کے) کلمات کو اپنے (اصل) مقامات سے پھیر دیتے ہیں۔

کتاب اللہ (تورات) میں تحریف بہت بڑی جسارت ہے۔ اس سبب سے وہ اللہ کی لعنت اور پھٹکار کے مستحق ہو چکے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَبِمَا نَقْضِهِم مِّيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ وَنَسُواْ حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُواْ بِهِ وَلاَ تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ إِلاَّ قَلِيلاً مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ إِنَّ اللّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾[4]

ترجمہ: پھر ان کی اپنی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت کی (یعنی وہ ہماری رحمت سے محروم ہوگئے)، اور ہم نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا (یعنی وہ ہدایت اور

---

(۱) فتح المنان (تفسیر حقانی)، ۲۱۸\۱

(۲) ضیاء القرآن، لاہور، ۶۹\۱

(۳) سورۃ النساء: ۴/ ۴۶

(۴) سورۃ المائدۃ: ۵/ ۱۳

اثر پذیری سے محروم ہوگئے، چنانچہ) وہ لوگ (کتابِ الٰہی کے) کلمات کو ان کے (صحیح) مقامات سے بدل دیتے ہیں اور اس (رہنمائی) کا ایک (بڑا) حصہ بھول گئے ہیں جس کی انہیں نصیحت کی گئی تھی، اور آپ ہمیشہ ان کی کسی نہ کسی خیانت پر مطلع ہوتے رہیں گے سوائے ان میں سے چند ایک کے (جو ایمان لا چکے ہیں) سو آپ انہیں معاف فرما دیجئے اور درگزر فرمایئے، بیشک اللہ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

جاسوسی اور تحریف یہودی سرشست ہے:

یہود کے بد باطن کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے پیغمبروں کی جاسوسی کی اور کتاب الہیہ کو بدل ڈالا باری تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمِنَ الَّذِينَ هَادُوا سَمَّاعُونَ لِلْكَذِبِ سَمَّاعُونَ لِقَوْمٍ آخَرِينَ لَمْ يَأْتُوكَ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ﴾[1]

اور (کچھ) ان میں سے جو یہودی ہیں ان کی وجہ سے غمناک نہ ہونا یہ غلط باتیں بنانے کے لیے جاسوسی کرتے پھرتے ہیں اور ایسے لوگوں (کے بہکانے) کے لیے جاسوس بنے ہیں جو ابھی تمہارے پاس نہیں آئے (صحیح) باتوں کو ان کے مقامات (میں ثابت ہونے) کے بعد بدل دیتے ہیں۔

اسی جاسوسی کے نتیجے میں یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حکومتِ وقت کو پکڑوایا اور بزبانِ عیسیٰ علیہ السلام وہ لعنتی ٹھہرے۔

ان آیات میں عن مواضعہ اور من بعد مواضعہ الگ الگ اسالیب میں بات کی گئی ہے، یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان میں کوئی فرق بھی ہے؟

صاحب تفسیر خازن لکھتے ہیں کہ ہاں عن مواضعہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ تحریف معنوی کرتے تھے اور من بعد مواضعہ کا مطلب ہے کہ وہ تحریف لفظی بھی کرتے تھے۔[2]

---

(۱) سورۃ المائدۃ:۵/ ۴۱

(۲) لباب التأویل فی معانی التنزیل، الخازن، أبو الحسن علی بن محمد عمر الشیحی، ۲\۲۵۰

تحریف تورات پر داخلی شواہد:

ذیل میں تورات کی اندرونی شہادتیں درج کی جاتی ہیں جن سے واضح ہو جاتا ہے کہ تورات اصلی حالت میں محفوظ نہیں ہے۔

۱- سترہ کتب ایسی ہیں جو کسی زمانہ میں موجود تھیں لیکن اب ناپید ہیں مگر ان کے حوالہ جات عہد نامہ جدید میں موجود ہیں، جیسے: کتاب عہد نامہ موسیٰ، جنگ نامہ خداوند، کتاب یشیر، کتاب یاہو بن حنانی، کتاب سمعیاہ نبی، کتاب اخیاہ وغیرہ[۱]۔

۲- ان کتب کے علاوہ اور بھی کتب ہیں جو معدوم ہو چکی ہیں جس کا اعتراف مسیحی علماء کو ہے۔ چنانچہ گریز اسسٹم صاحب اپنی ہوملی یعنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ "پیغمبروں کی بہت سی کتابیں ناپید ہو گئیں۔ اس لیے یہودیوں نے غفلت سے بلکہ بے دینی سے بعض کتابوں کو کھو دیا اور بعض پھاڑ ڈالا اور بعض کو جلا دیا۔[۲]

۳- تورات میں موسیٰ علیہ السلام میں موسیٰ علیہ السلام کی وفات کا بھی ذکر ہے اور اسی طرح ان کی وفات کے صدہا برس بعد کے بھی واقعات درج ہیں مثلاً پیدائش میں مسطور ہے:

"پھر اسرائیل نے کوچ کیا اور اپنا خیمہ اس کے اس پار کھڑا کیا"۔[۳]

دوسری مثال جیسے: خروج میں لکھا ہے کہ "بنی اسرائیل ۴۰ برس جب تک کہ وہ بستی میں آئے من کھاتے رہے جب تک کہ وہ زمین کنعان کی نواحی میں آئے من کھاتے رہے"۔[۴]

اس سے ظاہر ہوتا ہے، کہ کتاب خروج اس وقت لکھی گئی جب کہ بنی اسرائیل کنعان میں پہنچ چکے تھے اور من کھانا موقوف ہو چکا تھا اور ایفہ کا وزن رائج ہو چکا تھا اور یہ ظاہر ہے کہ کنعان کے نواحی علاقے میں بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد پہنچے تھے۔

---

(۱) مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، ۳۸۵

(۲) ایضاً، ۳۶۶

(۳) تورات کتاب پیدائش ۳۵:۲۱

(۴) تورات کتاب خروج:۱۶، ۳۶،۳۵

یہود کا انجیل اور قرآن سے متعلق عقیدہ:

یہود انجیل کو مانتے ہیں اور نہ قرآن مجید کو، بلکہ ان کا یہ عقیدہ ہے صرف تورات منزل من اللہ ہے اور مقدس کتاب ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس زعم کو یوں بیان فرمایا ہے:

﴿وَمَا قَدَرُواْ اللّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِذْ قَالُواْ مَا أَنزَلَ اللّهُ عَلَى بَشَرٍ مِّن شَيْءٍ قُلْ مَنْ أَنزَلَ الْكِتَابَ الَّذِي جَاءَ بِهِ مُوسَى نُورًا وَهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُونَهُ قَرَاطِيسَ تُبْدُونَهَا وَتُخْفُونَ كَثِيرًا وَعُلِّمْتُم مَّا لَمْ تَعْلَمُواْ أَنتُمْ وَلاَ آبَاؤُكُمْ قُلِ اللّهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِي خَوْضِهِمْ يَلْعَبُونَ* وَهَذَا كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنذِرَ أُمَّ الْقُرَى وَمَنْ حَوْلَهَا وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالآخِرَةِ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَهُمْ عَلَى صَلاَتِهِمْ يُحَافِظُونَ﴾[1]

ترجمہ: اور انہوں نے (یعنی یہود نے) اللہ کی وہ قدر نہ جانی جیسی قدر جاننا چاہیے تھی، جب انہوں نے یہ کہہ (کر رسالتِ محمدی ﷺ کا انکار کر) دیا کہ اللہ نے کسی آدمی پر کوئی چیز نہیں اتاری۔ آپ فرما دیجئے: وہ کتاب کس نے اتاری تھی جو موسٰی (علیہ السلام) لے کر آئے تھے جو لوگوں کے لئے روشنی اور ہدایت تھی؟ تم نے جس کے الگ الگ کاغذ بنا لئے ہیں تم اسے (لوگوں پر) ظاہر (بھی) کرتے ہو اور (اس میں سے) بہت کچھ چھپاتے (بھی) ہو، اور تمہیں وہ (کچھ) سکھایا گیا ہے جو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا، آپ فرما دیجئے: (یہ سب) اللہ (ہی کا کرم ہے) پھر آپ انہیں (ان کے حال پر) چھوڑ دیں کہ وہ اپنی خرافات میں کھیلتے رہیں۔اور یہ (وہ) کتاب ہے جسے ہم نے نازل فرمایا ہے، بابرکت ہے، جو کتابیں اس سے پہلے تھیں ان کی (اصلاً) تصدیق کرنے والی ہے۔اور (یہ) اس لئے (نازل کی گئی ہے) کہ آپ (اولاً) سب (انسانی) بستیوں کے مرکز (مکّہ) والوں کو اور (ثانیاً ساری دنیا میں) اس کے ارد گرد والوں کو ڈر سنائیں، اور جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اس پر وہی ایمان لاتے ہیں اور وہی لوگ اپنی نماز کی پوری حفاظت کرتے ہیں۔

---

(۱) سورۃ الأنعام:۶/۹۱-۹۲

اور (ویسی ہی) یہ کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے بابرکت جو اپنے سے پہلی (کتابوں) کی تصدیق کرتی ہے اور (جو) اس لئے (نازل کی گئی ہے) کہ تم مکے اور اس کے آس پاس کے لوگوں کو آگاہ کر دو۔ اور جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور وہ اپنی نمازوں کی پوری خبر رکھتے ہیں۔

ان آیات سے متعلق مختلف مفسرین کا اختلاف ہے، بعض کا ماننا ہے کہ یہ آیات مشرکین مکہ کے متعلق نازل ہوئی ہیں جبکہ بعض کا کہنا ہے کہ یہ آیات یہود کے متعلق نازل ہوئی ہیں لیکن اگر خود نص کے داخلی قرائن پر غور کیا جائے تو یہ راجح معلوم ہوتا ہے کہ یہ یہود سے متعلق آیات ہیں کیونکہ تورات پر ایمان لانا اور تورات کو ورق ورق کر کے اس کو چھپانا یہود کا عمل تھا۔ نہ کہ مشرکین مکہ کا۔ اس لیے راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات میں یہود کے ساتھ مخاصمہ کیا گیا ہے۔

چنانچہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

"اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ یہ آیت یہودیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے یا مشرکین کے متعلق نازل ہوئی ہے، یہودیوں کے متعلق نازل ہونے پر یہ قرینہ ہے کہ نبوت اور رسالت کے یہود معتقد تھے۔ اس لیے اس آیت میں جو معارضہ ذکر کیا گیا ہے کہ اگر کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں ہوتی تو بتاؤ موسی علیہ السلام پر تورات کیسے نازل ہوئی؟ یہ معارضہ صرف یہود پر ہی حجت ہو سکتا ہے، مشرکین تو نبوت اور رسالت کے معتقد نہیں تھے"۔ (۱)

اب ان آیات کا شان نزول کیا ہے۔ اس سے متعلق صاحب تبیان القرآن امام ابن جریر طبری کی سند سے ایک روایت نقل کر کے لکھتے ہیں:

"سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ مالک بن صیف (۲) نام کا ایک یہودی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بحث کر رہا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے موسی پر تورات کو نازل کیا ہے۔ کیا تم نے تورات میں یہ نہیں پڑھا کہ اللہ تعالی موٹے عالم کو ناپسند کرتا ہے اور وہ

---

(۱) تبیان القرآن، غلام رسول سعیدی، ۳\۵۸۳

(۲) امام رازی اپنی تفسیر میں ابن عباس کے حوالے سے مالک بن صیف کا تعارف یوں ذکر کرتے ہیں: قال ابن عباس: إن مالك بن الصيف كان من أحبار اليهود ورؤسائهم ، وكان رجلاً سميناً. یعنی مالک بن صیف یہود کے اہل علم سرداروں میں سے ایک تھے اور جسمانیہ شخص فربہ تھے۔ مفاتیح الغیب، فخر الدین الرازی، ۶\۳۷

موٹا عالم تھا۔ وہ غضب ناک ہو گیا اس نے کہا بہ خدا اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی۔ تب اللہ تعالیٰ نے آیت مذکورہ نازل فرمائی"۔[۱]

اس شان نزول ذکر کرنے کے بعد مفسر موصوف دوسرا قرینہ بھی ذکر کر رہے ہیں:

"اس آیت کا آخری حصہ جس میں یہ مذکور ہے تم نے اس کے الگ کاغذ بنا لیے تم ان کو ظاہر کرتے ہو اور ان میں اکثر حصہ کو چھپا لیتے ہو۔ یہ اس روایت کو مسترد کرتا ہے، کیونکہ تورات میں تحریف کرنا بہر حال یہودیوں کا کام تھا، مشرکین کا کام نہیں تھا، اس لیے صحیح یہی ہے، کہ یہ آیت یہود کے متعلق نازل ہوئی ہے"۔[۲]

مذکورہ بالا تفسیر کی رو سے یہ آیات یہود کے تورات کے بعد انجیل اور قرآن کی من جانب اللہ ہونے کی نفی کا نظریہ رد کرتا ہے کہ اگر اللہ نے کسی بندہ بشر پر کوئی کتاب نازل نہیں کی ہے تو پھر بتاؤ تورات کس نے نازل کی ہے؟ اگر جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے۔ تو اسی اللہ نے یہ کتاب بھی نازل کی ہے اور یہ کتاب تورات کی تصدیق کنندہ بھی ہے۔

یہود کا آسمانی کتب میں بداء کا نظریہ:

تورات، قرآن وغیرہ آسمانی کتب میں حکمت الٰہی کے مطابق نسخ کا عمل ہوتا رہا ہے، جبکہ یہود قرآن کریم میں بداء لازم آنے کا اعتراض کرتے ہیں۔ لہٰذا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ذیل میں نسخ اور بداء کا فرق بیان کیا جائے:

نسخ کا معنی:

نسخ کے دو معنی ہیں ایک معنی لکھنا اور نقل کرنا ہے تو اس لحاظ سے قرآن کریم پورا منسوخ ہے یعنی لکھا ہوا ہے، نسخ کا دوسرا معنی ہے کہ کسی چیز کو ختم کرنا۔

یہاں مراد نسخ کا دوسرا معنی ہے، یعنی کسی چیز کو ختم کرنا۔ اس اعتبار سے نسخ کی اصطلاحی تعریف یہ بنتی ہے کہ: دلیل شرعی سے کسی حکم شرعی کو زائل کرنا۔[۳]

---

(۱) تبیان القرآن، غلام رسول سعیدی، ۳\۵۸۳۔ وفی الطبری: قال: قال مالک بن الصیف - حین بعث الخ۔ جامع البیان، محمد بن جریر الطبری، ۲/ ۴۰۰

(۲)۔ ایضاً، ۳\۵۸۴

(۳) البرھان فی علوم القرآن، أبو عبد اللہ بدر الدین محمد بن عبد اللہ بن بھادر الزرکشی، الطبعة الاولی، ۱۹۵۷، ۲/ ۳۰

بداء کا معنی:

بداء کا معنی ہے ظاہر ہونا یعنی کسی کو کوئی حکم دیا جائے لیکن بعد میں ظاہر ہو کہ یہ حکم دینا غلط تھا تو اس حکم کو ختم کر کے دوسرا حکم دیا جائے۔[۱]

توان تعریفات سے واضح ہو گیا کہ پہلے حکم کو ختم کر کے دوسرا حکم جاری کرنا، باوجود اس کے کہ پہلا حکم بھی اپنے وقت کے اعتبار سے درست تھا، اور بداء میں پہلا حکم لازماً غلط ہوتا ہے۔

یہود قرآن کریم سے متعلق بداء کا یہ باطل نظریہ رکھتے تھے۔ اس لیے اللہ تعالی نے قرآن کریم میں ان سے ان الفاظ میں معارضہ فرمایا ہے:

﴿مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾[۲]

ترجمہ: ہم جب کوئی آیت منسوخ کر دیتے ہیں یا اسے فراموش کرا دیتے ہیں (تو بہرصورت) اس سے بہتر یا ویسی ہی (کوئی اور آیت) لے آتے ہیں، کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہر چیز پر (کامل) قدرت رکھتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالی نے یہود کے اس باطل نظریہ کو رد کیا ہے کہ قرآن میں بدء کا عمل جاری رہا ہے اور اس میں متضاد احکام دیئے گئے ہیں۔ اللہ تعالی نے فرمایا کہ قرآن میں نسخ ہوتا ہے یعنی ہم جب کوئی حکم ختم کرتے ہیں تو اس سے بہتر حکم لاتے ہیں اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ پلا حکم غلط تھا۔

علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

"یہود مسلمانوں سے حسد اور بغض رکھتے تھے اور ان پر اعتراض کرنے اور دین اسلام میں طعن کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے، جب اللہ تعالی ے مسلمانوں کا قبلہ بدلا اور مسلمان مسجد اقصی کے بجائے مسجد حرام کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے لگے تو یہود کہا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو پہلے ایک حکم دیتے ہیں اور پھر اس سے منع کر دیتے ہیں سو یہ قرآن ان ہی کا بنایا ہوا ہے اس لیے اس کے احکام متضاد ہیں تب اللہ تعالی نے یہ آیت نازل کی کہ

---

(۱) البرهان في علوم القرآن ، أبو عبد الله بدر الدين محمد بن عبد الله بن بهادر الزركشي، الطبعة الاولى، ۱۹۵۷، ۲/ ۳۰

(۲) سورة البقرة: ۲/ ۱۰۶

اہم جس آیت کو منسوخ یا محو کرتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی دوسری آیت لے آتے ہیں"۔[۱]

جب یہود نے نسخ کے ماننے سے انکار کیا تو اس پر رد خود پہلی شریعتوں میں نسخ کے وارد ہونے پر کیا گیا ہے چنانچہ علامہ سعیدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"یہود نے نسخ کا انکار کیا ہے اور ان کے خلاف یہ دلیل ہے کہ تورات میں مذکور ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت میں خون کے سوا ہر چیز حلال تھی پھر حضرت موسی علیہ السلام نے بہت سے حیوان حرام کر دیئے اور حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت میں بہن کا بھائی سے نکاح جائز تھا، اور حضرت موسی علیہ السلام کی شریعت میں اللہ نے اس کو حرام کر دیا، اور پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنے بیٹے کو ذبح کریں، پھر اس حکم کو منسوخ کر دیا، اور پہلے حضرت موسی علیہ السلام کو حکم دیا کہ بچھڑے کی پرستش کرنے والوں کو قتل کریں اور ستر ہزار اسرائیلیوں کے قتل کے بعد اس حکم کو منسوخ کر دی اس لیے یہ بدا نہیں ہے بلکہ ایک عبارت سے دوسری عبارت کی طرف اور ایک حکم سے دوسرے حکم کی طرف منتقل کرنا ہے۔ اور اس میں کوئی مصلحت ہوتی ہے"۔[۲]

اسی طرح سورہ آل عمران میں اللہ تعالی نے تورات میں نسخ کی مثال دے کر یہود پر حجت تمام کی ہے کہ اگر نسخ کی وجہ سے قرآن خود ساختہ ہے تو پھر تو تورات بھی نسخ موجود ہے۔ اس سے متعلق کیا خیال ہے اس کو کہتے ہیں الزامی جواب چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلاًّ لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ إِلاَّ مَا حَرَّمَ إِسْرَائِيلُ عَلَى نَفْسِهِ مِن قَبْلِ أَن تُنَزَّلَ التَّوْرَاةُ قُلْ فَأْتُواْ بِالتَّوْرَاةِ فَاتْلُوهَا إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ﴾[۳]

تورات کے اترنے سے پہلے بنی اسرائیل کے لئے ہر کھانے کی چیز حلال تھی سوائے ان (چیزوں) کے جو یعقوب (علیہ السلام) نے خود اپنے اوپر حرام کر لی تھیں، فرما دیں: تورات لاؤ اور اسے پڑھو اگر تم سچے ہو۔

---

(۱) تبیان القرآن، غلام رسول سعیدی، ۱\۴۸۰

(۲) ایضاً، ۱\۴۸۱۔

(۳) سورۃ آل عمران: ۳/ ۹۳

اس آیت میں اللہ تعالی نے یہود کو چیلنج کیا ہے کہ لاؤ تورات اور اس میں یہ دکھاؤ کہ اونٹ کا گوشت ابراہیم کی شریعت میں منع تھا، یہود مبہوت ہو گئے کیونکہ تورات میں تو یہی لکھا تھا کہ اونٹ کا گوشت تورات سے قبل حلال تھا تورات نے دین ابراہیم کے اس حکم کو منسوخ کیا ہے، اور اگر نسخ غلط عمل ہے تو پھر تورات اور دین ابراہیمی سے متعلق کیا خیال ہے؟

اس آیت کے ضمن میں سعیدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"اس آیت میں بہت بڑی دلیل ہے کیونکہ یہود سے کہا گیا کہ اگر تم سچے ہو کہ اونٹ کے گوشت کا حرام ہونا حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت سے چلا آرہا ہے تو تورات میں میں یہ نکال کر دکھاؤ کیونکہ تورات میں ان کے دعوی کے مطابق یہ بات نہیں تھی بلکہ تورات میں یہی لکھا تھا کہ یہ چیزیں شروع سے حلال ہیں، اور تحریم بعد میں شروع ہوئی ہے۔ اور یہ روایت ہے کہ وہ تورات لانے کی جرات نہیں کر سکے بلکہ یہ سن کر مبہوت ہو گئے"۔[1]

مذکورہ بالا آیات سے قرآن کریم نے یہود کے باطل نظریہ بداء کو رد کیا ہے۔ یہود کے اس دعوی کو رد کرنے کے لیے پہلے نسخ کی حقیقت واضح کی اور پھر الزامی جواب کے طور پر ماقبل شرائع میں نسخ اور تورات کے نسخ پر سوال اٹھایا کہ اگر نسخ کی وجہ سے قرآن غلط قرار پاتا ہے تو پھر تورات اور دین ابراہیمی کے حوالے سے کیا حکم ہو گا؟ یہ وہ بلیغ انداز ہے جس سے قرآن کریم نے اپنے نہ ماننے والے کے ساتھ مخاصمہ کیا اور ان کو خاموش کر دیا ہے۔

حاصل کلام:

یہود آسمانی کتاب تورات کے بارے میں یہی عقیدہ رکھتے آرہے ہیں کہ یہ غیر محرف ہے اس میں کوئی تحریف نہیں ہوئی ہے، قرآن کریم میں جابجا اس بات کا دعوی موجود ہے کہ یہود تورات میں تحریف کرتے آرہے ہیں اور وہ اپنی طرف سے اس میں اضافات کر کے اس کو من جانب اللہ قرار دیتے تھے، اسی طرح جب یہود نے انجیل اور قرآن متعلق یہ نظریہ قائم کیا کہ اللہ تعالی نے کسی بندہ بشر پر کوئی کتاب نہیں اتاری ہے تو اللہ تعالی نے الزامی جواب دیا کہ پھر موسی علیہ السلام پر تورات کس نے اتاری ہے۔ اسی طرح وہ نسخ کو بدا قرار دیتے تھے تو قرآن کریم نے وضاحت کے ساتھ ان کا نظریہ رد کیا کہ قرآن میں نسخ ہوا ہے اور نسخ حکیم کی حکمت کے خلاف نہیں بلکہ مخاطبین کے احوال کے حساب سے نسخ ہوتا ہے۔

---

(۱) تبیان القرآن، غلام رسول سعیدی، ۲\۲۸۴

فصل دوم:

آسمانی کتب سے متعلق نصاریٰ کا نظریہ

اس فصل میں چونکہ آسمانی کتب کے بارے میں نصاریٰ کے باطل نظریات ذکر ہونگے اسی وجہ سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں انجیل کا تعارف بھی لکھا جائے۔

انجیل کا تعارف:

ذیل میں انجیل کی لغوی تحقیق، تعارف اور مشمولات ذکر کیے جاتے ہیں:

انجیل کی لغوی تحقیق:

انجیل عربی زبان کا لفظ نہیں ہے عربی معاجم میں انجیل متعلق بس اس تعریف پر اکتفاء کیا جاتا ہے:

الإنجيل :کتاب الله تعالی المنزَّل علی نبیّه عیسی علیه السلام، وهي کلمة یونانیّة معناها البشارة، یذکّر ویؤنَّث، فمن أنَّثه أراد الصَّحیفةَ ومن ذکّره أراد الکتابَ۔

یعنی انجیل حضرت عیسی علیہ السلام پر نازل شدہ الٰہی کتاب ہے اور یہ یونانی کلمہ ہے جس کا معنی ہے خوشخبری یہ کلمہ مونث اور مذکر ہر دو استعمال ہوتا ہے جس نے مونث استعمال کیا ہے وہ اس سے مراد صحیفہ لیتے ہیں اور جس نے مذکر استعمال کیا ہے وہ اس سے مراد کتاب لیتے ہے۔

چنانچہ تقابل ادیان کے علماء کا غالب خیال ہے کہ انجیل یونانی زبان کا لفظ ہے جس کا لغوی معنی ہے خوشخبری اور بشارت۔ چنانچہ قاموس الکتاب میں لکھا ہے:

"انجیل: خوشخبری یہ غالبا براستہ حبش (ایتھوپیا) عربی میں داخل ہوا کیونکہ یمن میں حبش کی ایک مسیحی جماعت رہتی تھی۔ نئے عہد نامہ میں اس لفظ کا مفہوم خوشخبری ہے۔ اور کسی بھی آیت میں اس کا مطلب کتاب یا صحیفہ نہیں ہے۔ ۱۵۰عیسوی کے بعد ہی اس لفظ کو کتاب (نئے عہد نامہ) کے لیے استعمال کیا جانے لگا"(۱)۔

غلام رسول چیمہ انجیل کی لغوی تحقیق میں رقم طراز ہے:

"انجیل یونانی زبان کا لفظ ہے، اس کی کی یونانی شکل ایونجلیون ہے، اصل زبان میں اس کا مفہوم ہے، وہ انعام جو خوش خبری پر عطا کیا جاتا ہے، حضرت مسیح علیہ السلام کی مادری زبان ارامی تھی نہ کہ یونانی۔ ارامی زبان سامی ہونے کی وجہ سے

---

(۱) قاموس الکتاب (لغات بائبل) ایف ایس خیر اللہ، مسیحی اشاعت خانہ لاہور، ۱۹۹۳ء ص:۹۳

عبری اور عربی زبان سے ملتی جلتی ہے۔ یونانی آرین سلسلہ کی زبان ہے اور بہت مختلف ہے، اس لیے مسیحؑ کے پیغام کا ابتدائی نام انجیل نہ ہو گا، بشیرہ یا بشری ہو سکتا ہے، عہد نامہ عتیق میں یہ لفظ بار بار استعمال ہوا ہے"[1]۔

انجیل کی لفظی تحقیق میں صاحب تبیان القرآن غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"انجیل عبرانی زبان کا لفظ ہے عربی کے کسی لفظ سے مشتق نہیں ہے، اور اس کا کوئی وزن نہیں ہے، بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ لفظ نجل سے مشتق ہے نجل زمین سے پھوٹنے والے پانی کو کہتے ہیں اور چشمہ کے فراخ کرنے کو بھی کہتے ہیں۔ انجیل بھی احکام الہی کا سرچشمہ ہے اور اس میں تورات کے مشکل احکام کو آسان کیا گیا ہے، اس لیے اس میں نجل کی مناسبت پائی جاتی ہے۔ امام زمخشری نے کہا کہ تورات اور انجیل دونوں عجمی زبان کے لفظ ہیں حضرت عیسی علیہ السلام اور ان کے حواری نسلا اور مذہبا عیسائی تھے اور ان کی مذہبی زبان عبرانی تھی یا مغربی آرامی یونانی زبان میں انجیل کے معنی بشارت ہیں انجیل کو بشارت اسی لیے کہا گیا ہے، کہ حضرت عیسی علیہ السلام نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دی"۔[2]

جیسا کہ قرآن مجید نے اس کی تصدیق کی ہے:

﴿ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُم مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ ﴾[3]

میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں اپنے سے پہلی کتاب توریت کی تصدیق کرتا ہوا اور ان رسول کی بشارت سناتا ہوا جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا نام احمد ہے۔

انجیل کا تعارف و مشمولات:

عہد نامہ جدید یعنی انجیل میں کل ۲۷ کتابیں ہیں جن کے نام درج ذیل ہیں:

۱) متی کی انجیل

۲) مرقس کی انجیل

---

(۱) مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، غلام رسول چیمہ، ص: ۴۵۷

(۲) تبیان القرآن، غلام رسول سعیدی، ۲\۵۳

(۳) سورۃ الصف: ۶۱/ ۶

۳) لوقا کی انجیل

۴) یوحنا کی انجیل

۵) رسولوں کے اعمال

۶) پولس رسول کا خط رومیوں کو

۷) پولس رسول کا پہلا خط کرنتھیوں کو

۸) پولس رسول کا دوسرا خط فرنتیوں کو

۹) پولس رسول کا خط گلنتیوں کو

۱۰) پولس رسول کا خط افسیوں کو

۱۱) پولس رسول کا خط فلپیوں کو

۱۲) پولس رسول کا خط قلسیوں کو

۱۳) پولس رسول کا خط تھسلینکوں کو

۱۴) پولس رسول کا دوسرا خط تھسلینکوں کو

۱۵) پولس رسول کا پہلا خط تمطاوس کو

۱۶) پولس رسول کا دوسرا خط تمطاوس کو

۱۷) پولس رسول کا خط اططس کو

۱۸) پولس رسول کا خط فلیموں کو

۱۹) عبرانیوں کو خط

۲۰) یعقوب کا خط

۲۱) پطرس کا پہلا خط

۲۲) پطرس کا دوسرا خط

۲۳) یوحنا کا پہلا خط

۲۴) یوحنا کا دوسرا خط

۲۵) یوحنا کا تیسرا خط

۲۶)　یوحنا کے مکاشفات

۲۷)　یہوداہ کا پہلا خط

یعنی متی، لوقا، مرقس، یوحنا، رسولوں کے اعمال، پولس کے ۱۳ خطوط، عبرانیوں کا خط، یعقوب کا خط، پطرس کا خط، یوحنا کے تین خطوط اور مکاشفات، اور یہوواہ کا خط یہ کل ۲۷ کتابوں سے عہد نامہ جدید تعبیر کیا جاتا ہے۔ [۱]

ان اناجیل کی حیثیت سوانح حضرت عیسی علیہ السلام کی سی ہے، جس میں بے تحاشا تحریفات ہوئی ہیں۔ اس پر خود مسیحی علماء کے اعترافات بھی موجود ہیں۔

اناجیل کی ترتیب کے متعلق غلام رسول چیمہ لکھتے ہیں:

"جب مسیح فرقوں کے اصولی اختلاف اور انتشار کی وجہ سے جعلی اناجیل نویسی کا رواج عام ہو گیا تو ۳۲۵ھ میں قسطنطین اعظم نے ۳۰۰ پادریوں کی ایک کونسل بلائی تا کہ وہ اصل انجیل اور حضرت عیسی علیہ السلام کے صحیح عقائد کا فیصلہ کرے، چنانچہ انہوں نے تاریخی اور عقلی دلائل کی روشنی میں اصل انجیل اور حضرت مسیح علیہ السلام کے صحیح عقائد کی تدوین کی بجائے ایک عجیب اور نرالا طریقہ اختیار کیا۔ وہ یہ کہ کونسل میں جو اناجیل پیش کی گئی تھیں انہوں نے ان کو ایک بے ترتیب ڈھیر کی طرح گرجا کے اندر عشاء ربانی کی میز کے نیچے رکھ دیا اور خداوند سے درخواست کی کہ ان میں سے الہامی نوشتے پھلانگ کر میز پر آجائیں اور جعلی نسخے میز کے نیچے پڑے رہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آ گیا"۔ [۲]

اگرچہ اس روایت سے مسیحی علماء انکار کرتے ہیں تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ اناجیل کی استنادی حیثیت ناقابل اعتبار ہے۔ انجیل کی تاریخیت اور اوراس کے مشمولات کے حوالے سے سعیدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"ہر چند کہ اصل انجیل اب من وعن باقی نہیں ہے، اور موجودہ اناجیل حضرت عیسی علیہ السلام کے بعد تالیف کی گئی ہیں، حضرت عیسی علیہ السلام نے اپنی زندگی کے آخری تین سالوں میں جو خطبات اور کلمات طیبات ارشاد فرمائے تھے۔ آپ علیہ السلام کے زندہ آسمان پر اٹھائے جانے کے کافی عرصہ بعد آپ علیہ السلام کے مختلف حواریوں اور شاگردوں نے آپ علیہ السلام کی سیرت کو مرتب کیا۔ اس سیرت

---

(۱)　دیکھیے: کتاب مقدس، انٹرنیشنل بائبل سوسائٹی، ۲۰۰۵ء، ص: ۲۰۵

(۲)　مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، ص: ۴۵۹

میں اس وحی ربانی کو بھی درج کر دیا جو حقیقت میں انجیل ہے یا پھر اس میں مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ تغیرات ہوتے رہے اور کمی بیشی اور تحریف ہوتی رہی۔ عبرانی زبان سے اس کو سو سے زیادہ زبانوں میں منتقل کیا گیا"۔ [1]

(۱) تبیان القرآن، غلام رسول سعیدی، ۲\۵۴

آسمانی کتب سے متعلق نصاری کے نظریات کا جائزہ

اس عنوان کے تحت الہامی کتب بائبل (یعنی عہد نامہ قدیم (تورات) اور عہد نامہ جدید یعنی انجیل اور قرآن کریم سے متعلق نصاری کے نظریات اور قرآنی نقطہ نظر کو پیش کیا گیا ہے۔

نصاری کا انجیل کے متعلق عقیدہ:

نصاری کا یہ عقیدہ ہے کہ انجیل میں کوئی تحریف نہیں ہوئی ہے اور انجیل کے ہزاروں نسخے حواریوں کے دور میں ہی پھیل گئے تھے۔ لہذا اس میں تبدیلی کا تصور غلط ہے۔ تاہم قدیم و جدید کئی ایک مسیحی و غیر مسیحی علماء نے اس کو محرف قرار دیا ہے، جس پر خارجی اور داخلی ہر طرح شواہد کو پیش کیا ہے۔

انجیل کی تحریف اور قرآنی نقطہ نظر:

انجیل کی تحریف سے متعلق قرآنی نقطہ نظر یہ ہے کہ انجیل (عہد نامہ قدیم و جدید دونوں) میں تحریف ہو چکی ہے۔ اس کلام اللہ کو جو عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی کو بدلا گیا ہے۔ اس پر تین قسم کے دلائل موجود ہیں:

۱- تورات اور انجیل کے متعلق عمومی آیات میں تحریف

۲- اناجیل میں باہمی تضادات

۳- بنیادی عقائد میں قرآن و انجیل کا اختلاف

کتب سابقہ کی آیات میں عمومی تحریف:

قرآن مجید اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ کتب سابقہ میں عام تحریف ہوئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَفَتَطْمَعُونَ أَنْ يُؤْمِنُواْ لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلاَمَ اللّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾[1]

(اے مسلمانو!) کیا تم یہ توقع رکھتے ہو کہ وہ (یہودی) تم پر یقین کر لیں گے جبکہ ان میں سے ایک گروہ کے لوگ ایسے (بھی) تھے کہ اللہ کا کلام (تورات) سنتے پھر اسے

---

(۱) سورۃ البقرۃ: ۲/ ۷۵

سمجھنے کے بعد (خود) بدل دیتے حالانکہ وہ خوب جانتے تھے (کہ حقیقت کیا ہے اور وہ کیا کر رہے ہیں)۔

نہ صرف یہ کہ تحریف ہوئی بلکہ اس پر سخت وعید کا بھی ذکر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِندِ اللهِ لِيَشْتَرُواْ بِهِ ثَمَناً قَلِيلاً فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُونَ﴾[1]

پس ایسے لوگوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو اپنے ہی ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں، پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس کے عوض تھوڑے سے دام کما لیں، سو ان کے لئے اس (کتاب کی وجہ) سے ہلاکت ہے جو ان کے ہاتھوں نے تحریر کی اور اس (معاوضہ کی وجہ) سے تباہی ہے جو وہ کما رہے ہیں۔

اس تحریف پر اللہ تعالیٰ اس قدر غصہ اور ناراض ہے کہ محرفین پر لعنت فرمائی ہے اور ان کو سنگ دل قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَبِمَا نَقْضِهِم مِّيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ وَنَسُواْ حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُواْ بِهِ وَلاَ تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ إِلاَّ قَلِيلاً مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾[2]

ترجمہ: پھر ان کی اپنی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت کی (یعنی وہ ہماری رحمت سے محروم ہوگئے)، اور ہم نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا (یعنی وہ ہدایت اور اثر پذیری سے محروم ہوگئے، چنانچہ) وہ لوگ (کتابِ الٰہی کے) کلمات کو ان کے (صحیح) مقامات سے بدل دیتے ہیں اور اس (رہنمائی) کا ایک (بڑا) حصہ بھول گئے ہیں جس کی انہیں نصیحت کی گئی تھی، اور آپ ہمیشہ ان کی کسی نہ کسی خیانت پر مطلع ہوتے رہیں گے سوائے ان میں سے چند ایک کے (جو ایمان لا چکے ہیں) سو آپ انہیں معاف فرما دیجئے اور درگزر فرمائیے، بیشک اللہ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

---

(۱) سورۃ البقرۃ:۲/ ۷۹

(۲) سورۃ المائدۃ:۲/۱۳

یہ تحریف ان کی سخت دلی، یثاق خداوندی سے روگردانی اور خیانت گری کا نتیجہ ہے جس کی وجہ سے وہ مستحق لعنت ٹھرے ہیں۔ اس وجہ سے نہ صرف لعنتی اور کاہر ٹھہرے بلکہ قیامت میں مستحق عذاب قرار دیے گئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِه وَ يَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا وَ اسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّ رَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَ طَعْنًا فِي الدِّيْنِ وَ لَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا وَ اسْمَعْ وَ انْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَ اَقْوَمَ وَ لٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ﴾(۱)

ترجمہ: کلاموں (ارشاداتِ خداوندی) کو ان کی جگہ سے پھیرتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور نہ مانا اور سنئے آپ سنائے نہ جائیں اور راعنا کہتے ہیں زبانیں پھیر کر اور دین میں طعنہ کے لیے اور اگر وہ کہتے کہ ہم نے سنا اور مانا اور حضور ہماری بات سنیں اور حضور ہم پر نظر فرمائیں تو ان کے لیے بھلائی اور راستی میں زیادہ ہوتا لیکن اُن پر تو اللہ نے لعنت کی اُن کے کفر کے سبب۔

جبکہ سورۃ المائدہ میں فرمایا:

﴿يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِن بَعْدِ مَوَاضِعِهِ ۖ يَقُولُونَ إِنْ أُوتِيتُمْ هَٰذَا فَخُذُوهُ وَإِن لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوا ۚ وَمَن يُرِدِ اللَّهُ فِتْنَتَهُ فَلَن تَمْلِكَ لَهُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُرِدِ اللَّهُ أَن يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمْ ۚ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۖ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾(۲)

اللہ کی باتوں کو ان کے ٹھکانوں کے بعد بدل دیتے ہیں کہتے ہیں یہ حکم تمہیں ملے تو مانو اور یہ نہ ملے تو بچو اور جسے اللہ گمراہ کرنا چاہے تو ہرگز تو اللہ سے اس کا کچھ بنا نہ سکے گا وہ ہیں کہ اللہ نے ان کا دل پاک کرنا نہ چاہا اُنہیں دنیا میں رُسوائی ہے اور انہیں آخرت میں بڑا عذاب۔

اناجیل میں باہمی تضادات:

اس تحریف کی تصدیق اناجیل کی باہم تضادات سے بھی ہوتے قرآن مجید نے اس تحریف پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہوئے فرمایا:

---

(۱) سورۃ النساء:۴/۴۶

(۲) سورۃ المائدۃ:۵/۴۱

﴿أَفَلاَ يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ اللّهِ لَوَجَدُواْ فِيهِ اخْتِلاَفًا كَثِيرًا﴾[1]

تو کیا وہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے، اور اگر یہ (قرآن) غیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے (آیا) ہوتا تو یہ لوگ اس میں بہت سا اختلاف پاتے۔

جب اناجیل کا جائزہ لیا جاتا ہے تو اس میں درجنوں اختلافات پائے جاتے ہیں، یہ اس کا بین ثبوت ہے کہ وہ تحریف شدہ ہے۔ اگر اس میں تحریفات نہ ہوئی ہوتی اور من جانب اللہ ہوتا تو اس میں یہ تضادات اور اختلاف بالکل نہ ہوتے۔ ذیل میں چند باہمی اختلافات اور تضادات درج کی جاتی ہیں:

اختلاف اول:

سب سے پہلا اختلاف انجیل میں حضرت عیسی علیہ السلام کی نسب کے متعلق پایا جاتا ہے، چنانچہ مسیحی علماء حضرت عیسی علیہ السلام کو یوسف کا بیٹا مانتے ہیں جو حضرت مریم کا شوہر تھا۔ یوسف علیہ السلام کے بارے میں انجیل متی سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یعقوب کا بیٹا تھا (نعوذ باللہ) انجیل متی میں ہے:

"اور یعقوب سے یوسف پیدا ہوا"۔[2]

اور انجیل لوقا سے معلوم ہوتا ہے کہ یوسف عیلی کا بیٹا تھا ملاحظہ ہو:

"مسیح یوسف کا بیٹا تھا، اور وہ عیلی کا"۔[3]

اختلاف دوم:

انجیل مرقس (باب چہارم) سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسیح نے جماعت کو وعظ تمثیلات کے بعد چلے جانے کا حکم دیا تھا، جب کہ دریا میں طغیانی تھی، اور انجیل متی (باب ہشتم) سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ دونوں واقعے پہاڑی وعظ کے بعد پیش آئے ہیں چنانچہ متی نے تمثیلات والا وعظ باب ۱۳ میں لکھا ہے لہذا یہ وعظ دونوں واقعات کے کافی عرصہ بعد ثابت ہوا، کیونکہ دونوں مواعظ کے درمیان کافی مدت کا فاصلہ ہے، اس لیے یہ یقینی طور پر غلط ہے۔[4]

---

(۱) سورۃ النساء: ۴/ ۸۲

(۲) انجیل متی: ۱:۱۶

(۳) انجیل لوقا: ۳:۳۳

(۴) بائبل سے قرآن تک، رحمت اللہ کیرانوی، مکتبہ دار العلوم کراچی، طبعہ پنجم، ۱/۴۰۰

اختلاف سوم:

مرقس باب ۱۱ میں لکھتاہے، کہ مسیح اور یہودیوں کے درمیان مشہور مباحثہ اور مناظرہ یروشلم پہنچنے کے تین دن بعد پیش آیاتھا۔ اس کے برعکس متی نے باب ۲۱ میں لکھاہے کہ یہ مناظرہ دوسرے دن ہوا۔ اس لیے یقینا یہ غلط ہے۔[۱]

اختلاف چہارم:

مرقس نے باب اول میں لکھاہے:

یحیٰ ٹڈیاں اور خشکی کا شہد کھایا کرتے تھے۔[۲]

اور متی باب ۱۱ میں لکھاہے کہ:

وہ نہ کھاتے تھے اور نہ پیتے تھے۔[۳]

درج بالا چہار اختلاف بطور نمونہ ان درجنوں اختلاف وتضادات میں سے، جو انجیل میں پائی جاتی ہیں۔ یہ تضادات واضح ثبوت ہے کہ انجیل تحریف شدہ ہے چنانچہ نصاری کا یہ باطل اعتقاد قرآن کریم کی اس آیت سے مردود ٹھرتا ہے:

﴿أَفَلاَ يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ اللّهِ لَوَجَدُواْ فِيهِ اخْتِلاَفًا كَثِيرًا﴾[۴]

تو کیا وہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے، اور اگر یہ (قرآن) غیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے (آیا) ہوتا تو یہ لوگ اس میں بہت سا اختلاف پاتے۔

بنیادی عقائد میں قرآن وانجیل کا اختلاف:

اسی طرح انجیل اور قرآن کے تقابلی جائزے سے معلوم ہوتاہے کہ انجیل کے بعض بنیادی عقائد قرآن کریم سے متصادم ہیں جو اس کے محرف ہونے پر واضح دلیل ہے۔ ان متصادم عقائد میں سے دو تین عقائد بطور نموذج لکھے جاتے ہیں۔

---

(۱) بائبل سے قرآن تک، رحمت اللہ کیرانوی، مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبعہ پنجم، ۱\۴۰۱

(۲) انجیل مرقس:۶:۱

(۳) انجیل متی،۱۸:۱۱

(۴) سورۃ النساء:۴/ ۸۲

• الوہیت مسیح

اس کائنات کو بنانے والا ایک ہی خالق ہے۔ جس نے اپنے توحید کے پیغام کو پہنچانے کے لیے یہ دور میں انبیاء ورسل کو مبعوث فرمایا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ان کے بنیادی عقائد اور دعوت میں تضاد ہو۔ قرآن مجید نے ابن بنیادی خرابیوں کو جڑ اکاڑ پھینکا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَّقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَآلُواْ إِنَّ اللّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ قُلْ فَمَن يَمْلِكُ مِنَ اللّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَن يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَمَن فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَلِلّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَاللّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾(۱)

ترجمہ: بیشک ان لوگوں نے کفر کیا جو کہتے ہیں کہ یقیناً اللہ مسیح ابن مریم ہی (تو) ہے، آپ فرما دیں: پھر کون (ایسا شخص) ہے جو اللہ (کی مشیت میں) سے کسی شے کا مالک ہو؟ اگر وہ اس بات کا ارادہ فرمالے کہ مسیح ابن مریم اور اس کی ماں اور سب زمین والوں کو ہلاک فرما دے گا (تو اس کے فیصلے کے خلاف انہیں کون بچا سکتا ہے؟) اور آسمانوں اور زمین اور جو (کائنات) ان دونوں کے درمیان ہے (سب) کی بادشاہی اللہ ہی کے لئے ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے، اور اللہ ہر چیز پر بڑا قادر ہے۔

اس آیت کے ذیل میں غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ عیسائی حضرت عیسی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ مانتے ہیں اور اس کی تصدیق اس سے ہوتی ہے کہ موجودہ چھپی ہوئی انجیل کے ٹائیٹل پر یہ لکھا ہوا ہے انجیل مقدس یعنی ہمارے خداوند اور منجی یسوع مسیح کا نیا عہد نامہ۔ اللہ تعالی نے ان کے اس زعم فاسد کا رد کیا اور فرمایا اے نبی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان عیسائیوں سے یہ کہیے کہ حضرت عیسی علیہ السلام اور ان کی ماں سے موت کو دور کرنے پر کون قادر ہے؟ بلکہ اگر وہ تمام مخلوق کو فنا کرنے کا ارادہ کے تو اس کو کون روک سکتا ہے؟ بے شک اللہ تعالی ساری مخلوق کو ہلاک کرنے پر قادر ہے۔ کوئی اس کے فیصلے کو رد کر سکتا ہے، نہ اس کے حکم کو ٹال سکتا ہے، اس کی مشیت اور ارادہ کے مقابلہ میں کسی کا زور نہیں اور جب

(۱) سورۃ المائدۃ:۵/ ۱۷

مسیح اپنے نفس سے اور اپنی ماں سے ہلاکت اور موت کو دور نہیں کر سکتے تو وہ اللہ تعالیٰ کیسے ہو سکتے ہیں؟"۔[1]

• مسیح ابن اللہ کا عقیدہ

مسیحیوں کا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام تین خداوں میں سے ایک ہے، جسے قرآن مجید رد کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لاَ تَغْلُواْ فِي دِينِكُمْ وَلاَ تَقُولُواْ عَلَى اللهِ إِلاَّ الْحَقِّ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ فَآمِنُواْ بِاللهِ وَرُسُلِهِ﴾[2]

ترجمہ: اے اہلِ کتاب! تم اپنے دین میں حد سے زائد نہ بڑھو اور اللہ کی شان میں سچ کے سوا کچھ نہ کہو، حقیقت صرف یہ ہے کہ مسیح عیسیٰ ابن مریم (علیہما السلام) اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ ہے جسے اس نے مریم کی طرف پہنچا دیا اور اس (کی طرف) سے ایک روح ہے۔ پس تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔

انجیل میں متعدد مقامات پر عیسی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیا گیا ہے۔ اس آیت میں اور متعدد دیگر آیات میں اللہ تعالی نے اس نظریے کو باطل قرار دیا ہے۔

• عقیدہ تثلیث

عقیدہ تثلیث مسیحیوں کا ایک ایسا عقیدہ ہے جو صرف نا سمجھ ہے بلکہ لا ینحل بھی ہے۔ اس لیے قرآن مجید میں اس سے منع کیا گیا ہے:

﴿وَلاَ تَقُولُواْ ثَلاَثَةٌ انتَهُواْ خَيْرًا لَّكُمْ إِنَّمَا اللهُ إِلَهٌ وَاحِدٌ سُبْحَانَهُ أَن يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ لَّهُ مَا فِي السَّمَاوَات وَمَا فِي الأَرْضِ وَكَفَى بِاللهِ وَكِيلاً﴾[3]

ترجمہ: اور مت کہو کہ (معبود) تین ہیں، (اس عقیدہ سے) باز آجاؤ، (یہ) تمہارے لئے بہتر ہے۔ بیشک اللہ ہی یکتا معبود ہے، وہ اس سے پاک ہے کہ اس کے لئے کوئی اولاد

---

(۱) تبیان القرآن، غلام رسول سعیدی: ۳\۱۴۰

(۲) سورۃ النساء: ۴/ ۱۷۱

(۳) ایضاً: ۴/ ۱۷۲

ہو، (سب کچھ) اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور اللہ کا کارساز ہونا کافی ہے۔

انجیل میں عقیدہ تثلیث بیان ہوا ہے کہ باپ یعنی اللہ بیٹا یعنی عیسی علیہ السلام اور روح القدس تینوں اللہ تعالیٰ ہے۔ قرآن کریم نے اس آیت میں اس نظریے کو باطل قرار دیا ہے۔

پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"قرآن حکیم نے نے حضرت مسیح کی ہستی کے متعلق جو صدیوں سے ایک معمہ بن کر رہ گئی تھی صاف الفاظ میں صراحت کر دی کہ وہ مریم کے بیٹے اور اللہ کے رسول ہیں اور بن باپ اس کے کلمہ کن سے ان کی پیدائش ہوئی ہے، اور وہ اللہ تعالی کی مقرب روحوں میں سے ایک مقدس روح ہیں اب ان الفاظ سے عیسائیوں کو ان کے غلط عقیدہ سے باز رہنے کا حکم دیا جا رہا ہے"۔[1]

مذکورہ بالا بنیادی عقائد میں قرآن اور انجیل کے اختلافات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انجیل محرف شدہ ہے، اس میں لفظ و معنا تبدیلیاں ہو چکی ہیں۔

حاصل کلام:

نصاری بھی اپنی محرف کتاب یعنی انجیل کو غیر محرف سمجھتے تھے قرآن کریم میں "تحریف کتب سابقہ" کے سیاق میں عمومی آیات موجود ہیں جس سے ان کے اس باطل دعوی کی تردید ہوتی ہے، اسی طرح انجیل کے باہمی تضادات اور قرآن و انجیل کے باہمی اختلافات سے نصاری کا انجیل سے متعلق باطل نظریہ رد ہو جاتا ہے۔

---

(۱) تفسیر ضیاء القرآن، ۱\۴۲۶

فصل سوم:

آسمانی کتب سے متعلق مشرکین کا نظریہ

مشرکین مکہ جو متعدد خداؤں کے عبادت کرتے تھے اور ان سے مدد طلب کرتے تھے۔ نیکو کار انسانوں کی مورتیاں بنا کر ان کی عبادت کرتے تھے۔ صفات خداوندی میں غیر اللہ کو شریک مانتے تھے۔اس فصل میں ان عقائد و نظریات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

شرک کی تعریف:

شرک کی صحیح تعریف علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی (متوفی ۷۹۱ھ) نے اس طرح کی ہے:

"الاشراك هو اثبات الشريك في الالوهية بمعني وجوب الوجود كما للمجوس أو بمعني استحقاق العبادة كما لعبدة الاصنام(۱)

شرک کرنا یہ ہے کہ الوہیت میں شریک کو ثابت کیا جائے، یعنی اللہ کے سوا کسی کو واجب الوجود مانا جائے جیسا کہ مجوسی دو واجب الوجود مانتے ہیں (ایک یزداں اور ایک اہرمن) یا اللہ کے سوا کسی کو عبادت کا مستحق مانا جائے جیسا کہ بت پرستوں کو عبادت کا مستحق مانتے ہیں"۔

مشرکین کے مختلف فرقے:

مشرکین کا کلمہ ایک نہیں تھا ان کے مختلف گروہ تھے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"مشرکین کے مختلف گروہ اور فرقے ہیں: ۱- بت پرست، یہ لوگ کہتے ہیں کہ بت عبودیت میں اللہ کے شریک ہیں، لیکن وہ یہ اعتراف کرتے ہیں کہ بتوں کو تخلیق اور ایجاد پر کوئی قدرت نہیں ہے۔ ۲- مشرکین یہ کہتے ہیں کہ اس جہاں کی تدبیر کرنے والے کواکب (ستارے) ہیں اور ان کے دو فریق ہیں اول وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ یہ کواکب واجب الوجود (قدیم) ہیں۔ ثانی وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ یہ کواکب ممکن الوجود ہیں اور حادث ہیں اور ان کا خالق اللہ تعالی ہے، لیکن اللہ تعالی نے اس جہاں کی تدبیر ان کے سپرد کر دی ہے۔ ۳- بعض مشرکین یہ کہتے ہیں کہ آسمانوں اور زمینوں میں دو اللہ تعالیٰ ہیں ایک فاعل خیر ہے اور دوسرا فاعل شر ہے"۔(۲)

---

(۱) شرح عقائد نسفی، سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی، مکتبہ لدھیانوی، (س۔ن)، ص: ۹۱-۹۲

(۲) مفاتیح الغیب المعروف بہ تفسیر رازی، المکتبۃ الشاملۃ، ۶\۴۰۵

آسمانی کتب سے متعلق مشرکین کا عقیدہ:

سابقہ مباحث میں یہ تذکرہ گزرا ہے کہ مشرکین مکہ آسمانی کتب کے حوالے سے یہ آراء رکھتے تھے: اول: تورات وانجیل تو خدا کی اتاری ہوئی کتب ہیں، لیکن محمد (ﷺ) جس کتاب کو لائے ہے وہ منزل من السماء نہیں ہے بلکہ وہ از خود اس کو بناتے ہے یا شیطان ان پر القاء کرتا ہے۔ دوم: اللہ تعالی نے کسی بندہ بشر پر کوئی کتاب نہیں اتاری ہے۔

سابقہ کتب کے اقرار اور قرآن کے انکاری عقیدے کا جائزہ:

یہ ایک عجیب دعویٰ اور عقیدہ ہے کہ جن کتب سماویہ کے نازل کرنے والے ایک ہی ذات ہے۔ پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ کسی کو مانا جائے اور کسی کو رد کیا جائے۔ باری تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَا قَدَرُواْ اللّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِذْ قَالُواْ مَا أَنزَلَ اللّهُ عَلَى بَشَرٍ مِّن شَيْءٍ قُلْ مَنْ أَنزَلَ الْكِتَابَ الَّذِي جَاءَ بِهِ مُوسَى نُورًا وَهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُونَهُ قَرَاطِيسَ تُبْدُونَهَا وَتُخْفُونَ كَثِيرًا وَعُلِّمْتُم مَّا لَمْ تَعْلَمُواْ أَنتُمْ وَلاَ آبَاؤُكُمْ قُلِ اللّهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِي خَوْضِهِمْ يَلْعَبُونَ* وَهَذَا كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنذِرَ أُمَّ الْقُرَى وَمَنْ حَوْلَهَا وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالآخِرَةِ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَهُمْ عَلَى صَلاَتِهِمْ يُحَافِظُونَ﴾(1)

ترجمہ: اور انہوں نے (یعنی یہود نے) اللہ کی وہ قدر نہ جانی جیسی قدر جاننا چاہیے تھی، جب انہوں نے یہ کہہ (کر رسالتِ محمدی ﷺ کا انکار کر) دیا کہ اللہ نے کسی آدمی پر کوئی چیز نہیں اتاری۔ آپ فرما دیجئے: وہ کتاب کس نے اتاری تھی جو موسیٰ (علیہ السلام) لے کر آئے تھے جو لوگوں کے لئے روشنی اور ہدایت تھی؟ تم نے جس کے الگ الگ کاغذ بنا لئے ہیں تم اسے (لوگوں پر) ظاہر (بھی) کرتے ہو اور (اس میں سے) بہت کچھ چھپاتے (بھی) ہو، اور تمہیں وہ (کچھ) سکھایا گیا ہے جو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا، آپ فرما دیجئے: (یہ سب) اللہ (ہی کا کرم ہے) پھر آپ انہیں (ان کے حال پر) چھوڑ دیں کہ وہ اپنی خرافات میں کھیلتے رہیں۔اور یہ (وہ) کتاب ہے جسے ہم نے نازل فرمایا ہے، بابرکت ہے، جو کتابیں اس سے پہلے تھیں ان کی (اصلاً) تصدیق کرنے والی ہے۔ اور (یہ) اس لئے (نازل کی گئی ہے) کہ آپ (اولاً) سب (انسانی)

---

(۱) سورۃ الأنعام: ۶/ ۹۱-۹۲

بستیوں کے مرکز (مکّہ) والوں کو اور (ثانیاً ساری دنیا میں) اس کے ارد گرد والوں کو ڈر سنائیں، اور جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اس پر وہی ایمان لاتے ہیں اور وہی لوگ اپنی نماز کی پوری حفاظت کرتے ہیں۔

اور (ویسی ہی) یہ کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے بابرکت جو اپنے سے پہلی (کتابوں) کی تصدیق کرتی ہے اور (جو) اس لئے (نازل کی گئی ہے) کہ تم مکے اور اس کے آس پاس کے لوگوں کو آگاہ کر دو۔ اور جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور وہ اپنی نمازوں کی پوری خبر رکھتے ہیں۔

اس آیات سے متعلق مختلف مفسرین کا اختلاف ہے، بعض کا ماننا ہے کہ یہ آیات مشرکین مکہ متعلق نازل ہوئی ہیں جبکہ بعض کا کہنا ہے کہ یہ آیات یہود کے متعلق نازل ہوئی ہیں، امام المفسرین ابن جریر طبری کا کہنا ہے کہ یہ آیات مشرکین مکہ کے رد میں نازل ہوئی ہیں کیونکہ سورت انعام مکی ہے اور یہ یکبارگی نازل ہوئی ہے۔ ابن جریر طبری نے اس موقف کی حمایت میں مجاہد رحمہ اللہ کا قول بھی نقل کیا ہے غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے تحت نقل کرتے ہیں:

"اور مشرکین کے متعلق یہ روایت ہے: مجاہد بیان کرتے ہیں کہ مشرکین قریش نے یہ کہا تھا کہ اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی، تو اللہ نے اس کے رد میں یہ آیت نازل کی"۔[1]

اس آیت کے تحت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

دوسری آیت ان لوگوں کے جواب میں آئی ہے جنہوں نے یہ کہہ دیا تھا کہ اللہ تعالی نے کبھی کسی بشر پر کوئی کتاب نازل ہی نہیں فرمائی۔ یہ کتابوں اور رسولوں کا قضیہ سرے سے غلط ہے۔ اس کے کہنے والے مکہ کے بت پرست ہیں۔[2]

مشرکین سے اسلوب مخاصمہ کا جائزہ:

اس آیت سے مشرکین کے اس باطل اعتقاد کا رد کیا گیا ہے کہ اگر اللہ نے کسی بندہ بشر پر وحی نازل نہیں کی ہے۔ اگر معاملہ ایسا ہی ہے تو پھر تم دین ابراہیمی، تورات اور انجیل کا اعتراف کس طرح کرتے ہو؟ گویا کہ اللہ تعالی نے اس الزامی جواب سے ان کے اس باطل نظریہ کو رد کیا ہے۔

(۱) تبیان القرآن، غلام رسول سعیدی، ۳\۵۸۳

(۲) معارف القرآن، محمد شفیع، مکتبہ معارف القرآن، ۳\۳۹۶

اس آیت میں تورات کو لیکر مشرکین کے اس گروہ پر رد تام کر دیا گیا ہے جو موسی علیہ السلام پر نزول تورات کے قائل تھے لیکن قرآن مجید سے انکار کرتے تھے۔

مشرکین کا مطلقا تکذیب آیات کا عقیدہ:

مشرکین میں سے بعض مطلقا منکر وحی تھے کیونکہ وہ رسالت کے منکر تھے تو اسی وجہ سے ان کا تمام کتب سماویہ سے انکار لازم آتا ہے۔ سورت احقاف میں اللہ کریم کا ارشاد ہے:

﴿ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُونَا إِلَيْهِ وَإِذْ لَمْ يَهْتَدُوا بِهِ فَسَيَقُولُونَ هَذَا إِفْكٌ قَدِيمٌ ﴾[۱]

ترجمہ: اور کافروں نے مومنوں سے کہا: اگر یہ (دینِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم بہتر ہوتا تو یہ لوگ اس کی طرف ہم سے پہلے نہ بڑھتے (ہم خود ہی سب سے پہلے اسے قبول کر لیتے)، اور جب ان (کفار) نے (خود) اس سے ہدایت نہ پائی تو اب کہتے ہیں کہ یہ تو پرانا جھوٹ (اور بہتان) ہے۔

اسی طرح اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا قَدَرُواْ اللّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِذْ قَالُواْ مَا أَنزَلَ اللّهُ عَلَى بَشَرٍ مِّن شَيْءٍ﴾[۲]

ترجمہ: اور انہوں نے (یعنی یہود نے) اللہ کی وہ قدر نہ جانی جیسی قدر جاننا چاہیے تھی، جب انہوں نے یہ کہہ (کر رسالتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر) دیا کہ اللہ نے کسی آدمی پر کوئی چیز نہیں اتاری۔

ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

يَقُولُ تَعَالَى: وَمَا عَظَّمُوا اللَّهَ حَقَّ تَعْظِيمِهِ، إِذْ كَذَّبُوا رُسُلَهُ إِلَيْهِمْ، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ، وَمُجَاهِدٌ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ كَثِيرٍ: نَزَلَتْ فِي قُرَيْشٍ. وَاخْتَارَهُ ابْنُ جَرِيرٍ"۔[۳]

---

(۱) سورۃ الاحقاف:۱۱/۴۶

(۲) سورۃ الانعام:۶/۹۱

(۳) تفسیر القرآن الکریم، ابن کثیر دمشقی، ۳۰۰/۳

اللہ تعالی فرماتے ہے کہ انہوں نے اللہ کی تعظیم نہیں کی کیونکہ انہوں نے مبعوث رسولوں کی تکذیب کی ہے، ابن عباس مجاہد اور عبد اللہ بن کثیر کہتے ہیں کہ یہ آیت قریش مکہ متعلق نازل ہوئی تھی اسی قول کو ابن جریر نے اختیار کیا ہے۔

اعجاز قرآنی سے مشرکین کارد:

مشرکین مکہ کہا کرتے تھے کہ محمد ﷺ قرآن مجید کو خود یا کسی سے سیکھ کر کرلے آتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو چیلنج دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَى أَن يَأْتُواْ بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لاَ يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ﴾[1]

ترجمہ: فرما دیجئے: اگر تمام انسان اور جنّات اس بات پر جمع ہو جائیں کہ وہ اس قرآن کے مثل (کوئی دوسرا کلام بنا) لائیں گے تو (بھی) وہ اس کی مثل نہیں لا سکتے۔

مشرکین مکہ جو آسمانی کتب کو خود ساختہ انسانی کاوش اور جھوٹ مانتے تھے جیسے کہ انہوں نے اس کو افک قدیم سے تعبیر کیا ہے، تو اللہ تعالی نے اس آیت میں ان کو چیلنج کیا ہے کہ اگر یہ انسانی جھوٹ ہے تو تم سب بلکہ جنات بھی اس جیسی کتاب لانے پر قادر نہیں ہو۔ پھر اس چیلنج میں تخفیف کر کے اللہ تعالیٰ نے ایک سنگل سورت بنالانے کا مطالبہ ان سے کیا۔ سورت البقرہ میں اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ پوری کتاب تو کجا دس آیات تو کجا ایک آیت بھی اس جیسی نہیں لا سکتے ہو ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَإِنْ كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَى عَبْدِنَا فَأْتُواْ بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُواْ شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ* فَإِن لَّمْ تَفْعَلُواْ وَلَن تَفْعَلُواْ فَاتَّقُواْ النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ﴾[2]

اور اگر تم اس (کلام) کے بارے میں شک میں مبتلا ہو جو ہم نے اپنے (برگزیدہ) بندے پر نازل کیا ہے تو اس جیسی کوئی ایک سورت ہی بنا لاؤ، اور (اس کام کے لئے بیشک) اللہ کے سوا اپنے (سب) حمائتیوں کو بلا لو اگر تم (اپنے شک اور انکار میں) سچے

---

(۱) سورۃ الإسراء:۱۷/ ۸۸

(۲) سورۃ البقرۃ:۲/ ۲۳-۲۴

ہو۔ پھر اگر تم ایسا نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے تو اس آگ سے بچو جس کا ایندھن آدمی (یعنی کافر) اور پتھر (یعنی ان کے بت) ہیں، جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

لیکن اگر (ایسا) نہ کر سکو اور ہرگز نہیں کر سکو گے تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے (اور جو) کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

ان آیات کی ذیل میں مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

"اسی طرح کلام الٰہی کا مثل یا نظیر پیش کرنے سے پوری مخلوق کا عاجز رہنا اس کی دلیل ہے، کہ یہ کلام اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، کسی مخلوق کا نہیں، اس آیت میں قرآن نے پوری دنیا کے انسانوں کو خطاب کر کے چیلنج دیا ہے کہ اگر تم اس کلام کو اللہ کا کلام نہیں، بلکہ انسان کا کلام سمجھتے ہو تو تم بھی انسان ہو، تمہیں بھی ایسا کلام پیش کرنے پر قدرت ہونا چاہیے۔ پورا کلام تو کیا تم اس کلام کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے کی نظیر و مثال بنا کر دکھلا دو، اور اس پر تمہارے لیے یہ مزید آسانی دی جاتی ہے کہ تنہا کوئی آدمی نہ بنا سکے تو تمہیں اختیار ہے سارے جہاں سے اپنے حمایتی اور مددگار جمع کر لو اور ایک بین العالمی کانفرس کر کے اس قرآن کی چھوٹی سے سورت کی مثال بنا لاؤ۔ پھر اسی پر بس نہیں کیا دوسری آیت میں ان کو غیرت دلائی کہ تمہاری مجال نہیں ہے کہ اس جیسی ایک سورت بنا سکو، پھر عذاب سے ڈرایا کہ جب تم اس کلام کی مثال بنانے سے اپنا عجز محسوس کرتے ہو، اور یہ صاف اس کی دلیل ہے کہ یہ انسان کا کلام نہیں، بلکہ ایسی ہستی کا کلام ہے جو تمام مخلوق سے مافوق اور بلند ہے، جس کی قدرت کاملہ سب پر حاوی ہے تو پھر اس پر ایمان نہ لانا اپنے ہاتھوں جہنم میں اپنا ٹھکانا کرنا ہے اس سے بچو"۔[1]

اس آیت میں مشرکین مکہ سے لیکر تا روز قیامت تمام ان لوگوں کو چیلنج دیا گیا ہے جو آسمانی کتاب قرآن کریم متعلق یہ باطل خیال رکھے کہ قرآن آسمانی نہیں ہے خود ساختہ ہے، پیر محمد کرم شاہ ازہری رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

"یہ دلیل ہے قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی، یہ چیلنج صرف عرب کے شعراء اور بلغاء کے لیے نہیں بلکہ عرب و عجم کے سب منکرین کو دیا جا رہا ہے۔ اسلام

(۱) معارف القرآن، محمد شفیع، ۱۴۱\۱

کے دشمنوں کے لیے یہ کتنا آسان طریقہ تھا کہ تین آیت کی ایک سورت بنا کر قرآن کے اس چیلنج کا جواب دے دیتے اور اس طرح قرآن، نبوت اور اسلام کی صداقت اور عظمت کو یک دم ختم کر کے بیک کرشمہ سہ کار کا منظر دکھا دیتے لیکن چودہ صدیاں گزر چکی ہیں اور شرق و غرب کے بدخواہ اپنی بے چین خواہشوں، لگاتار کوششوں اور جاں گسل کاوشوں کے باوجود اس چیلنج کا جواب آج تک نہیں دے سکے۔ اور نہ قیامت تک دے سکیں گے جیسے قرآن پیشین گوئی کر دی ہے، تو اب کسی انصاف پسند ذی ہوش کے لیے یہ ماننے میں انکار کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ قرآن اللہ کا کلام ہے، اور جس عبد مقرب ﷺ پر یہ قرآن نازل ہوا ہے وہ اللہ تعالی کا برگزیدہ رسول ہے۔ اس ایک آیت میں قرآن کے کلام الٰہی ہونے اور حضور ﷺ کے رسول ہونے کی ایسی دلیل پیش فرمای دی جس کے سامنے بڑے بڑے سرکش مخالفوں کی گردنیں جھک گئیں"۔ (۱)

اسی طرح ان آیات کی تفسیر میں علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"اور جب وہ اس کی مثل لانے سے عاجز رہے تو ظاہر ہو گیا کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور اس کا معارضہ کرنا مخلوق کی قدرت میں نہیں ہے"۔ (۲)

سید ابو الاعلی مودودی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"اس سے پہلے مکے میں کئی بار یہ چیلنج دیا جا چکا تھا کہ اگر تم اس قرآن کو انسان کی تصنیف سمجھتے ہو تو اس کے مانند کوئی کلام تصنیف کر کے دکھاؤ۔ اب مدینے پہنچ کر پھر اس کا اعادہ کیا جا رہا ہے"۔ (۳)

الغرض مشرکین مکہ کا تورات کو ماننا اور قرآن کو نہ ماننا اس باطل عقیدے کو قرآن کریم نے سورت انعام میں رد کیا ہے (۴)۔ جب انہوں نے از روئے عناد آسمانی کتب کو افک قرار دے کر اس کو انسانی کاوش سمجھنے کے باطل نظریہ کو بھی

---

(۱) ضیاء القرآن، ۱\۴۱

(۲) تبیان القرآن، ۱\۳۱۴

(۳) تفہیم القرآن، سید ابو الاعلی مودودی، ۱\۵۸۔ مزید تفصیلات کے لیے تفہیم القرآن میں (ملاحظہ ہو سورہ یونس، آیت ۳۸ و سورۃ ہود، آیت ۱۳ بنی اسرائیل، آیت ۸۸ الطور آیات: ۳۳ - ۳۴)

(۴) ملاحظہ ہو سورۃ الانعام، آیت نمبر ۹۱ اور ۹۲۔

اللہ کریم نے رد کیا ہے [1]۔ الغرض بار بار ان کو چیلنج دے کر قرآن کریم اس کی نظیر لانے پر ان کو لاجواب کر کے ان کے اس باطل نظریے کو رد کیا ہے کہ یہ کتاب انسانی اختراع ہے۔

حاصل کلام:

مشرکین مکہ اپنی ضد وانانیت کی وجہ سے پیغمبر ﷺ کے مخالف بن گئے تھے اور اسی وجہ سے وہ قرآن کریم کے انکاری ہوئے انہوں نے ایک تفسیر کے مطابق مطلقا نزول وحی سے انکار کیا تو قرآن کریم نے ان کو جواب دیا کہ اس قبل دین ابراہیمی کی ایک مشہور کتاب تورات پھر کہاں سے اتری؟

پھر اللہ تعالی نے ان کو مختلف پیرایوں میں چیلنج کیا ہے کہ اگر تم اپنے اس دعوی میں سچے ہو کہ قرآن اللہ کی جانب سے نہیں ہے تو پھر تم بھی تو خالص عرب ہو اہل لسان ہو فصیح و بلیغ شعراء تم میں موجود ہے تو تم اس قرآن جیسا کیوں نہیں لاتے؟ اس چیلنج نے ان کو عاجز ثابت کیا بلکہ آج تک یہ چیلنج برقرار ہے اور کسی بشر میں یہ سکت نہیں کہ وہ اس جیسا کوئی کتاب مقابل لا سکے۔

---

(۱) ملاحظہ سورۃ یونس آیت ۳۸ سورۃ ہود آیت ۱۳ بنی اسرائیل آیت ۸۸ اور سورۃ طور آیات ۳۳ تا ۳۴

باب پنجم:

رسالت سے متعلق نظریات اور آیات علم المخاصمہ کے تناظر میں ان کا جائزہ

فصل اول: رسالت سے متعلق یہود کا عقیدہ

فصل دوم: رسالت سے متعلق نصاری کا عقیدہ

فصل سوم: رسالت سے متعلق مشرکین کا عقیدہ

فصل چہارم: رسالت سے متعلق منافقین کا عقیدہ

تمہید:

باب پنجم میں چار فصلیں ہونگیں، مبادیات میں رسول، نبی اور ان کا باہمی فرق بیان کیا جائے گا، **فصل اول میں** رسالت و نبوت متعلق یہود کے باطل نظریات لکھے جائیں گے، مثلا انبیاء کی طرف ان نسبت عصیان کرنا، بت پرستی، بت سازی، خدا کا مغضوب ہونا، بچوں کا ناحق خون وغیرہ جیسے کبائر کی نسبت کرنا، قرآن کریم سے ان نظریہ کے بطلان پر دلائل ذکر ہونگے۔ ان نظریہ نبوت نساء اور قرآنی نصوص سے اس کی نفی ذکر ہو گی۔

فصل دوم میں عقیدہ رسالت سے متعلق نصاری کے گمراہانہ نظریات لکھے جائیں گے۔ مثلا الوہیت نبی کا نظریہ، عصیان انبیاء کا نظریہ، تکذیب رسالت رسول اللہ ﷺ وغیرہ قرآنی نصوص سے اس کا ابطال نقل ہو گا۔

فصل سوم رسالت سے متعلق مشرکین مکہ کے نظریات نقل کیے جائیں گے۔ جیسے نبی کو ساحر کہنا، مجنون کہنا، کاہن کہنا، اور نبی کے علم کو کسبی قرار دینا، شاعری کا الزام دینا، چنانچہ قرآنی نصوص سے ہر باطل نظریہ پر رد لکھا جائے گا اور فصل چہارم میں رسالت سے متعلق منافقین کا باطل نظریہ انکار رسالت نقل ہو گا اور قرآن کریم نے ان کے اس باطل نظریہ کا جو ابطال کیا ہے وہ لکھا جائے گا۔

فصل اول:

رسالت سے متعلق یہود کا عقیدہ

اس فصل میں رسالت سے متعلق یہود کے نظریات وعقائد کا قرآنی آیات وتعلیمات کی روشنی میں جائزہ لیا گیا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے رسول اور نبی کے متعلق گفتگو کی جائے اور دونوں میں فرق کو واضح کیا جائے۔

رسول کی لغوی واصطلاحی تحقیق:

رسول کا لغوی معنی ہے فرستادہ، قاصد، پیغمبر۔[1]

علامہ جرجانی رحمہ اللہ رسول کی لغوی تعریف ان الفاظ میں لکھتے ہیں:

الرسول: في اللغة: هو الذي أمره المرسل بأداء الرسالة بالتسليم أو بالقبض۔[2]

رسول لغت میں اس شخص کو کہا جاتا ہے جن کو مرسل یعنی بھیجنے والے نے پیغام رسانی یا وصولی کے لیے بھیجا ہو۔

اور رسول کی اصطلاحی شرعی تعریف علامہ جرجانی نے یوں کی ہے:

"وفي الشريعة: إنسان بعثه الله إلى الخلق لتبليغ الأحكام"[3]

شریعت میں رسول اس کو کہا جاتا ہے جن کو اللہ تعالی نے اپنی مخلوق تک احکام کی تبلیغ کے لیے مبعوث کیا ہو۔

نبی کی لغوی واصطلاحی تحقیق:

لفظ نبی کا لغوی واصطلاحی معنی اور وجہ تسمیہ تاج العروس میں یوں منقول ہے:

والنَّبِيءُ بالهمز فَعيلٌ بمعنى مُفْعِل كذا قاله ابنُ بَرّيّ هو المُخْبِرُ عن الله تعالى فإنَّ الله تعالى أَخبره بتوحيده وأَطلَعَه على غَيْبه وأَعلمه أنَّه نبيُّه[4]

---

(۱) القاموس الوحید، وحید الزمان کیرانوی، ادارہ اسلامیات لاہور، طبعہ اولی ۲۰۰۱، ص: ۶۲۳

(۲) التعریفات، علی بن محمد، شریف الجرجانی، مکتبہ رحمانیہ (س۔ن)، ص:۳۶

(۳) ایضاً، ص: ۳۶

(۴) تاج العروس من جواهر القاموس، محمّد بن محمّد بن عبد الرزّاق الحسيني، مرتضى، الزّبيدي، المكتبة الشاملة، ۱\۲۲۹

ابن بری نے نبی کو ہمزے کے ساتھ فعیل بمعنی مفعل بتایا ہے۔ جس کا مطلب ہے وہ ذات جو اللہ تعالی کی جانب سے خبر رساں ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالی نے اس کو اپنی توحید سے متعلق خبر دی ہے، اور اپنے غیب پر اس کو مطلع کیا ہے، اور ان کو یہ باور کرایا ہے کہ وہ اس کا نبی ہے۔

علامہ جرجانی رحمہ اللہ نبی کی تعریف ان الفاظ میں لکھتے ہیں:

النبي: من أوحي إليه بملك، أو أُلهم في قلبه، أو نبه بالرؤيا الصالحة، فالرسول أفضل بالوحي الخاص الذي فوق وحي النبوة، لأن الرسول هو من أوحي إليه جبرائيل خاصة بتنزيل الكتاب من الله۔(۱)

نبی وہ ہستی ہے جن کو فرشتے کے ذریعے وحی آتی ہے، یا ان کو قلبی الہام ہوتا ہے، یا ان کو نیک خواب کے ذریعے خبر دی جاتی ہے، پس رسول کو فضیلیت حاصل ہے اس وحی کے ذریعے جو نبوت کی وحی سے بلند ہے، کیونکہ رسول وہ ہوتا ہے جن کو جبریل امین اللہ کی جانب سے وحی خاص کے ذریعے کتاب دی ہو۔

نبی اور رسول میں فرق:

علامہ شریف جرجانی نبی اور رسول میں فرق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قال الكلبي، والفراء: كل رسول نبي، من غير عكس. وقالت المعتزلة: لا فرق بينهما، فإنه تعالى خاطب محمَّداً مرة بالنبي، وبالرسول مرة أخرى"۔(۲)

علامہ کلبی اور امام فراء فرماتے ہیں کہ ہر رسول نبی ہوتا ہے جبکہ ہر نبی رسول نہیں ہوتا، اور معتزلہ کا کہنا ہے کہ رسول اور نبی میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ ایک مرتبہ اللہ تعالی نے محمد ﷺ کو نبی سے اور دوسری مرتبہ رسول سے مخاطب کیا ہے۔

نبی اور رسول میں فرق کے حوالے سے متعدد اقوال منقول ہیں تاہم قول مختار یہ ہے کہ رسول صاحب شریعت اور صاحب کتاب ہوتا ہے جبکہ نبی عام ہے چاہے اس پر کتاب اتری ہو یا نہیں چنانچہ علامہ غلام رسول سعیدی صاحب نبی اور رسول میں یوں فرق بیان کرتے ہیں:

---

(۱) التعریفات:۷۹

(۲) ایضاً، ص: ۳۶

"نبی وہ انسان ہے جس پر وحی نازل کی گئی ہو، عام ازیں کہ اس پر کتاب بھی نازل کی گئی ہو یا نہیں اور رسول وہ انسان ہے جس پر وحی بھی نازل کی گئی ہو اور اس پر کتاب بھی نازل کی گئی ہو اس لیے حدیث میں ہے کہ تین سو تیرہ رسول ہیں اور ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی ہیں [۱] مسند احمد کی روایت میں ہے تین سو پندرہ رسول ہیں [۲]"۔ [۳]

نبی اور رسول میں فرق کے حوالے سے مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"رسول اور نبی کی تعریف میں متعدد اقوال ہیں: آیات مختلفہ میں غور کرنے سے جو بات احقر کے نزدیک محقق ہوئی وہ یہ ہے کہ ان دونوں کے مفہوم میں نسبت عموم و خصوص من وجہ کی ہے۔ رسول وہ ہے جو مخاطبین کو شریعت جدیدہ پہنچائے خواہ وہ شریعت خود اس رسول کے اعتبار سے بھی جدید ہو جیسے تورات وغیرہ یا صرف ان کی امت کے اعتبار سے جدید ہو جیسے اسماعیل علیہ السلام کو شریعت وہ دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قدیم شریعت ہی تھی لیکن قوم جرہم جن کی طرف ان کو مبعوث فرمایا تھا ان کو اس شریعت کا علم پہلے سے نہ تھا، حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی کے ذریعہ ہوا، اس معنی کے اعتبار سے رسول کے لیے نبی ہونا ضروری نہیں جیسے فرشتہ کے وہ رسول تو ہیں مگر نبی نہیں ہیں یا جیسے حضرت عیسی علیہ السلام کے فرستادہ قاصد جن کو آیت قرآن اذا جاءھا المرسلون میں رسول کہا گیا ہے حالانکہ وہ انبیاء تھے۔

اور نبی وہ ہے جو صاحب وحی ہو خواہ شریعت جدیدہ کی تبلیغ کرے یا شریعت قدیمہ کی جیسے اکثر انبیاء بنی اسرائیل شریعت موسویہ کی تبلیغ کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک اعتبار سے لفظ رسول نبی سے عام ہے اور دوسرے اعتبار سے نبی بہ نسبت رسول کے عام ہے جس جگہ یہ دونوں لفظ ایک ساتھ استعمال کیے گئے جیسا کہ آیات مذکورہ میں رسولا نبیا آیا ہے وہاں تو کوئی اشکال نہیں کہ خاص اور عام دونوں جمع ہو سکتے ہیں کوئی تضاد نہیں لیکن جس جگہ یہ وہ لفظ باہم متقابل آئے ہیں جیسے وما ارسلنا من رسول ولا نبی میں تو اس جگہ بقرینہ مقام لفظ نبی کو خاص اس شخص کے معنی میں لیا جائیگا جو شریعت سابقہ کی تبلیغ کرتا ہے"۔ [۴]

---

(۱) حلیۃ الاولیاء، ۱\۱۶۷

(۲) مسند احمد، أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن أسد الشيباني، دار مؤسسة الرسالة، ۵\۲۶۶

(۳) تبیان القرآن، غلام رسول سعیدی، ۷\۲۸۹

(۴) معارف القرآن، مفتی محمد شفیع: ۶\۴۲

رسالت رسول اور نبی کی لغوی واصطلاحی تحقیق میں صاحب تبیان القرآن یوں رقم طراز ہے:

"رسالت کا لغوی معنی ہے پیغام بھیجنا اور رسول کا معنی ہے بھیجا ہوا، اور نبا کا لغوی معنی ہے خبر دینا اور نبی کا لغوی معنی ہے اللہ کی طرف سے خبر دینے والا (مختار الصحاح) اور نبی اور رسول دونوں کا اصطلاحی معنی ہے وہ انسان اور بشر جس کو اللہ تعالی نے اپنے احکام کی تبلیغ کے لیے مخلوق کی طرف بھیجا ہو"۔[1]

رسالت کا مفہوم:

رسالت فعالۃ کا وزن ہے جو ارسل یرسل سے مصدر رواقع ہوتا ہے۔ ماقبل لفظ رسول کی تحقیق سے یہ بات سامنے آچکی ہے کہ ارسال رسل کے اس سلسلے کو رسالت کہا جاتا ہے، لہذا رسالت شریعت میں اللہ کی جانب سے انبیاء اور کتب کے بھیجنے کے سلسلے سے تعبیر ہوگی جس پر یقین رکھنا ایمان کے بنیادی شرائط میں سے ہے۔

---

(۱) تبیان القرآن، غلام رسول سعیدی، ۷\۲۸۹

رسالت سے متعلق یہود کے عقیدے کا جائزہ

اس فصل میں رسالت متعلق یہود کے باطل نظریات اور قرآنی آیات میں اس پر جو ردود واقع ہیں وہ بیان ہونگیں۔

انبیاء کی طرف نسبت عصیان

رسالت سے متعلق یہود کے عقائد میں سے سر فہرست جو عقیدہ سامنے آتا ہے وہ انبیاء کو فقط تبلیغ دین میں معصوم مانتے ہیں لیکن بشری بنیاد پر ان سے کبائر کے صدور کے حوالے سے وہ انبیاء ورسولوں کو معصوم نہیں مانتے ہیں، چنانچہ وہ انبیاء کی طرف مختلف معاصی کی نسبت کرتے ہیں۔ عہد نامہ قدیم میں اس کے بکثرت شواہد موجود ہیں۔ ذیل میں ان میں سے چند ایک کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

بت پرستی:

یہود کا خیال ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے صیدونی قوم کے بتوں کی پیروی اور عبادت کی ہے چنانچہ عہد نامہ قدیم میں ہے:

> " کیونکہ جب سلیمان بُڈھا ہو گیا تو اُسکی بیویوں نے اُسکے دل کو غیر معبودوں کی طرف مائل کر لیا اور اُسکا دل خُداوند اپنے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کامل نہ رہا جیسا اُسکے باپ داود کا دل تھا۔ کیونکہ سُلیمان صیدانیوں کی دیوی عستارات اور عمونیوں کے نفرتی مِلکول کی پیروی کرنے لگا۔ اور سُلیمان نے خُداوند کے آگے بدی کی اور اُس نے خُداوند کی پوری پیروی نہ کی جیسی اُس کے باپ داود نے کی تھی"۔ (۱)

اسی طرح ان کا نظریہ ہے کہ یعقوب علیہ السلام کی اولاد بتوں کی عبادت کرتے تھے اور وہ ان کی اس عبادت پر راضی تھے:

" تب یعؔقوب نے اپنے گھرانے اور اپنے سب ساتھیوں سے کہا کہ بیگانہ دیوتاؤں کو جو تُمہارے درمیان ہیں دُور کرو اور طہارت کرکے اپنے کپڑے بدل ڈالو۔ اور آؤ ہم روانہ ہوں اور بیؔت ایل کو جائیں۔ وہاں مَیں اللہ تعالیٰ کے لئِے جس نے میری تنگی کے دِن میری دُعا قبُول کی اور جِس راہ میں مَیں چلا میرے ساتھ رہا مذبح بناؤنگا۔ تب اُنہوں نے سب

---

(۱) عہد نامہ قدیم، سلاطین اول، ۱۱\۴-۶

بیگانہ دیوتاؤں کو جو اُنکے پاس تھا اور مُندروں کو جو اُنکے کانوں میں تھے یعقوب کو دیدیا اور یعقوب نے اُنکو اُس بلوط کے درخت کے نیچے جو سِکم کے نزدیک تھا دبادِیا"[1]۔

بت سازی:

یہود کا ایک یہ بھی عقیدہ ہے کہ ہارون علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے لیے سونے کا ایک بچھڑا بنایا اور ان کو اس کی عبادت کا حکم دیا چنانچہ عہد نامہ قدیم میں ہے:

"ہارُون نے اُن سے کہا تُمہاری بیویوں اور لڑکوں اور لڑکیوں کے کانوں میں جو سونے کی بالیاں ہیں اُنکو اُتار کر میرے پاس لے آؤ۔ چُنانچہ سب لوگ اُنکے کانوں سے سونے کی بالیاں اُتار اُتار کر اُنکو ہارُون کے پاس لے آئے۔ اور اُس نے اُنکو اُنکے ہاتھوں سے لیکر ایک ڈھالا ہوا بچھڑا بنایا جس کی صُورت چھینی سے ٹھیک کی۔ تب وہ کہنے لگے اَے اِسرائیل یہی تیرا وہ دیوتا ہے جو تجھ کو ملکِ مصر سے نکال کر لایا"۔[2]

غضب خداوندی بر انبیاء:

یہود کا یہ بھی ماننا ہے کہ انبیاء پر رب غضبناک بھی ہوتے ہیں۔ ان کا گمان ہے کہ موسی اور ہارون علیہم السلام پر اللہ تعالی نے ارض مقدس بطور غضب حرام قرار دیا تھا۔ چنانچہ حضرت موسی علیہ السلام کے اعتراف کے طور پر وہ کتاب استثناء کا حوالہ یوں دیتے ہیں:

"اور تمہارے ہی سبب سے خداوند مجھ پر بھی غصہ ہوا اور یہ کہا کہ تُو بھی وہاں جانے نہ پائے گا"۔[3]

رسالت میں گستاخی:

یہود نے انبیاء کو کبھی معاف نہیں کیا بلکہ ان کی طرف جھوٹ موٹ کو بھی منسوب کیا ہے جیسا کہ بائبل یرمیاہ میں ہے:

---

(۱) عہد نامہ قدیم، سلاطین اول، کتاب پیدائش ۳۵: ۲-۴

(۲) ایضاً، کتاب خروج: ۳۲: ۲-۶

(۳) عہد نامہ قدیم، کتاب استثناء: ۱: ۲۷

"نبی جھوٹی نبوت کرتے ہیں اور کاہن اُنکے وسیلہ سے حکمرانی کرتے ہیں اور میرے لوگ ایسی حالت کو پسند کرتے ہیں۔ اب تم اِسکے آخر میں کیا کروگے؟"۔[1]

بچوں کا ناحق قتل اور عورتوں کے ساتھ ناروا سلوک کا الزام:

وہ کتب جو انبیاء کے حواریوں کی طرف منسوب ہیں ان کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء نے بچوں اور عورتوں کو ناحق قتل کیا اور ان کی طرف یہ بات منسوب کی ہے کہ ان کی وجہ سے وبا پھیلی۔ چنانچہ کتاب گنتی میں ہے:

"اور ان سے کہنے لگا کیا تم نے سب عورتیں جیتی بچا رکھی ہیں؟ دیکھو ان ہی نے بلعام کی صلاح سے فعنور کے معاملہ میں بنی اسرائیل سے خداوند کی حکم عدولی کرائی اور یوں خداوند کی جماعت میں وبا پھیلی، اس لیے ان بچوں میں سے جتنے لڑکے ہیں ان کو مار ڈالو اور جتنی عورتیں مرد کا منہ دیکھ چکی ہیں ان کو قتل کر ڈالو۔ لیکن ان لڑکیوں کو جو مرد سے واقف نہیں اور اچھوتی ہیں اپنے لیے زندہ رکھو"۔[2]

اسی طرح ان کا ماننا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے بھائی ادونیا کے قتل کا حکم دیا تھا:

"تب سلیمان بادشاہ نے خُداوند کی قسم کھائی اور کہا کہ اگر ادونیاہ نے یہ بات اپنی ہی جان کے خلاف نہیں کہی تو اللہ تعالیٰ مجھ سے ایسا ہی بلکہ اِس سے بھی زیادہ کرے۔ سو اب خداوند کی حیات کی قسم جس نے مجھ کو قیام بخشا اور مجھ کو میرے باپ داود کے تخت پر بٹھایا اور میرے لیے اپنے وعدہ کے مطابق ایک گھر بنایا یقینا ادونیاہ آج ہی قتل کیا جائے گا۔ اور سلیمان بادشاہ نے یہویدع کے بیٹے بنایاہ کو بھیجا۔ اُس نے اُس پر ایسا وار کیا کہ وہ مر گیا"[3]

زنا کا الزام:

یہود کے ڈھٹائی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے انبیاء پر زنا کا الزام بھی لگایا ہے جیسا کہ وہ کہتے ہیں کہ لوط علیہ السلام نے اپنی بیٹیوں کے ساتھ زنا کیا تھا نعوذ باللہ:

---

(۱) عہد نامہ قدیم، یرمیاہ، ۵: ۳۱

(۲) ایضاً، کتاب گنتی: ۳۱: ۱۵-۱۸

(۳) عہد نامہ قدیم، کتاب سلاطین اول: ۲: ۲۳-۲۵

"اور لُوط ضُغر سے نِکل کر پہاڑ پر جابسا اور اُس کی دونوں بیٹیاں اُسکے ساتھ تھیں کیونکہ اُسے ضُغر میں بستے ڈر لگا اور وہ اور اُسکی دونوں بیٹیاں ایک غار میں رہنے لگے۔ تب پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ ہمارا باپ بُڈّھا ہے اور زمین پر کوئی مرد نہیں جو دُنیا کے دستور کے مُطابق ہمارے پاس آئے۔ آؤ ہم اپنے باپ کو مے پِلائیں اور اُس سے ہم آغوش ہوں تا کہ اپنے باپ سے نسل باقی رکھّیں۔ سو اُنہوں نے اُسی رات اپنے باپ کو مے پِلائی اور پہلوٹھی اندر گئی اور اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی پر اُس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹتی اور کب اُٹھ گئی۔ اور دُوسرے روز یُوں ہُوا کہ پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہ کہ دیکھ کل رات کو میں اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی۔ آؤ آج رات بھی اُسکو مے پِلائیں اور تُو بھی جا کر اُس سے ہم آغوش ہو تا کہ ہم اپنے باپ سے نسل باقی رکھّیں۔ سو اُس رات بھی اُنہوں نے اپنے باپ کو مے پِلائی اور چھوٹی گئی اور اُس سے ہم آغوش ہوئی پر اُس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اُٹھ گئی۔ سو لُوط کی دو بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہُوئیں۔ اور بڑی کے ایک بیٹا ہُوا اور اُس نے اُس کا نام موآب رکھا۔ وُہی موآبیوں کا باپ ہے جو اب تک موجود ہیں۔ اور چھوٹی کے بھی ایک بیٹا ہُوا اور اُس نے اُسکا نام بِن عمی رکھا۔ وہی بنی عمّون کا باپ ہے جو اب تک موجود ہیں"۔[1]

اسی طرح وہ دواد علیہ السلام کے متعلق بھی زنا کا عقیدہ رکھتے ہیں:

"اور شام کے وقت داؔؤد اپنے پلنگ پر سے اُٹھ کر بادشاہی محلّ کی چھت پر ٹہلنے لگا اور چھت پر سے اُس نے ایک عَورت کو دیکھا جو نہا رہی تھی اور وہ عَورت نِہایت خُوبصورت تھی۔ تب داؔؤد نے لوگ بھیجکر اُس عَورت کا حال دریافت کیا اور کسی نے کہا کیا وہ اِلؔعام کی بیٹی بت سؔبع نہیں جو حِتّیؔ اوریاؔہ کی بیوی ہے؟۔ اور داؔؤد نے لوگ بھیجکر اُسے بُلا لیا۔ وہ اُسکے پاس آئی اور اُس نے اُس سے صُحبت کی (کیونکر وہ اپنی ناپاکی سے پاک ہُو چکی تھی) پھر وہ اپنے گھر کو چلی گئی"[2]۔

دیوثی کا الزام:

یہود کا یہ باطل زعم ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی سارہ کو بہن بنا کر باطل طریقے سے اموال جمع کیے تھے:

---

(۱) عہد نامہ قدیم، کتاب پیدائش: ۱۹: ۳۰-۳۵

(۲) ایضاً، کتاب سموئیل دوم: ۱۱: ۲-۳

"اور اُس مُلک میں کال پڑا اور ابرؔام مؔصر کو گیا کہ ہو اں ٹِکا رہے کیونکہ مُلک میں سخت کال تھا۔ اور اَیسا ہوا کہ جب وہ مؔصر میں داخِل ہونے کو تھا تو اُس نے اپنی بیوی ساؔرَی سے کہا کہ دیکھ مَیں جانتا ہوں کہ تُو دیکھنے میں خوبصورت عورت ہے۔ اور یوں ہو گا کہ مصری تجھے دیکھ کر کہینگے کہ یہ اُسکی بیوی ہے۔ سو وہ مجھے تو مار ڈالینگے۔ مگر تجھے زندہ رکھ لینگے۔ سو تُو یہ کہہ دینا کہ مَیں اِسکی بہن ہوں تا کہ تیرے سبب سے میری خَیر ہو اور میری جان تیری بدولت بچی رہے۔ اور یُوں ہُوا کہ جب ابرؔام مؔصر میں آیا تو مصریوں نے اُس عورت کو دیکھا کہ وہ نہایت خوبصورت ہے۔ اور فرؔعون کے اُمرا نے اُسے دیکھ کر فرؔعون کے حضور میں اُسکی تعریف کی اور وہ عورت فرؔعون کے گھر میں پہنچائی گئی۔ اور اُس نے اُسکی خاطر ابؔرام پر اِحسان کیا اور بھیڑ بکریاں اور گائے بیل اور گدھے اور غلام اور لَونڈیاں اور گدھیاں اور اُونٹ اُسکے پاس ہو گئے"[۱]۔

شراب نوشی کا الزام:

جیسے کہ ما قبل واقعہ میں گزر چکا ہے کہ یہود کے تحریف کردہ عہد نامہ کے مطابق لوط علیہ السلام کو بیٹیوں نے شراب پلائی اور انہوں نے پی لی۔

"سو اُنہوں نے اُسی رات اپنے باپ کو مے پِلائی اور پہلوٹھی اندر گئی اور اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی پر اُس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹتی اور کب اُٹھ گئی۔ اور دُوسرے روز یُوں ہُوا کہ پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہ کہ دیکھ کل رات کو میں اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی۔ آؤ آج رات بھی اُسکو مے پِلائیں اور تُو بھی جا کر اُس سے ہم آغوش ہو تا کہ ہم اپنے باپ سے نسل باقی رکھّیں۔ سو اُس رات بھی اُنہوں نے اپنے باپ کو مے پِلائی اور چھوٹی گئی اور اُس سے ہم آغوش ہوئی پر اُس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اُٹھ گئی"۔[۲]

ناچ گانے کا الزام:

یہود حضرت داود علیہ السلام پر رقص کا الزام لگاتے ہیں:

اور داود خُداوند کے حُضُور اپنے سارے زور سے ناچنے لگا۔[۳]

---

(۱) عہدنامہ قدیم، کتاب پیدائش: ۱۲: ۱۲: ۱۰-۱۶

(۲) ایضاً،:۱۹: ۳۳-۳۵

(۳) ایضاً، کتاب سموئیل دوم:۶: ۱۴

دھوکے کا الزام:

یہود کا خیال ہے کہ یعقوب علیہ السلام اپنے والد کو دھوکہ دیا کرتے تھے:

"اور بکری کے بچّوں کی کھالیں اُسکے ہاتھوں اور اُسکی گردن پر جہاں بال نہ تھے لپیٹ دیں۔ اور وہ لِذیذ کھانا اور روٹی جو اُس نے تیّار کی تھی اپنے بیٹے یعقوب کے ہاتھ میں دیدی۔ تب اُس نے باپ کے پاس آکر کہا اَے میرے باپ ! اُس نے کہا مَیں حاضِر ہُوں۔ تُو کون ہے میرے بیٹے؟۔ یعقوب نے اپنے باپ سے کہا مَیں تیرا پہلوٹھا بیٹا عیسو ہُوں۔ مَیں نے تیرے کہنے کے مُطابق کِیا ہے۔ سو ذرا اُٹھ اور بیٹھ کر میرے شِکار کا گوشت کھا تا کہ تُو دل سے مُجھے دُعا دے۔ تب اِضحاق نے اپنے بیٹے سے کہا بیٹا! تُجھے یہ اِس قدر جلد کیسے مل گیا؟ اُس نے کہا اس لیے کہ خُداوند تیرے خُدا نے میرا کام بنا دیا"۔[1]

مذکورہ شواہد سے بخوبی یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہود انبیاء کی عصمت کے قائل نہیں ہیں اور وہ انبیاء کی طرف ہر طرح معاصی کی نسبت کر چکے ہیں جبکہ قرآن کریم اس نظریہ اور عقیدہ کو رد کرتا ہے۔

ردِ یہود اور عصمت انبیاء:

قرآن کریم میں منصب رسالت پر فائز انبیاء علیہم السلام کی واقعات اور صفات سے عصمت انبیاء کا موقف مکمل وضوح کے ساتھ سامنے آتا ہے جس سے یہود کے اس باطل عقائد کی مکمل تردید ہوتی ہے۔ ذیل میں عصمت انبیاء پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

عصمت انبیاء کا مفہوم:

" **العصمة هى ملكة اجتناب المعاصي مع التمكن منها**"۔[2]

عصمت وہ ملکہ ہے جس کے ذریعے سے انسان گناہوں سے بچتا ہے باوجود امکان معاصی کے۔

عصمت انبیاء متعلق علامہ غلام رسول سعیدی صاحب تبیان القرآن میں رقم طراز ہیں:

---

(۱) عہد نامہ قدیم، کتاب پیدائش: ۲۷: ۱۶-۲۰

(۲) التعریفات، سید شریف جرجانی، ص:۴۸

"ہمارے نزدیک عصمت کا معنی ہے کہ اللہ تعالی انبیاء علیہم السلام میں گناہ پیدا نہ کرے اور حکما کے نزدیک عصمت ایک ملکہ (صفت راسخہ، صفت نفسانیہ) ہے جو معاصی کی قباحت اور عبادت کی فضیلت کے علم کی وجہ سے ان کو گناہوں سے روکتی ہے، اور عبادت پر برانگیختہ کرتی ہے اور اوامر اور نواہی کی مسلسل وحی کی وجہ سے یہ صفت اور راسخ ہو جاتی ہے اور انبیاء علیہم السلام سے جو سہوا اور بعض کے نزدیک عمدا اصغائر صادر ہوتے ہیں یا وہ کسی اولی اور افضل کام کو ترک کر دیتے ہیں اس سے ان کی عصمت پر اعتراض نہیں ہو گا کیونکہ صفات نفسیانیہ ابتداء غیر راسخ ہوتی ہیں، پھر بتدریج راسخ ہو جاتی ہیں (اور راسخ ہونے کے بعد وہ صفات ملکیہ کہلاتی ہیں)۔ (۱)

عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ انبیاء نمایاں خصوصیات کے حامل ہو اور اپنے پیغام پر مضبوطی سے عمل پیرا ہوں ان کی زندگی مثالی (آئیڈیل) ہو۔ صاحب تبیان القرآن لکھتے ہیں:

"انبیاء علیہم السلام اور عام بشروں میں صرف وحی کے لحاظ سے ہی فرق نہیں ہوتا بلکہ خصوصیات کے لحاظ سے بھی فرق ہوتا ہے، ان کی بشریت مادی کثافتوں سے منزہ ہوتی ہے اور کمال قرب الہی کی وجہ سے ان کا قلب انوار الہیہ کی جلوہ گاہ ہوتا ہے اور جس قدر خوف خدا ان کو ہوتا ہے مخلوق میں سے کسی کو نہیں ہوتا"۔ (۲)

دلائل عصمت انبیاء:

انبیاء کی عصمت یعنی کہ وہ گناہوں سے معصوم ہیں اس پر قرآن کریم کی آیات دال ہیں۔ ذیل میں ادلہ اور طریق استدال ذکر کیا جاتا ہے۔

پہلی دلیل:

اگر یہ مان لیا جائے کہ انبیاء معصوم نہیں ہیں ان سے گناہ صادر ہو سکتے ہیں تو پھر ان کی اتباع کلی کیسے لازم قرار دی جاسکتی ہے؟ جبکہ قرآن کریم میں انبیاء کی کامل اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (۳)

---

(۱) تبیان القرآن، غلام رسول سعیدی: ۱/ ۳۴۷

(۲) ایضاً، ۱/ ۳۴۸

(۳) سورۃ آل عمران: ۳/ ۳۱

(اے حبیب!) آپ فرما دیں: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو تب اللہ تمہیں (اپنا) محبوب بنا لے گا اور تمہارے لئے تمہارے گناہ معاف فرما دے گا، اور اللہ نہایت بخشنے والا مہربان ہے۔

دوسری دلیل:

قرآن وحدیث کی روشنی میں جس شخص سے گناہ صادر ہو اس کی گواہی معتبر نہیں ہوتی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ﴾(۱)

مومنو! اگر کوئی بدکردار تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو خوب تحقیق کرلیا کرو (مبادا) کہ کسی قوم کو نادانی سے نقصان پہنچادو۔ پھر تم کو اپنے کئے پر نادم ہونا پڑے۔

تیسری دلیل:

نبوت ایک بہت بڑی واہم ذمہ داری ہے۔ فاسق نبوت کا اہل نہیں ہو سکتا قرآن میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿قَالَ لاَ يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ﴾(۲)

ترجمہ: ارشاد ہوا: (ہاں! مگر) میرا وعدہ ظالموں کو نہیں پہنچتا۔

چوتھی دلیل:

اہل معاصی شیطان کے ورغلانے میں آتے ہیں جبکہ انبیاء پر شیطان کا اختیار نہیں چلتا بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے اخص اور چنیدہ بندے ہوتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَo إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَo ﴾(۳)

ترجمہ: اس نے کہا: سو تیری عزّت کی قسم! میں ان سب لوگوں کو ضرور گمراہ کرتا رہوں گا۔ سوائے تیرے اُن بندوں کے جو چُنیدہ و برگزیدہ ہیں۔

---

(۱) سورۃ الحجرات:۴۹/ ۶

(۲) سورۃ البقرۃ:۲/ ۱۲۴

(۳) سورۃ ص:۳۸/ ۸۲-۸۳

ان دلائل سے یہ بات قطعیت کے ساتھ ثابت ہو جاتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے معصوم بندے ہیں اور ان پر جو الزامات واتہامات یہود نے لگائے ہیں وہ سب ان کے تحریفات ہیں اور بے بنیاد باتیں ہیں جن سے انبیاء منزہ ہوتے ہیں۔

رسالت خواتین اور یہودی عقیدہ:

یہود کے عقائد میں سے ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ بنی اسرائیل کی عورتیں بھی نبیہ ہوا کرتی تھیں۔ جیسے ہاورن وموسی علیہم السلام کی بہن مریم، دبورۃ، شلوم کی بیوی خلدۃ، سموئیل کی ماں حنہ وغیرہ۔ ذیل میں تورات سے چند شواہد پیش کی جاتی ہیں:

"تب ہارون کی بہن مریم نبیّہ نے دف ہاتھ میں لیا اور سب عورتیں دف لئے ناچتی ہوئی اُسکے پیچھے چلیں"۔[1]

قرآن کریم کی تعلمات سے یہی بات ثابت ہے کہ عورت نبی نہیں بن سکتی یعنی سلسلہ انبیاء میں ہمیشہ مرد ہی رہے ہیں عورت کوئی نبی نہیں آئی ہے۔ اس پر قرآن کریم کے اس آیت سے بطور اشارۃ النص یہ دعوی ثابت ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ إِلاَّ رِجَالاً نُّوحِي إِلَيْهِم مِّنْ أَهْلِ الْقُرَى أَفَلَمْ يَسِيرُواْ فِي الأَرْضِ فَيَنظُرُواْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَدَارُ الآخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ اتَّقَواْ أَفَلاَ تَعْقِلُونَ﴾[2]

ترجمہ: اور ہم نے آپ سے پہلے بھی (مختلف) بستیوں والوں میں سے مَردوں ہی کو بھیجا تھا جن کی طرف ہم وحی فرماتے تھے، کیا ان لوگوں نے زمین میں سیر نہیں کی کہ وہ (خود) دیکھ لیتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا انجام کیا ہوا، اور بیشک آخرت کا گھر پرہیز گاری اختیار کرنے والوں کے لئے بہتر ہے، کیا تم عقل نہیں رکھتے۔

اس آیت کے ذیل میں مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں:

"اس آیت میں اللہ تعالی کے رسولوں کے متعلق لفظ رجالا سے معلوم ہوا ہے کہ رسول ہمیشہ مرد ہی ہوتے ہیں، عورت نبی یا رسول نہیں ہو سکتی۔ امام ابن کثیر نے جمہور علماء کا یہی قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالی نے کسی عورت کو نبی یا رسول نہیں بنایا بعض علماء نے چند عورتوں کے متعلق نبی ہونے

---

(۱) عہد نامہ قدیم، کتاب خروج: ۱۵:۲۰

(۲) سورۃ یوسف: ۱۲/ ۱۰۹

کا اقرار کیا ہے مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بی بی سارہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اور حضرت مریم ام عیسیٰ علیہ السلام کیونکہ ان تینوں خواتین کے بارے میں قرآن کریم میں ایسے الفاظ موجود ہیں جن سے سمجھا جاتا ہے کہ بحکم خداوندی فرشتوں نے ان سے کلام کیا، اور بشارت سنائی یا خود ان کو وحی الٰہی سے کوئی بات معلوم ہوئی مگر جمہور علماء کے نزدیک ان آیتوں سے ان تینوں خواتین کی بزرگی اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا بڑا ہونا تو ثابت ہوتا ہے مگر وہ فرماتے ہیں کہ صرف یہ الفاظ ان کی نبوت ورسالت کے ثبوت کے لیے کافی نہیں"۔[1]

یا زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ جن معتبر انبیاء ہستیوں (مرد و عورت) اور دیگر مخلوق کو معنی کا تذکرہ قرآن مجید میں لغوی طور پر کیا گیا ہے جس کا مطلب الہام اور فطری القاء و تربیت ہے۔

نبوت کو کسبی قرار دینا:

یہود کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ نبوت کسبی بھی ہوتی ہے جو بربط وغیرہ بجانے سے خاص کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور پھر وحی آنا شروع ہو جاتی ہے چنانچہ عہد نامہ قدیم کی تصریح کے مطابق یوشع علیہ السلام متعلق مسطور ہے:

"تب الیشع نے شاہِ اسرائیل سے کہا مجھ کو تجھ سے کیا کام؟ تُو اپنے باپ کے نبیوں اور اپنی ماں کے نبیوں کے پاس جا پر شاہِ اسرائیل نے اُس سے کہا نہیں نہیں کیونکہ خُداوند نے اِن تینوں بادشاہوں کو اکٹھا کیا ہے تاکہ اُن کو موآب کے حوالہ کر دے۔ الیشع نے کہا رب الافواج کی حیات کی قسم جس کے آگے میں کھڑا ہوں اگر مجھے شاہِ یہوداہ یہوسفط کی حضوری کا پاس نہ ہوتا تو میں تیری طرف نظر بھی نہ کرتا اور نہ تجھے دیکھتا۔ لیکن خیر! کسی بجانے والے کو میرے پاس لاؤ اور ایسا ہوا کہ جب اُس بجانے والے نے بجایا تو خُداوند کا ہاتھ اُس پر ٹھہرا۔ پس اُس نے کہا خُداوند یوں فرماتا ہے کہ اِس وادی میں خندق ہی خندق کھود ڈالو"[2]

---

(۱) معارف القرآن، مفتی محمد شفیع: ۵\۱۵۹

(۲) عہد نامہ قدیم، کتاب سلاطین دوم، ۳: ۱۳- ۱۶

نبوت کو کسبی قرار دینے کا رد:

قرآن کریم میں اللہ تعالی نے متعدد آیات میں یہ واضح فرمایا ہے کہ نبوت محض انتخاب خداوندی کا نتیجہ ہے۔ یہ اللہ کے قانون انتخاب ہے کہ جس میں اہلیت پیدا فرمائے اور پھر ان کو نبوت سے سرفراز فرمائے۔ قرآن کریم میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿ اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ﴾ (۱)

ترجمہ: اللہ فرشتوں میں سے (بھی) اور انسانوں میں سے (بھی اپنا) پیغام پہنچانے والوں کو منتخب فرمالیتا ہے۔ بیشک اللہ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔

اس آیت کے ضمن میں مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"اور اسی طرح آدمیوں میں سے بھی جس کو چاہے عامۃ الناس کے لیے احکام پہنچانے والے مقرر کر دیتا ہے، یعنی رسالت کا مدار اصطفاء خداوندی پر ہے" (۲)

اس آیت کریمہ سے واضح طور پر یہود کا نظریہ نبوت کسبی رد ہو جاتا کہ اس میں ارسال رسل اور انتخاب رسل کے فعل کی نسبت اللہ کریم نے اپنے طرف کی ہے۔

ایک اور جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَه ﴾ (۳)

اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کا کام کس سے لے اور کس طرح لے۔

پس ثابت ہوتا ہے کہ نبوت ورسالت کسی کی محنت ومشقت اور چاہت پر مبنی نہیں یہ محض اللہ تعالیٰ کا انتخاب اور چاہت کا معاملہ ہے۔ خواہ کوئی کتنا بڑا فلسفی اور حاذق کیوں نہ ہو نبی ورسول نہیں بن سکتا جب تک اللہ تعالیٰ نہ چاہے۔

---

(۱) سورۃ الحج:۲۲/ ۷۵

(۲) معارف القرآن، محمد شفیع،۶\۲۸۷

(۳) سورۃ الانعام:۶/ ۵۳

حاصل کلام:

یہود کے نبوت متعلق باطل نظریات میں سے ایک نظریہ یہ تھا کہ انبیاء معصوم نہیں ہوتے اور اس ضمن میں عہد نامہ قدیم میں انہوں نے انبیاء کی طرف مختلف معاصی کی نسبت کی ہے مثلا ان پر چوری کا الزام لگایا ہے ان پر زنا کا الزام لگایا ہے شراب نوشی کا الزام دھرا ہے، قرآن کریم نے اس نظریہ کو صراحت کے ساتھ رد فرمایا ہے۔

اسی طرح ان کا ایک باطل نظریہ یہ بھی تھا کہ نبوت کسبی ہے تو اللہ تعالی نے فرمایا کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کی خدمت کن سے لے اور کس طرح لے۔ ان کا ایک غلط نظریہ یہ تھا کہ عورتیں بھی منصب نبوت پر فائز ہو سکتی ہیں تو اللہ تعالی نے فرمایا کہ ہم نے انبیاء ہمیشہ مردوں میں سے بھیجے ہیں۔

فصل دوم:

رسالت سے متعلق نصاری کا عقیدہ

الہامی مذاہب میں ایک بنیادی عقیدہ رسالت کا عقیدہ ہے بطور نصوص اسلام نے عقیدہ رسالت کا نہایت واضح انداز میں ذہن نشین کرایا ہے، جس میں کوئی شق نہیں چھوڑا ہے لیکن یہی عقیدہ مسیحیوں کے ہاں نہایت مشکل اور پیچیدہ بنا ہوا ہے۔ اس فصل میں اس پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

الوہیت نبی کا عقیدہ:

نصاری کا ایک طرف انبیاء کے گناہ گار ہونے کا تصور ملتا ہے تو دوسری طرف حضرت عیسی علیہ السلام کے الوہیت کا نظریہ بھی پایا جاتا ہے۔ جسے تقابل ادیان کے علم میں عقیدہ حلول و تجسیم کہا جاتا ہے۔

عیسائیت کا رسول عیسی علیہ السلام سے متعلق حلول و تجسیم کا عقیدہ ہمیں انجیل یوحنا میں ملتا ہے، حواری یوحنا حضرت عیسی علیہ السلام کی سیرت کا آغاز یوں کرتے ہیں:

"ابتدا میں کلام تھا اور کلام خُدا کے ساتھ تھا اور کلام خُدا تھا۔ یہی اِبتدا میں خُدا کے ساتھ تھا"۔ [۱]

خدائے قدوس کو مسیح علیہ السلام میں متجسد کرتے ہوئے یہی انجیل لکھتی ہے:

"اور کلام مُجَسّم ہُوا اور فضل اور سَچّائی سے معمُور ہو کر ہمارے درمیان رہا اور ہم نے اُس کا اِیسا جلال دیکھا جیسا باپ کے اِکلَوتے کا جلال"۔ [۲]

کیتھولک عقیدے کا کہنا ہے کہ وہ ذات جو خدا تھی، خدائی کی صفات کو چھوڑے انسان بن گئی۔ یعنی اس نے ہمارے جیسے وجود کی کیفیات اختیار کرلیں جو زبان و مکان کی قیود میں مقید ہے اور ایک عرصے تک ہمارے درمیان رہی۔

جیسا کہ انجیل لکھتی ہے:

"میں اور باپ ایک ہیں"۔ [۳]

---

(۱) یوحنا:۱:۱-۲

(۲) ایضاً، ۱:۱۴

(۳) ایضاً، ۱۰:۳۰

عقیدہ الوہیت مسیح علیہ السلام اور قرآن مجید:

الہامی تعلیمات ایک ہی چشمے کے پر تو ہیں، جس میں تناقص و تضاد نہیں ہو سکتا لیکن تعلیمات مسیح علیہ السلام میں قرآنی تعلیمات سے تضاد اس لیے نظر آتا ہے کہ اسے محرف بنایا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تجسید الوہیت مسیح علیہ السلام اور عقیدہ حلول اسلام میں کسی بھی قدر قابل قبول نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لاَ تَغْلُواْ فِي دِينِكُمْ وَلاَ تَقُولُواْ عَلَى اللهِ إِلاَّ الْحَقِّ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ فَآمِنُواْ بِاللهِ وَرُسُلِهِ وَلاَ تَقُولُواْ ثَلاَثَةٌ انتَهُواْ خَيْرًا لَّكُمْ إِنَّمَا اللهُ إِلَهٌ وَاحِدٌ سُبْحَانَهُ أَن يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ لَّهُ مَا فِي السَّمَاوَات وَمَا فِي الأَرْضِ وَكَفَى بِاللهِ وَكِيلاً * لَّن يَسْتَنكِفَ الْمَسِيحُ أَن يَكُونَ عَبْداً لِّلّهِ وَلاَ الْمَلآئِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ وَمَن يَسْتَنكِفْ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ إِلَيهِ جَمِيعًا﴾[1]

ترجمہ: اے اہلِ کتاب! تم اپنے دین میں حد سے زائد نہ بڑھو اور اللہ کی شان میں سچ کے سوا کچھ نہ کہو، حقیقت صرف یہ ہے کہ مسیح عیسیٰ ابن مریم (علیہما السلام) اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ ہے جسے اس نے مریم کی طرف پہنچا دیا اور اس (کی طرف) سے ایک روح ہے۔ پس تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور مت کہو کہ (معبود) تین ہیں، (اس عقیدہ سے) باز آجاؤ، (یہ) تمہارے لئے بہتر ہے۔ بیشک اللہ ہی یکتا معبود ہے، وہ اس سے پاک ہے کہ اس کے لئے کوئی اولاد ہو، (سب کچھ) اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور اللہ کا کارساز ہونا کافی ہے۔ مسیح (علیہ السلام) اس (بات) سے ہرگز عار نہیں رکھتا کہ وہ اللہ کا بندہ ہو اور نہ ہی مقرّب فرشتوں کو (اس سے کوئی عار ہے)، اور جو کوئی اس کی بندگی سے عار محسوس کرے اور تکبر کرے تو وہ ایسے تمام لوگوں کو عنقریب اپنے پاس جمع فرمائے گا۔

مسیح اس بات سے عار نہیں رکھتے کہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہوں اور نہ مقرب فرشتے (عار رکھتے ہیں) اور جو شخص اللہ تعالیٰ کا بندہ ہونے کو موجب عار سمجھے اور سرکشی کرے تو اللہ تعالیٰ سب کو اپنے پاس جمع کر لے گا۔

---

(۱) سورۃ النساء:۴/ ۱۷۱-۱۷۲

ان دو آیات میں اللہ تعالی نے نصاری کے اس باطل عقیدہ کو رد کیا ہے کہ عیسی علیہ السلام خدا تھے یا اللہ تعالیٰ کے بیٹے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول تھے اور خود حضرت عیسی علیہ السلام کو اپنے بندے ہونے پر کوئی عار نہیں تھا۔

ان آیات کی تفسیر میں علامہ غلام رسول سعیدی رقم طراز ہیں:

"اہل کتاب میں عیسائی حضرت عیسی علیہ السلام کی شان میں بہت افراط کرتے تھے ان کو خدا ار خدا کا بیٹا کہتے تھے، سو اس آیت میں اللہ تعالی نے عیسائیوں کے اس عقیدہ کا رد کیا ہے، اور فرمایا ہے کہ تم اپنے دین میں حد سے تجاوز نہ کرو اور اللہ تعالی کے متعلق حق کے سوا اور کچھ نہ کہو، یعنی یہ نہ کہو کہ اللہ عیسی کے بدن میں حلول کر گیا ہے، یا ان کے بدن کے ساتھ متحد ہو گیا ہے، یا وہ عیسی کی روح کے ساتھ متحد ہے۔ پھر اللہ تعالی نے ان کو صحیح عقیدہ بیان کیا کہ مسیح عیسی بن مریم تو صرف اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ ہے جس کو اس نے مریم کی طرف القاء کیا اور اس کی روح ہے"۔[1]

نصاری کا عقیدہ عصیان انبیاء:

جس طرح یہود کا نظریہ انبیاء کے متعلق یہ تھا کہ انبیاء سے گناہوں کا صدور ہو سکتا ہے، عین اسی طرح نصاری کا بھی عقیدہ ہے۔ اناجیل میں بھی ایسے شواہد موجود ہیں جس میں انبیاء کی طرف عصیان وفضائح کی نسبتیں موجود ہیں۔ جس سے نظریہ رسالت پر حرف آتا ہے۔

رد نظریہ نسبت عصیان:

قرآن مجید نے عصیان انبیاء کے عقیدہ کو رد کیا ہے۔

یعنی انبیاء گناہوں اور عصیان سے معصوم ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں ان کی مکمل اور بلا شروط اطاعت کا حکم دیا ہے اور جگہ جگہ یہ مضمون دھرایا گیا ہے۔

۱) اگر یہ مان لیا جائے کہ انبیاء معصوم نہیں ہیں ان سے گناہ صادر ہو سکتے ہیں تو پھر ان کی اتباع کلی کیسے لازم قرار دی جاسکتی ہے؟ جبکہ قرآن کریم میں انبیاء کی کامل اتباع کا حکم دیا گیا ہے:

﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾[2]

---

(۱) تبیان القرآن، غلام رسول سعیدی، ۸۸۵\۲

(۲) سورۃ آل عمران:۳/ ۳۱

(اے حبیب!) آپ فرما دیں: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو تب اللہ تمہیں (اپنا) محبوب بنا لے گا اور تمہارے لئے تمہارے گناہ معاف فرما دے گا، اور اللہ نہایت بخشنے والا مہربان ہے۔

۲) جس شخص سے گناہ صادر ہو اس کی گواہی معتبر نہیں ہوتی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ﴾[1]

ترجمہ: مومنو! اگر کوئی بدکردار تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو خوب تحقیق کر لیا کرو (مبادا) کہ کسی قوم کو نادانی سے نقصان پہنچا دو۔ پھر تم کو اپنے کئے پر نادم ہونا پڑے

فاسق اہل نبوت نہیں ہوتا قرآن میں ارشاد خداوندی ہے:

۳) ﴿قَالَ لاَ يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ﴾[2]

ترجمہ: ارشاد ہوا: (ہاں! مگر) میرا وعدہ ظالموں کو نہیں پہنچتا۔

ادلہ مذکورہ سے یہ بات حتمیت کے ساتھ ثابت ہو جاتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے نیک اور معصوم بندے ہیں اور ان پر جو الزامات نصاریٰ نے لگائے ہیں وہ سب بے بنیاد نسبتیں اور تحریفات ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نسب میں طعن:

عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسب میں طعن کیا۔ اس طور پر کہ ان کو فارص کی طرف منسوب کیا ہے اور نصاریٰ ان کو ابن الزنا مانتے تھے، چنانچہ انجیل متی کی عبارت یوں ہے:

"یسوع مسیح ابنِ داوٗد ابنِ ابرہام کا نسب نامہ، ابراہام سے اِضحاق پَیدا ہُوا اور اِضحاق سے یَعقُوب پَیدا ہُوا اور یَعقُوب سے یہُوداہ اور اُس کے بھائی پَیدا ہُوئے۔ اور یہُوداہ سے فارص اور زارح تمر سے پَیدا ہُوئے اور فارص سے حصرون پَیدا ہُوا اور حصرون سے رام پَیدا ہُوا"۔[3]

---

(۱) سورۃ الحجرات:۴۹/ ۶

(۲) سورۃ البقرۃ:۲/ ۱۲۴

(۳) متی، باب اول:۱-۳

ردطعن:

لہذا مسیح علیہ السلام کو ابن داؤد قرار دینا قرآن مجید کا انکار ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے مسیح کو کلمہ کن سے بغیر باپ کے پیدا فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ ۖ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۖ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ ۚ انتَهُوا خَيْرًا لَّكُمْ ۚ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ سُبْحَانَهُ أَن يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ ﴾(۱)

ترجمہ: مسیح عیسیٰ مریم کا بیٹا اللہ کا رسول ہی ہے اور اس کا ایک کلمہ کہ مریم کی طرف بھیجا اور اس کے یہاں کی ایک روح تو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور تین نہ کہو باز رہو اپنے بھلے کو اللہ تو ایک ہی اللہ تعالیٰ ہے پاکی اُسے اس سے کہ اس کے کوئی بچہ ہو۔

ماں کی گستاخی کا نسبت:

محرف انجیل میں ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام نے اپنی ماں کی توہین کی اور گستاخی سے پیش آیا یوحنا کی عبارت ملاحظہ ہو:

"پھر تیسرے دِن قانائے گلیل میں ایک شادِی ہُوئی اور یِسُوع کی ماں وہاں تھی۔ اور یِسُوع اور اُس کے شاگردوں کی بھی اُس شادِی میں دعوت تھی۔ اور جب مَے ہو چُکی تو یِسُوع کی ماں نے اُس سے کہا کہ اُن کے پاس مَے نہیں رہی۔ یِسُوع نے اُس سے کہا اَے عَورت مُجھے تُجھ سے کیا کام ہے؟ ابھی میرا وقت نہیں آیا۔ اُس کی ماں نے خادِموں سے کہا جو کُچھ یہ تُم سے کہے وہ کرو"(۲)

ردنسبتِ توہین والدہ:

قرآن مجید نے اس توہین امیز خیال کو رد کیا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی والدہ سے نیک سلوک کرنے والا اور فرمانبردار ظاہر کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا﴾(۳)

---

(۱) سورۃ النساء:۴/ ۱۷۱

(۲) یوحنا: باب دوم:۱-۵

(۳) سورۃ مریم:۱۹/ ۳۲

ترجمہ: اور اپنی ماں سے اچھا سلوک کرنے والا اور مجھے زبردست بدبخت نہ کیا۔

توہین انبیاء:

یوحنا کی انجیل کے مطابق حضرت عیسی علیہ السلام نے نعوذ باللہ اپنے سے ماقبل تمام انبیاء کو چور قرار دیکر ان کی توہین کی جیسا کہ یوحنا کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے:

"جتنے مُجھ سے پہلے آئے سب چور اور ڈاکو ہیں مگر بھیڑوں نے اُن کی نہ سُنی"۔ (۱)

اس طرح کی دیگر شواہد بھی موجود ہیں جس سے مسیحیوں کے عقیدہ کا غلط اور توہین امیز تصور سامنے آتا ہے جس میں وہ انبیاء کی طرف گناہ اور عصیان کی نسبت کرتے ہیں۔

ردنسبت توھین انبیاء:

قرآن مجید نے اس قسم کے عقیدہ کو سختی سے رد کیا ہے بلکہ تمام انبیاء اور کتب کو آپس میں مصدق قرار دیا ہے ایک دسرے کا محترم قرار دیا ہے:

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ مِن ذُرِّيَّةِ آدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ وَمِن ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْرَائِيلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا﴾ (۲)

ترجمہ: یہ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا غیب کی خبریں بتانے والوں میں سے آدم کی اولاد سے اور ان میں جن کو ہم نے نوح کے ساتھ سوار کیا تھا اور ابراہیم اور یعقوب کی اولاد سے اور ان میں سے جنہیں ہم نے راہ دکھائی اور چن لیا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿ وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُم مِّن كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنصُرُنَّهُ ۚ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي ۖ قَالُوا أَقْرَرْنَا﴾ (۳)

---

(۱) یوحنا، باب دہم: ۸

(۲) سورۃ مریم: ۱۹/ ۵۸

(۳) سورۃ الاعمران: ۳/ ۸۱

ترجمہ: اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا فرمایا کیوں تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا۔

تکذیب رسالت محمد ﷺ:

دیگر انسانوں کی طرح یہود ونصاری آخری پیغمبر کی آمد کے منتظر تھے۔ بطور خصوصی یہودی آپ ﷺ کی بدولت فتح اور کامرانی کی آس لگائے بیٹھے تھے۔ چنانچہ انجیل یوحنا میں تحریر ہے:

"اور مَیں باپ سے دَرخواست کرُوں گا تو وہ تُمہیں دُوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تُمہارے ساتھ رہے۔ یعنی رُوحِ حق جِسے دُنیا حاصِل نہیں کر سکتی کیُونکہ نہ اُسے دیکھتی اور نہ جانتی ہے۔ تُم اُسے جانتے ہو کیُونکہ وہ تُمہارے ساتھ رہتا ہے اور تُمہارے اَندر ہو گا"[۱]

اسی طرح کئی ایک جگہ انجیل میں نبی کریم ﷺ کے آنے کی بشارتیں ذکر ہیں۔ لیکن جب حضور ﷺ کی بعثت ہوئی تو انہوں نے حضور کی رسالت سے انکار کیا۔

رد تکذیب رسالت:

قرآن کریم نے نصاری کے اس اعتقاد کا ذکر کیا ہے جس میں حضرت عیسی علیہ السلام اپنے بعد آنے والے پیغمبر کی بشارت دے رہے ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُم مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ فَلَمَّا جَاءَهُم بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ﴾[۲]

ترجمہ: اور (وہ وقت بھی یاد کیجئے) جب عیسٰی بن مریم (علیہما السلام) نے کہا: اے بنی اسرائیل! بیشک میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا (رسول) ہوں، اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں اور اُس رسولِ (معظّم ﷺ کی آمد آمد) کی بشارت سنانے والا ہوں جو میرے بعد تشریف لا

(۱) یوحنا: باب: ۱۴، آیت: ۱۶-۱۷

(۲) سورۃ الصف: ۶۱/ ۶

رہے ہیں جن کا نام (آسمانوں میں اس وقت) احمد (ﷺ) ہے، پھر جب وہ (رسولِ آخر الزماں ﷺ) واضح نشانیاں لے کر اُن کے پاس تشریف لے آئے تو وہ کہنے لگے: یہ تو کھلا جادو ہے۔

اس آیت کے ذیل میں صاحب مولانا مودودی لکھتے ہیں:

"کہ جب وہ نبی، جس کے آنے کی بشارت حضرت عیسی علیہ السلام نے دی تھی، اپنے نبی ہونے کی تین نشانیوں کے ساتھ آگیا تو بنی اسرائیل اور امت عیسی نے اس کے دعوائے نبوت کو صریح فریب قرار دیا"[1]

حاصل کلام:

نبوت سے متعلق نصاری کے باطل نظریات میں سے ایک نظریہ تھا کہ نبی عیسی اللہ تعالی کے فرزند ہے، اور بعض نے تو اسے اللہ تعالیٰ جانا ان دونوں نظریوں کا رد قرآن میں موجود ہے کہ عیسی علیہ السلام نہ اللہ کی اولاد ہے اور نہ ہی وہ اللہ تعالیٰ ہے بلکہ وہ اللہ کے فرمان بردار بندے ہیں۔

اسی طرح یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ وہ حضرت عیسی علیہ السلام کی واضح نشانی بتانے کے باوجود حضور ﷺ کی رسالت سے منکر ہوئے تو یوں وہ اپنے پیغمبر کی ہدایات کے بھی منکر قرار پائے۔

---

(۱) تفہیم القرآن، ابوالاعلی مودودی، ترجمان القرآن لاہور، ۵\۶۷۴

فصل سوم:

رسالت سے متعلق مشرکین کا عقیدہ

قرآن کریم کے عمومی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین نے نبوت ورسالت پر متعدد اعتراضات وشبہات وارد کیے ہیں، جس کی تردید قرآن کریم نے مکمل صراحت کے ساتھ کی ہے۔ جملہ اعتراضات وشبہات کے استقصاء سے ان کا بنیادی نظریہ جو سامنے آتا ہے وہ انکارِ رسالت ہے۔

ذیل میں مشرکین کے اس بنیادی نظریہ کی عکاس اعتراضات اور اس کے جوابات کا جائزہ لیا گیا ہے:

سحر وجنون کا اتہام:

مشرکین نے حضور ﷺ کی رسالت کا انکار کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کو ساحر یعنی جادوگر اور مجنون قرار دیا۔

رد اتہام:

قرآن کریم میں میں اللہ تعالی نے اپنے پیغمبر ﷺ کو بطور تسلی خطاب کرکے فرمایاہے کہ ان مشرکین کے کہنے سے دل گرفتہ مت ہوئے گا کہ کافروں کی روش یہی رہی ہے کہ وہ انبیاء کو ساحر ومجنون قرار دیتے آرہے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿ كَذَلِكَ مَا أَتَى الَّذِينَ مِن قَبْلِهِم مِّن رَّسُولٍ إِلَّا قَالُوا سَاحِرٌ أَوْ مَجْنُونٌo أَتَوَاصَوْا بِهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَo فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَا أَنتَ بِمَلُومٍo وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَى تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ ﴾(1)

ترجمہ: اسی طرح اُن سے پہلے لوگوں کے پاس بھی کوئی رسول نہیں آیا مگر انہوں نے یہی کہا کہ (یہ) جادوگر ہے یا دیوانہ ہے۔ کیا وہ لوگ ایک دوسرے کو اس بات کی وصیت کرتے رہے؟ بلکہ وہ (سب) سرکش وباغی لوگ تھے۔ سو آپ اُن سے نظرِ التفات ہٹا لیں پس آپ پر (اُن کے

(۱) سورۃ الذاریات:۵۱/ ۵۲-۵۵

ایمان نہ لانے کی) کوئی ملامت نہیں ہے۔ اور آپ نصیحت کرتے رہیں کہ بیشک نصیحت مومنوں کو فائدہ دیتی ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

"اس آیت میں نبی ﷺ کو تسلی دی ہے کہ جس طرح قریش مکہ نے آپ کی تکذیب کی ہے اور آپ کو جادوگر یا دیوانہ کہا ہے، اسی طرح پہلی امت کے کافروں نے بھی اپنے رسولوں کو جادوگر یا دیوانہ کہا۔ سو آپ اس کے سب وشتم سے ملول نہ ہوں"[1]

اتہام کہانت:

جب حضور ﷺ کو بطور نبی چند پیش آمدہ حالات وواقعات کی خبر دی جاتی اور وہ پھر اسی طرح ہو کر رہتی تو مشرکین کے پاس رسالت کو رد کرنے کے لیے سوائے اس الزام کے کچھ نہ ہوتا تھا کہ حضور ﷺ نعوذ باللہ کاہن ہے اور کہانت سے غیب کی خبریں دے رہا ہے۔

رد اتہام کہانت:

اسی طرح مشرکین مکہ نے آپ ﷺ پر کاہن ہونے کا الزام بھی لگایا۔

قرآن کریم نے بالصراحت اس الزام کو رد کیا ہے سورہ حاقہ میں ارشاد باری تعالی ہے:

﴿إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍO وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَO وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ﴾[2]

ترجمہ: بے شک یہ (قرآن) بزرگی وعظمت والے رسول (ﷺ) کا (منزّل من اللہ) فرمان ہے، (جسے وہ رسالۃً اور نیابۃً بیان فرماتے ہیں)۔ اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں (کہ اَدبی مہارت سے خود لکھا گیا ہو)، تم بہت ہی کم یقین رکھتے ہو۔ اور نہ (یہ) کسی کاہن کا کلام ہے (کہ فنی اَندازوں سے وضع کیا گیا ہو)، تم بہت ہی کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔

اس آیت کے ذیل میں عبد الحق حقانی صاحب لکھتے ہیں:

---

(۱) تبیان القرآن، غلام رسول سعیدی: ۱۱\۳۸۸

(۲) سورۃ الحاقۃ: ۶۹/ ۴۰-۴۲

"ولا بقول کاھن اور نہ یہ کسی کاہن کا کلام ہے جیسا کہ عقبہ کہتا ہے۔ کاہن عرب میں اس کو کہتے تھے جو جن اور چڑیلوں کی نذر و نیاز کیا کرتے تھے اور کبھی ارواح خبیثہ ان پر مسلط ہو کر عالم محسوس کے واقعات مقفی اور مسجع عبارت میں بیان کیا کرتے تھے کہ فلاں مسافر فلاں منزل پر ہے، اس وقت یہ کر رہا ہے یا فلاں شخص کا مال چور چرا کر فلاں جگہ لے گیا ہے وغیر ذلک"[۱]

اسی طرح مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں جیسا کہ کفار آپ کو شاعر کہتے تھے مگر تم بہت کم ایمان لاتے ہو یہاں قلت سے مراد عدم ہے، اور یہ نہ کسی کاہن کا کلام ہے۔ جیسا بعض کفار آپ کو کہتے تھے مگر تم بہت کم سمجھتے ہو"[۲]

مشرکین کا الزام تعلم:

بلعام نامی ایک رومی غلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو غور سے سنتا تھا تو اسی مناسبت سے ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لے گئے وہ شخص انجیل کی باتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتاتا تھا تو مشرکین مکہ نے یہ افواہ اڑادی کہ محمد یہ تعلیمات اس رومی شخص سے سیکھتا ہے۔

رد الزام تعلم:

قرآن کریم نے اس دعوی کو ایک خوبصورت عقلی پیرایہ میں رد فرمایا ہے، جس سے علم مخاصمہ کے ایک خاص اسلوب سامنے آتا ہے، ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ لِّسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهَذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ * إِنَّ الَّذِينَ لاَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللهِ لاَ يَهْدِيهِمُ اللهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ * إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لاَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللهِ وَأُوْلَئِكَ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴾[۳]

ترجمہ: اور بیشک ہم جانتے ہیں کہ وہ (کفار و مشرکین) کہتے ہیں کہ انہیں یہ (قرآن) محض کوئی آدمی ہی سکھاتا ہے، جس شخص کی طرف وہ بات کو حق سے ہٹاتے ہوئے منسوب کرتے ہیں اس

---

(۱) تفسیر فتح المنان، المعروف بہ تفسیر حقانی: ۵\۶۲

(۲) معارف القرآن، مفتی محمد شفیع: ۸\۵۴۴

(۳) سورۃ النحل: ۱۶/ ۱۰۳-۱۰۵

کی زبان عجمی ہے اور یہ قرآن واضح و روشن عربی زبان (میں) ہے۔ بیشک جو لوگ اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے اللہ انہیں ہدایت (یعنی صحیح فہم و بصیرت کی توفیق بھی) نہیں دیتا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ بیشک جھوٹی افترا پردازی (بھی) وہی لوگ کرتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے اور وہی لوگ جھوٹے ہیں ۔

اس آیت میں مشرکین کے جس شبہ اور الزام کا جواب اللہ تعالیٰ وند نے دیا ہے وہ انتہائی مسکت ہے کہ اگر محمد ﷺ نے اس عجمی سے تعلیمات لی ہے تو پھر قرآن کے معانی پر غور کیوں نہیں کرتے، انجیل تو عجمی زبان میں ہے اور وہ شخص بھی عجمی ہے تو قرآن کی بلاغت اور فصاحت اور حکمت پر غور کرو اگر کوئی کہتا ہے کہ یہ اسی تعلیمات کو حضور نے اپنی زبان میں ڈھالا تو تم فصحائے عرب اس تحدی سے عاجز کیوں ہو؟

معارف القرآن ان آیات کی ذیل میں لکھتے ہیں:

"اور ہم کو معلوم ہے کہ یہ لوگ ایک دوسری غلط بات یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کو تو آدمی سکھلاتا ہے اس سے مراد ایک عجمی روم کا باشندہ لوہار ہے جس کا نام بلعام یا مقیس تھا، وہ حضور ﷺ کی باتیں جی لگا کر سنتا تو حضور کبھی اس کے پاس جا بیٹھتے اور وہ کچھ انجیل وغیرہ کو بھی جانتا تھا اس پر کافروں نے یہ بات چلتی کی کہ یہی شخص حضور ﷺ کو قرآن کا کلام سکھاتا ہے کذا فی الدر المنثور، اللہ تعالی نے اس کا جواب دیا کہ قرآن مجید تو مجموعہ الفاظ و معانی کا نام ہے تم لوگ اگر قرآن کریم کے معانی اور معارف کو نہیں پہچان سکتے تو کم از کم عربی زبان کی معیاری فصاحت وبلاغت سے تو ناواقف نہیں ہو تو اتنا تو تمہیں سمجھنا چاہیے کہ اگر بالفرض قرآن کے معانی اس شخص نے سکھلا دیئے ہوں تو کلام کے الفاظ اور ان کی ایسی فصاحت وبلاغت جس کا مقابلہ کرنے سے پورا عرب عاجز ہو گیا یہ کہاں سے آگئی کیونکہ کہ جس شخص کی طرف اس کی نسبت کرتے ہیں اس زبان تو عجمی ہے اور یہ قرآن صاف عربی ہے۔ کوئی بچارہ ایسی عبارت کیسے بنا سکتا ہے"[1]

لیکن اس پر شبہ وارد ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے وہ تعلیمات اس عجمی نے بتائے ہو اور کلام محمد ﷺ نے بنایا ہو اس شبہ کا جواب اس تحدی و چیلنج میں ہو چکا ہے جو سورہ بقرہ میں ذکر ہے کہ اگر یہ انسانی کلام ہے تو تم بھی فصحائے عرب ہو اس جیسا کلام بنا سکتے ہو۔ لہذا ایک ہی سورت تو با کے دیکھ لو۔

---

(۱) معارف القرآن، محمد شفیع:۵\۴۰۴

الزام شاعری:

جب حضور ﷺ نے کلام اللہ کو پیش کیا اور اسی کی فصاحت سے پورا معاشرہ مرعوب ہوا تو مشرکین مکہ نے حضور ﷺ سے متعلق یہ باطل نظریہ پھیلایا کہ آپ ﷺ شاعر ہیں، تاکہ اس شوشے سے وہ لوگوں کا اس کلام سے متنفر کر دیں۔

رد الزام شاعری:

قرآن کریم میں اس الزام کو سورہ حاقہ میں رد کیا ہے جیسے ماقبل میں گزر چکا ہے۔ اور اسی طرح سورہ یسین میں بھی اللہ تعالی نے اس الزام کو رد فرمایا ہے ارشاد خداوندی ہے:

﴿ وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنبَغِي لَهُ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُّبِينٌ ﴾[1]

ترجمہ: اور ہم نے اُن کو (یعنی نبیِ مکرّم ﷺ کو) شعر کہنا نہیں سکھایا اور نہ ہی یہ اُن کے شایانِ شان ہے۔ یہ (کتاب) تو فقط نصیحت اور روشن قرآن ہے۔

اس آیت میں صاف صاف اللہ کریم نے مشرکین کے اس زعم باطل کو رد کیا ہے کہ ہم نے پیغمبر کو شعر گوئی نہیں سکھائی اور نہ وہ ان کو شایاں ہے۔ اس آیت کے ذیل میں مفتی محمد شفیع صاحب نے اس الزام اور جواب خداوندی کو تفصیلا لکھا ہے:

> "چونکہ منکرین نبوت ورسالت قرآن کی تاثیرات عجیبہ اور دلوں پر اثر انداز ہونے کی کیفیت کا جو عام مشاہدہ میں تھی، انکار نہیں کر سکتے تھے، اس لیے کبھی تو اس کلام الٰہی کو سحر اور آنحضرت ﷺ کو ساحر کہتے تھے اور کبھی اس کلام کو شعر اور آپ کو شاعر کہہ کر یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ یہ تاثیرات عجیبہ کلام الٰہی ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ یا تو یہ جادو کے کلمات ہیں جو دلوں پر اثر انداز ہوتے ہیں یا شاعرانہ کلام ہے وہ بھی عام دلوں پر اثر انداز ہوا کرتا ہے۔ حق تعالی نے آیت مذکورہ میں فرمایا کہ ہم نے نبی کو شعر وشاعری نہیں سکھلائی اور نہ ان کی شان کے مناسب تھی آپ کو شاعر کہنا باطل اور غلط ہے"[2]

---

(۱) سورۃ یٰس:۳۶/ ۶۹

(۲) معارف القرآن، محمد شفیع:۷/ ۴۰۷

قرآن کریم جو اپنی فصاحت وبلاغت میں اپنی مثال آپ کتاب تھی اس کی تاثیر کی وجہ سے شعر جادو قرار دیا تو اللہ تعالی نے سورت حاقہ میں اس الزام کو صراحت کے ساتھ رد فرمایا۔

حاصل کلام:

مشرکین مکہ چونکہ حضور کی رسالت کے منکر ہوئے تھے تو انہوں نے وقت کے نبی پر مختلف الزامات عائد کیے تھے، کبھی وہ ان کو کاہن قرار دیتے تھے تو کبھی مشرکین حضور ﷺ کو شاعر کہتے تھے۔

کبھی وہ نبی کریم ﷺ کو مجنون کا الزام دیتے تھے اور کبھی یہ الزام دھرتے تھے کہ محمد رسول اللہ ﷺ ایک عیسائی معلم سے یہ درس حاصل کر کے ہمیں اپنے الفاظ میں بیان کرتے ہیں اور اس وجہ سے اپنے آپ کو پیغمبر کہتے ہے۔ قرآن کریم نے ان کے ان الزامات بڑے بلیغ انداز اور مسکت جوابات دیکر رد کیا ہے۔

فصل چہارم:

رسالت سے متعلق منافقین کا عقیدہ

اس فصل میں منافقین کا رسالت متعلق باطل نظریہ نقل کیا جاتا ہے۔ اور قرآن کریم میں ان سے جو مخاصمہ ہوا ہے وہ آیات مخاصمہ نقل ہونگے۔

منافقین کا رسالت سے متعلق عقیدہ:

منافقین کوئی مستقل مکتب فکر نہیں بلکہ بعض لوگ جو درحقیقت کافر ہوتے تھے لیکن دنیاوی مفادات کے لیے زبان سے ایمان کا اظہار کرتے تھے۔ اس لیے ان کا جو رسالت سے متعلق نظریہ تھا، وہ انکار رسالت اور استہزاء ہے وہ حضور کے پاس آکر قسمیں کھاتے تھے کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں لیکن پیٹھ پیچھے اس سے بڑھ کر ہر قسم انکار کرتے تھے۔

رد دعوائے ایمان رسالت:

قرآن کریم میں اللہ تعالی نے منافقین کے اس باطل نظریہ کو آشکارہ کیا ہے کہ یہ منافقین جھوٹ بولتے ہیں کہ ہم آپ کو رسول مانتے ہیں، یہ حقیقت ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں لیکن یہ خود جھوٹے ہیں، ارشاد باری تعالی ہے:

﴿إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَo اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَo ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا فَطُبِعَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ﴾(۱)

ترجمہ: (اے حبیبِ مکرّم!) جب منافق آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ جانتا ہے کہ یقیناً آپ اُس کے رسول ہیں، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یقیناً منافق لوگ جھوٹے ہیں۔ انہوں نے اپنی قَسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے پھر یہ (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، بیشک وہ بہت ہی برا (کام) ہے جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔ یہ اِس وجہ

(۱) سورۃ المنافقون:۶۳/ ۱-۳

سے کہ وہ (زبان سے) ایمان لائے پھر (دل سے) کافر رہے تو اُن کے دلوں پر مُہر لگا دی گئی سو وہ (کچھ) نہیں سمجھتے۔

ان آیات کی تفسیر میں پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ اس حقیقت سے اپنے حبیب مکرم ﷺ کو آگاہ فرما رہا ہے کہ اے حبیب یہ منافق جب تیری خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو بڑے جوش و خروش سے آپ کی رسالت کی گواہی دیتے ہیں، اے حبیب اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ آپ ﷺ واقعی اس کے رسول ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اس بات کی بھی گواہی دیتا ہے کہ یہ منافقین جھوٹے ہیں زبان سے جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں ان کے دل میں اس کی تصدیق نہیں کرتے، بتا دیتا کہ مشھود بہ آپ کی رسالت تو سچ ہے لیکن ان کی شہادت جھوٹی ہے کیونکہ ان کے دل میں اس کی تکذیب کرتے ہیں"[1]

ان آیات مخاصمہ میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کے باطل عقیدہ جو نفاق کا عقیدہ تھا اس کو بالصراحت رد کیا کہ یہ منافقین ایمان بالرسالہ کے نظریے میں جھوٹے ہیں۔ اور منافقین کا یہ نفاق فقط رسالت سے متعلق نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ پر ایمان اور یوم آخرت پر ایمان کے حوالے سے بھی یہی تھا۔

حاصل کلام:

منافقین مستقلا کوئی مکتب فکر نہیں یہ کفار و مشرکین وہی لوگ تھے جو اپنے مفاد کے لیے تو ظاہر دعوی اسلام کا کرتے تھے پر حقیقت امر میں وہ کافر ہی تھے۔ ان کا رسالت متعلق وہی نظریہ تھا جو کفار کا تھا یعنی وہ حضور ﷺ کی رسالت کے منکر تھے تو ان آیات مخاصمہ میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کے باطل نظریے نفاق بابت رسالت رد فرمایا ہے اور وضاحت کی ہے کہ یہ اپنے دعوی میں جھوٹے ہیں۔

---

(۱) ضیاء القرآن، پیر محمد کرم شاہ الازہری، ۲۵۰\۵

باب ششم:

آخرت سے متعلق نظریات اور آیات علم المخاصمہ کے تناظر میں ان کا جائزہ

فصل اول: آخرت سے متعلق یہود کا عقیدہ

فصل دوم: آخرت سے متعلق نصاریٰ کا عقیدہ

فصل سوم: آخرت سے متعلق مشرکین کا عقیدہ

تمہید:

اس باب میں مبادیات میں عقیدہ آخرت کی وضاحت اس کی اہمیت لکھی جائے گی، اس میں تین فصول ہونگے فصل اول میں عقیدہ آخرت متعلق یہود کے باطل نظریات کہ استحقاق جنت صرف یہود کا ہے اور یہود کو وقتی عذاب ہو گا، نقل کیا جائے گا، اور قرآن کریم سے اس کارد لکھا جائے گا۔

فصل دوم میں عقیدہ آخرت سے متعلق نصاری کا باطل نظریہ نقل کیا جائے گا، مثلاً حساب کتاب کا اختیار عیسی علیہ السلام کے ہاتھ میں ہو گا، آخرت میں حشر اجساد نہیں ہو گا صرف روحانی حشر ہو گا، دونوں نظریات کارد قرآنی آیات سے نقل کیا جائے گا۔ فصل سوم میں مشرکین کا آخرت سے انکار کا نظریہ مع آیات مخاصمہ نقل ہو گا۔

مبادیات:

اس باب میں نظریہ آخرت سے متعلق مذاہب محرفہ کے باطل نظریات بیان ہونگے چنانچہ اس سے قبل یہاں مبادیات کے تحت عقیدہ آخرت کی قدرے وضاحت لکھی جاتی ہے۔

عقیدہ آخرت:

ادیان سماویہ میں عقیدہ آخرت ایک مرکزی عقیدہ ہے، یعنی دنیا کے بعد کی زندگی، جس میں قیامت، دوبارہ جی اٹھنا، حساب، پل صراط، جنت، جہنم سب شامل ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

"وبالآخرة هم يوقنون أي: بالبعث والقيامة، والجنة، والنار، والحساب، والميزان، وإنما سميت الآخرة لأنها بعد الدنيا"(۱)

اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں یعنی دوبارہ اٹھانے پر، قیامت پر، جنت، جہنم حساب اور میزان پر اور اس کا نام آخرت اس وجہ پڑا ہے کہ وہ زندگی دنیا کے بعد ہے۔

آخرت کی وجہ تسمیہ کے بارے میں ابن جریر طبری جامع البیان میں لکھتے ہیں:

"أما الآخرةُ فإنها صفة للدار، كما قال جل ثناؤه (وَإِنَّ الدَّارَ الآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ(۲). وإنما وصفت بذلك لمصيرها آخِرةً لأولى كانت قبلها، كما تقول للرجل: "أنعمتُ عليك مرَّة بعد أخرى، فلم تشكر لي الأولى ولا الآخرة"، وإنما

---

(۱) تفسیر القرآن الکریم، ابن کثیر ۱\۴۳

(۲) سورۃ العنکبوت: ۲۹/ ۶۴

صارت آخرة للأولى، لتقدُّم الأولى أمامها. فكذلك الدارُ الآخرة، سُمِّيت آخرةً لتقدُّم الدار الأولى أمامها، فصارت التاليةُ لها آخرةً"[1]

آخرت دار کی صفت ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَإِنَّ الدَّارَ الآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ﴾ دار کی صفت آخرت اس لیے لائی گئی ہے کہ یہ اس سے پہلے دار یعنی دار کے بعد ہے، جیسے کہ تم کسی کو کہتے ہو أنعمتُ عليك مرّة بعد أخرى، فلم تشكر لي الأولى ولا الآخرة تو یہ آخری ہوئی پہلی کی بنسبت، تو اسی طرح دار آخرت کو بھی آخرت سے اس لیے موسوم کیا کہ دار اولی اس سے مقدم ہے، تو بعد میں آنے والے دار آخرت کہلایا۔

عقیدہ آخرت کی اہمیت:

عقیدہ آخرت دین اسلام کو تمام ادیان سے ممتاز کرتا ہے یہی وہ عقیدہ ہے جس کی وجہ سے جہاں دنیاوی گرفت کا اندیشہ نہ ہو تب بھی آخرت کی نعمتوں کی خواہش اور سزا کا ڈر انسان کو اخلاقی اصول پر مسلسل کاربند رکھتا ہے۔ مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> "ہاں وہ صرف عقیدہ آخرت اور خوف اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کی وجہ سے انسان کی ظاہری اور باطنی حالت جلوت وخلوت میں یکساں ہو سکتی ہے وہ یہ یقین رکھتا ہے، کہ مکان کے بند دروازوں اور ان پر پہرہ چوکیوں میں اور رات کی تاریکیوں میں بھی کوئی دیکھنے والا مجھے دیکھ رہا ہے کوئی لکھنے والا میرے اعمال کو لکھ رہا ہے۔ یہی وہ عقیدہ تھا جس پر پورا عمل کرنے کی وجہ سے اسلام کے ابتدائی دور میں ایسا پاکباز معاشرہ پیدا ہوا کہ مسلمانوں کی صورت دیکھ کر، چال چلن دیکھ کر لوگ دل وجان سے اسلام کے گرویدہ ہو جاتے تھے"[2]۔

---

(۱) جامع البیان في تأویل القرآن، ابن جریر طبري، ۱\۲۴۵

(۲) معارف القرآن، مفتی محمد شفیع، ۱\۱۱۴

فصل اول:

آخرت سے متعلق یہود کا عقیدہ

اس فصل میں الہامی عقائد میں سے عقیدہ آخرت متعلق یہود کے باطل نظریات اور آیات مخاصمہ کے ضمن اس کا رد لکھا جائے گا۔

یہود کا عقیدہ آخرت:

یہود آخرت کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتے ہیں یا کوئی بھی عقیدہ نہیں رکھتے؟ ذیل میں تورات، تالمود، قرآن کریم اور احادیث کے روشنی میں اس سوال کا جائزہ لیا گیا ہے۔

تصور آخرت تورات کے تناظر میں:

اگر تورات کا مطالعہ کیا جائے تو تورات میں کہیں بھی آخرت کا ذکر نہیں ملتا ہے، کہیں پر معاد، آخرت، یوم قیامت کی تصریحات موجود نہیں ہیں۔ چنانچہ ابن حزم ظاہری الملل والنحل میں لکھتے ہیں:

"إن التوراة التي بأيدي اليهود ليس فيها ذكر ما لنعيم الآخرة أصلاً، ولا الجزاء بعد الموت ألبتة"(۱)

بے شک جو تورات یہود کے ہاں پایا جاتا ہے اس میں آخرت کی نعمتوں کا کوئی تذکرہ نہیں پایا جاتا ہے، اور نہ موت کے بعد بدلے کا ذکر ہے۔

اسی طرح شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ الجواب الصحیح میں نقل کرتے ہیں:

"التوراة ليس فيها تصريح بذكر المعاد، وإن كان ذكر المعاد موجودًا في غير التوراة من النبوات، ولهذا كان أهل الكتاب يقرون بالمعاد وقيام القيامة الكبرى۔(۲)

تورات میں معاد کے تذکرے کی کوئی تصریح نہیں ملتی ہے، اگرچہ تورات کے علاوہ یہودی مذہبی لٹریچر میں معاد کا ذکر موجود ہے، اور اسی وجہ سے اہل کتاب معاد اور قیامت کبری کا اقرار کرتے آرہے ہیں۔

---

(۱) الفصل فی الملل والنحل: ۱/۲۰۷

(۲) الجواب الصحیح: ۲/۷۹

تصور آخرت تالمود کے تناظر میں:

تورات میں تو قیامت اور آخرت کی کوئی تصریح نہیں البتہ تالمود جو یہود کی شریعت کی معتبر کتاب ہے اس میں بعض مقامات پر ایسی عبارات ہیں جس سے عقیدہ آخرت کا مفہوم نکلتا ہے۔ تالمود حصہ سوم میں ربی یہوداہ کی تعلیمات کے ذیل میں درج ہے:

"انتونینس ربی یہوداہ سے گفتگو کر رہا تھا اور اس نے کہا کہ آنے والی دنیا میں جب روح قادر مطلق اللہ تعالیٰ کے تخت عدالت کے سامنے آئے گی تو کیا وہ دنیوی شرارت سے معذرت کے لیے اس بات کا دعوی کر سکتی ہے، کہ دیکھو، گناہ بدن کا ہے اور اب میں بدن سے آزاد ہوں اور گناہ میرے نہیں ہیں؟ ربی یہوداہ نے جواب دیا کہ ایک تمثیل سنو، ایک بادشاہ کا خوبصورت انجیر کے درختوں کا باغ تھا جس کے پھل کی قیمت اس نے بہت زیادہ رکھی ہوئی تھی تاکہ پھل چرایا یا ضائع نہ ہو سکے۔ اس نے باغ میں دو ایسے باغبان رکھے جو خود بھی پھل توڑ کر نہ کھا سکیں۔ اس لیے اس نے ایک اندھے آدمی اور دوسرے لنگڑے آدمی کا انتخاب کیا لیکن جب وہ تاکستان میں تھے لنگڑے آدمی نے اپنے ساتھی سے کہا کہ میں بہت خوبصورت انجیریں دیکھتا ہوں وہ بہت شیریں ہیں مجھے اس درخت کے پاس اٹھا کر لے جاؤ تاکہ ہم دونوں ان میں سے لیں اور کھائیں پس اندھا آدمی لنگڑے آدمی کو اٹھا کر لے گیا اور انہوں نے درختوں میں سے انجیریں توڑ کر کھائیں۔۔۔ بالکل اسی طرح ہمارے ساتھ ہے، دنیا ایک باغ ہے جس میں ابدی بادشاہ نے ہمیں رکھا ہے کہ اس کی باغبانی اور نگہبانی کریں لیکن روح اور بدن آدمی کے ہیں اگر ایک قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے تو دوسرا بھی کرتا ہے اور موت کے بعد روح یہ نہیں کہہ سکتی کہ یہ بدن کا قصور ہے"۔[(۱)]

اس طویل مکالمہ میں انتونینس کے سوال میں جو کہا گیا ہے: (جب روح قادر مطلق اللہ تعالیٰ کے تخت عدالت کے سامنے آئے گی) اور اسی طرح ربی یہوداہ کے جواب میں جو الفاظ ہیں: (اور موت کے بعد روح یہ نہیں کہہ سکتی کہ یہ بدن کا قصور ہے) ان الفاظ سے واضح ہوتا ہے کہ یہود موت کے بعد جی اٹھنے اور اللہ تعالیٰ کے عدالت کے قائل ہیں اگرچہ زیادہ تفصیلات نہیں ملتیں۔

---

(۱) تالمود، حصہ سوم:۱۷۷

تصور آخرت قرآن کے تناظر میں:

قرآن کریم میں متعدد آیات موجود ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود آخرت پر یقین رکھتے تھے، چنانچہ سورہ طہ میں اللہ تعالی حضرت موسی علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ السَّاعَةَ ءَاتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا لِتُجْزَى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَى﴾[۱]

قیامت یقیناً آنے والی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس (کے وقت) کو پوشیدہ رکھوں تاکہ ہر شخص جو کوشش کرے اس کا بدلا پائے۔

سورت اعراف میں اللہ تعالی نے حضرت موسی علیہ السلام کا قول نقل فرمایا ہے:

﴿وَاكْتُبْ لَنَا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الآخِرَةِ إِنَّا هُدْنَا إِلَيْكَ﴾[۲]

اور ہمارے لیے اس دنیا میں بھی بھلائی لکھ دے اور آخرت میں بھی۔ ہم تیری طرف رجوع ہو چکے۔

اسی طرح سورت بقرہ میں یہود کا ایک نظریہ نقل کیا گیا ہے جس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ وہ جنت کے قائل ہیں جو آخرت کی زندگی کا حصہ ہے ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَقَالُواْ لَن يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلاَّ مَن كَانَ هُوداً أَوْ نَصَارَى تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُواْ بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ﴾[۳]

ترجمہ: اور (اہلِ کتاب) کہتے ہیں کہ جنت میں ہرگز کوئی بھی داخل نہیں ہوگا سوائے اس کے کہ وہ یہودی ہو یا نصرانی، یہ ان کی باطل امیدیں ہیں، آپ فرما دیں کہ اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو تو اپنی (اس خواہش پر) سند لاؤ۔

ان آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہود آخرت کا عقیدہ رکھتے تھے یہ الگ بات ہے کہ تورات میں عقیدہ آخرت کا ذکر صراحتاً نہیں ملتا ہے۔ اس کی وجہ غالباً یہی ہے کہ اس میں مروجہ تحریف ہو چکی ہے۔

---

(۱) سورۃ طہ: ۲۰/ ۱۵

(۲) سورۃ الأعراف: ۷/ ۱۵۶

(۳) سورۃ البقرۃ: ۲/ ۱۱۱

تصور آخرت احادیث کے تناظر میں:

احادیث رسول ﷺ جس میں ایک یہود عالم حضور ﷺ سے جنت کے غذاوں کے بارے میں سوال کرتا ہے اور پھر آخر میں حضور ﷺ کے اس جواب کی تصدیق کرتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود عہد رسالت میں باقاعدہ آخرت پر یقین رکھتے تھے جیسا کہ:

"أن ثوبان مولى رسول الله ﷺ **بیان کرتے ہیں!** كنت قائما عند رسول الله ﷺ فجاء حبر من أحبار اليهود فقال السلام عليك يا مُحَمَّد فدفعته دفعة كاد يصرع منها فقال لم تدفعني فقلت ألا تقول يا رسول الله فقال اليهودي إنما ندعوه باسمه الذي سماه به أهله فقال رسول الله ﷺ إن اسمي مُحَمَّد الذي سماني به أهلي فقال اليهودي جئت أسألك فقال له رسول الله ﷺ أينفعك شيء إن حدثتك قال أسمع بأذني فنكت رسول الله ﷺ بعود معه فقال سل فقال اليهودي أين يكون الناس ﴿يوم تبدل الأرض غير الأرض والسموات﴾ فقال رسول الله ﷺ هم في الظلمة دون الجسر قال فمن أول الناس إجازة قال فقراء المهاجرين قال اليهودي فما تحفتهم حين يدخلون الجنة قال زيادة كبد النون قال فما غذاؤهم على إثرها قال ينحر لهم ثور الجنة الذي كان يأكل من أطرافها قال فما شرابهم عليه قال من عين فيها تسمى سلسبيلا قال صدقت"(۱)

نبی اکرم ﷺ کے آزاد کردہ غلام ثوبان رضی اللہ عنہ نے انہیں یہ حدیث سنائی ، کہا : میں رسول اللہ ﷺ کے پاس کھڑا تھا ایک یہودی عالم (حبر) آپ کے پاس آیا اور کہا: اے محمد! آپ پر سلام ہو، میں نے اس کو اتنے زور سے دھکا دیا کہ وہ گرتے گرتے بچا۔ اس نے کہا : مجھے دھکا کیوں دیتے ہو؟ میں نے کہا : تم یا رسول اللہ ! نہیں کہہ سکتے ؟ یہودی نے کہا : ہم تو آپ کو اسی نام سے پکارتے ہیں جو آپ کے گھر والوں نے آپ کا رکھا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : ”یقیناً میرا نام محمد (ﷺ) ہے جو میرے گھر والوں نے رکھا ہے۔“ یہودی بولا : میں آپ سے پوچھنے آیا ہوں۔

(۱) صحیح مسلم، باب صفة منی الرجل والمرآة، رقم الحدیث:۴۷۳-۱۹۰\۲

رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا: ''اگر میں تمہیں کچھ بتاؤں گا تو کیا تمہیں اس سے فائدہ ہو گا؟'' اس نے کہا: میں اپنے دونوں کانو ں سے توجہ سے سنوں گا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ایک چھڑی، جو آپ کے پاس تھی، زمین پر آہستہ آہستہ ماری اور فرمایا: ''پوچھو۔'' یہودی نے کہا: جس دن زمین دوسری زمین سے بدلے گی اور آسمان (بھی) بدلے جائیں گے تو لوگ کہاں ہوں گے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ پل (صراط) سے (ذرا) پہلے اندھیرے میں ہوں گے؟ اس نے پوچھا: سب سے پہلے کون لوگ گزریں گے؟ آپ نے فرمایا: ''فقرائے مہاجرین۔"

یہودی نے پوچھا: جب وہ جنت میں داخل ہوں گے تو ان کو کیا پیش کیا جائے گا؟ تو آپ نے فرمایا: ''مچھلی کے جگر کا زائد حصہ۔'' اس نے کہا: اس کے بعد ان کا کھانا کیا ہو گا؟ آپ نے فرمایا: ''ان کے لیے جنت میں بیل ذبح کیا جائے گا جو اس کے اطراف میں چرتا پھرتا ہے۔'' اس نے کہا: اس (کھانے) پر ان کا مشروب کیا ہو گا؟ آپ نے فرمایا: ''اس (جنت) کے سلسبیل نامی چشمے سے۔'' اس نے کہا: آپ نے سچ کہا۔

اس حدیث سے مکمل وضاحت کے ساتھ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عہد رسالت میں یہود عقیدہ آخرت کے قائل تھے۔

الغرض:

تورات میں آخرت کا ذکر صراحت نہیں پایا جاتا ہے لیکن تالمود، قرآن کریم اور احادیث رسول سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہود فی نفسہ آخرت کے قائل تھے اور یہ بھی ممکن ہے کہ تورات میں تحریفات کی وجہ سے اس کا ذکر ختم کر دیا گیا ہو۔ کیونکہ قرآن کریم جو کتب سابقہ کا مہیمن ہے، آخرت کے بارے میں جگہ جگہ اس میں یہودی عقائد کا تذکرہ ملتا ہے۔

مستحق جنت صرف یہود ہے:

آخرت کے متعلق یہود کا ایک باطل خیال و عقیدہ یہ ہے کہ جنت میں صرف یہودی جائیں گے باقی امتیں جہنمی ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَالُواْ لَن يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلاَّ مَن كَانَ هُوداً﴾ [1]

اور (اہلِ کتاب) کہتے ہیں کہ جنت میں ہرگز کوئی بھی داخل نہیں ہوگا سوائے اس کے کہ وہ یہودی ہو۔

تبصرہ اور رد:

یہود کا یہ نظریہ کہ جنت میں صرف یہود داخل ہونگے ایک دعوی ہے اور علم مخاصمت میں یہ طے شدہ ضابطہ ہے کہ جب کوئی دعوی کرتا ہے تو بارِ ثبوت ان کے ذمہ ہوتا ہے یعنی اپنے اس دعوی پر دلیل قائم کرنا دعوی کنندہ کے ذمہ لازم ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اسی آیت میں اللہ تعالی نے ان کا یہ نظریہ اس طور پر رد فرمایا ہے کہ اگر اس دعوی میں تم سچے ہو تو دلیل لاؤ۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُواْ بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ﴾ [2]

یہ ان لوگوں کے خیالاتِ باطل ہیں۔ (اے پیغمبر ان سے) کہہ دو کہ اگر سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔

اس آیت کے تحت امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"وأما قوله:(تلك أمانيهم) ، فإنه خبر من الله تعالى ذكره عن قول الذين قالوا:(لن يدخل الجنة إلا من كان هودا أو نصارى) ، أنه أماني منهم يتمنوها على الله بغير حق ولا حجة ولا برهان ، ولا يقين علم بصحة ما يدعون ، ولكن بادعاء الأباطيل وأماني النفوس الكاذبة"[3]

اور اللہ تعالی کا یہ قول کہ یہ ان خیالات باطلہ ہیں بے شک یہ اللہ کی جانب سے خبر ہے اس دعوی کے متعلق جو یہ کہتے تھے کہ جنت میں صرف یہودی یا صرف عیسائی جائیں گے، کہ یہ ان کے باطل امیدیں ہیں جو وہ اللہ تعالی سے رکھتے ہیں بغیر کسی حق، دلیل اور یقین کے کہ جس سے اس دعوی کی صحت کا علم حاصل ہو سکے، بلکہ یہ تو ان کا باطل دعوی ہے اور نفسانی جھوٹی امیدیں۔

جبکہ مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

---

(۱) سورۃ البقرۃ:۲/ ۱۱۱

(۲) ایضاً،۲/ ۱۱۱

(۳) جامع البیان، ابن جریر طبری:۲\۵۰۸

یہود ونصاریٰ دونوں نے دین کی اصل حقیقت کو فراموش کر کے مذہب کے نام پر ایک قومیت بنالی تھی اوران میں سے ہر ایک اپنی ہی قوم کے جنتی اور مقبول ہونے اور اپنے سوا تمام اقوام عالم کے دوزخی اور گمراہ ہونے کا معتقد تھا۔[۱]

پیر محمد کرم شاہ ازہری لکھتے ہیں:

"یہ سب دعوے باطل ہیں نجات کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے ایمان اور عمل صالح جس نے اپنی ذات اپنی خواہشات کو اللہ تعالی کے حکم کے سامنے جھکا دیا وہی بار گاہ الٰہی میں سر خرو ہو گا۔ رومی وزنگی عربی وعجمی کی کوئی قید نہیں"۔[۲]

جنت کے ٹھیکداری کا دعویٰ قرآن کریم نے مسترد کر دیا ہے بلکہ اس دعوی کو خیالات باطلہ قرار دیا ہے۔

یہود کے لیے عذاب جہنم وقتی ہے:

آخرت سے متعلق یہود کا ایک باطل نظریہ یہ بھی ہے کہ آخرت میں ان کو چند دن سزا ہو گی پھر وارے نیارے کریں گے۔ قرآن کریم میں ان کا یہ دعوی منقول ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَالُواْ لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلاَّ أَيَّاماً مَّعْدُوْدَةً﴾ [۳]

اور وہ (یہود) یہ (بھی) کہتے ہیں کہ ہمیں (دوزخ کی) آگ ہرگز نہیں چھوئے گی سوائے گنتی کے چند دنوں کے۔

تبصرہ اور رد:

قرآن کریم نے اس باطل نظریہ کو رد کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ کیا تم نے اللہ تعالی سے کوئی عہد لیا ہے؟ یا اللہ کو الزام دے رہو چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِندَ اللهِ عَهْدًا فَلَن يُخْلِفَ اللهُ عَهْدَهُ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللهِ مَا لاَ تَعْلَمُونَ﴾ [۴]

---

(۱) معارف القرآن:۱\۲۹۱

(۲) ضیاء القرآن، محمد کرم شاہ ازہری:۱\۸۶

(۳) سورۃ البقرۃ:۲/ ۸۰

(۴) ایضاً،۲/ ۸۰

ان سے پوچھو، کیا تم نے اللہ تعالیٰ سے اقرار لے رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اقرار کے خلاف نہیں کرے گا۔ (نہیں)، بلکہ تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایسی باتیں کہتے ہو جن کا تمہیں مطلق علم نہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے اس باطل کو رد کیا ہے کہ جو تم دعوی کر رہے ہو کہ چند دن ہی سزا ملے گی تو اس پر تمہارا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی معاہدہ ہوا ہے ؟ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں یہی مخاصمہ نقل فرماتے ہیں:

"يقول تعالى إخبارا عن اليهود فيما نقلوه وادعوه لأنفسهم، من أنهم لن تمسهم النار إلا أياما معدودة، ثم ينجون منها، فرد الله عليهم ذلك بقوله: { قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِندَ اللهِ عَهْدًا } أي: بذلك؟ فإن كان قد وقع عهد فهو لا يخلف عهده"[1]

اللہ تعالیٰ یہود سے متعلق خبر دیتے ہوئے فرمارہے ہیں جو انہوں نے اپنے بارے دعوی کیا تھا کہ ہمیں آگ نہیں چھوئے گی مگر چند دن پھر اس کے بعد اس سے نجات پالیں گے، پس اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ نظریہ رد فرمایا اپنے اس قول سے {قل أتخذتم عند الله عهدا} اگر کوئی عہد وجود میں آیا ہے تو اللہ تعالیٰ پھر اپنے کیے وعدے سے خلاف نہیں کریں گے۔

یہود جو دعوی کرتے تھے کہ چند دن سزا ہو گی تو اس کی وضاحت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق سات دن ہے :

"عن ابن عباس: أن اليهود كانوا يقولون: هذه الدنيا سبعة آلاف سنة، وإنما نعذب بكل ألف سنة يوما في النار، وإنما هي سبعة أيام معدودة"[2]

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے یہود کہتے تھے کہ یہ دنیا سات ہزار سال کی ہے تو بے شک ہمیں ہر ہزار سال کے بدلے ایک دن جہنم میں سزا ملیگی تو وہ بے شک سات دن ہیں جو چند دن قرار پاتے ہیں۔

اس مخاصمہ سے متعلق سید ابو الاعلی مودودی تفہیم القرآن میں لکھتے ہیں:

---

(۱) ابن کثیر: سورۃ البقرۃ آیت ۸۰

(۲) ایضاً

"یہ یہودیوں کی عام غلط فہمی کا بیان ہے جس میں ان کے عامی اور عالم سب مبتلا تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہم خواہ کچھ کریں، بہرحال چونکہ ہم یہودی ہیں، لہذا جہنم کی آگ ہم پر حرام ہے اور بالفرض اگر ہم کو سزا دی بھی گئی، تو بس چند روز کے لیے وہاں بھیجے جائیں گے اور پھر سیدھے جنت کی طرف پلٹا دیے جائیں گے"۔ (۱)

حاصل کلام:

اگرچہ تورات میں آخرت کا تذکرہ صراحت کے ساتھ موجود نہیں ہے تاہم یہود کی سب سے معتبر کتاب تالمود میں ذکر آخرت متعدد مقامات پر ملتا ہے۔ اسی طرح قرآن کریم کے نصوص، مفسرین کے اقوال اور احادیث کی عبارات سے بھی یہی معلوم ہو رہا ہے کہ یہود آخرت پر یقین رکھتے تھے۔ لہذا عین ممکن ہے کہ تورات میں تحریف کی وجہ سے آخرت کا ذکر حذف کر دیا گیا ہو۔

یہود کا یہ باطل خیال تھا کہ جنت میں صرف یہود ہی جائیں گے اس نظریہ کو قرآن کریم نے رد فرمایا ہے کہ اس پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

اسی طرح یہود کا ایک باطل خیال یہ بھی تھا کہ ہمیں آگ نہیں چھو سکتی ہے حالانکہ چند دن اس نظریہ کو بھی قرآن کریم نے رد فرمایا کہ اس پر کوئی معاہد ہوا ہے تو پیش کریں۔ یا یوں سمجھ لیا جائے کہ ناقص تصور آخرت گویا انکار آخرت ہے۔ اسی اصول و قواعد عام ہوتے ہیں۔ تمام انسانوں پر وہ لاگو ہوتے ہیں، اس اعتبار سے اللہ کا قانون بھی یہی ہے نیک اور صالح اعمال جو بھی کریں حقدار اجر و نعمت بن جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً ۖ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (۲)

ترجمہ: جو اچھا کام کرے مرد ہو یا عورت اور ہو مسلمان تو ضرور ہم اسے اچھی زندگی جلائیں گے اور ضرور انہیں ان کا نیگ (اجر) دیں گے جو ان کے سب سے بہتر کام کے لائق ہو۔

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

(۱) تفہیم القرآن، سید ابو الاعلیٰ مودودی:۱\۸۹-۹۰

(۲) سورۃ النحل:۱۶/۹۷

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ (۱)

ترجمہ: بے شک ایمان والے نیز یہودیوں اور نصرانیوں اور ستارہ پرستوں میں سے وہ کہ سچے دل سے اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائیں اور نیک کام کریں ان کا ثواب ان کے رب کے پاس ہے اور نہ انہیں کچھ اندیشہ ہو اور نہ کچھ غم۔

اسی طرح سزا و جزا کا قانون بھی سب کے لیے برابر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَّنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا ۗ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ﴾ (۲)

ترجمہ: جو نیکی کرے وہ اپنے بھلے کو اور جو برائی کرے تو اپنے برے کو اور تمہارا رب بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

---

(۱) سورۃ البقرۃ:۲/ ۶۲

(۲) سورۃ فصلت:۴۱/۴۶

فصل دوم:

آخرت سے متعلق نصاری کا عقیدہ

کتاب مقدس انجیل کے مندرجات سے واضح ہوتا ہے کہ نصاریٰ قیامِ آخرت پر یقین رکھتے ہیں لیکن جس طرح ان کا عقیدہ توحید مشرکانہ رہ گیا ہے اسی طرح ان کا عقیدہ آخرت بھی غلط ملط کیا گیا ہے۔ ان کا سب کچھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رحم وکرم پر ہے۔ اللہ درمیان سے نکالا گیا ہے۔ ان کے ہاں عقیدہ آخرت کا جو تصور ملتا ہے اس فصل میں بیان کیا گیا ہے۔

ولایت حساب کتاب بدست عیسی علیہ السلام:

یوم حساب نصاری کے ہاں یوم دینونت یعنی یوم جزا سے معروف ہے، یوم حساب سے متعلق ان کا عقیدہ ہے کہ باپ یعنی خداوند نے حساب کا اختیار اپنے بیٹے یعنی عیسی علیہ السلام کو سونپا ہے، نصاری یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام جب مصلوب ہوئے تو پھر اپنے قبر سے کھڑے ہوئے آسمان میں اپنے باپ کے قریب داہنے سائیڈ کرسی پر جا بیٹھے ہیں، تاکہ حشر کے دن لوگوں کا استقبال کر سکے اور ان کو دنیاوی زندگی میں کیے پر جزا سزا دے سکے۔ ان کا یہ اعتقاد انجیل کے متعدد آیات سے ثابت ہے، انجیل یوحنا میں ہے:

"کیُونکہ کے باپ کِسی کی عدالت بھی نہیں کرتا بلکہ اُس نے عدالت کا سارا کام بیٹے کے سُپرد کیا ہے"۔ [۱]

اسی طرح انجیل متی میں مسطور ہے:

"جب اِبنِ آدم اپنے جلال میں آئے گا اور سب فرِشتے اُس کے ساتھ آئیں گے تب وہ اپنے جلال کے تخت پر بَیٹھے گا۔ اور سب قَومیں اُس کے سامنے جمع کی جائیں گی اور وہ ایک کو دُوسرے سے جُدا کرے گا جَیسے چرواہا بھیڑوں کو بکرِیوں سے جُدا کرتا ہے۔ اور بھیڑوں کو اپنے دہنے اور بکرِیوں کو بائیں کھڑا کرے گا۔ "۔ [۲]

انجیل یوحنا اور انجیل متی کے مذکورہ بالا شواہد سے ثابت ہے کہ نصاری یہ باطل اعتقاد رکھتے ہیں کہ قیامت کے دن حضرت عیسی علیہ السلام حساب کتاب کرینگے۔ نیکو کاروں کو جزا اور بدکاروں کو سزا دینگے۔

---

(۱) انجیل یوحنا:۲۲:۵

(۲) انجیل متی:۲۵:۳۱-۳۲

ولایت حساب عیسیٰ علیہ السلام پر تبصرہ:

قرآن کریم کتاب ہدایت ہے۔ اللہ تعالیٰ خالق ہونے کے ساتھ ساتھ حکیم بھی ہے اور مدبر کائنات بھی ہے اور قیامت میں فیصلے بھی انہی کے ہاتھ میں چلتے ہوں گے۔ اس کے اذن کے بعد کوئی سفارش بھی نہیں کر سکتا۔ الا باذنہ سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے جبکہ بازپرس آخرت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا::

﴿فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِيْنَ ο عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴾ (۱)

ترجمہ: سو آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب سے ضرور پرسش کریں گے ۔ ان اعمال سے متعلق جو وہ کرتے رہے تھے۔

ان دو آیات میں اللہ تعالی قسم کھاتے ہیں کہ ہم تمام بنی آدم سے حساب لینگے۔ جس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ یوم قیامت حساب کتاب کا اختیار ابن آدم حضرت مسیح کے پاس نہیں بلکہ خود اللہ تعالی کے پاس ہو گا اور وہ تمام بنی آدم سے حساب لیں گے۔

اسی طرح سورت مرسلات میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هَذَا يَوْمُ لَا يَنطِقُونَ ο وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُونَ﴾ (۲)

ترجمہ: یہ ایسا دن ہے کہ وہ (اس میں) بول بھی نہ سکیں گے۔ اور نہ ہی انہیں اجازت دی جائے گی کہ وہ معذرت کر سکیں۔

یعنی قیامت کے دن کسی بندہ بشر کو بات کرنے کی اجازت تک نہیں ہوگی یہاں تک کہ عذر بیان کرنے کی اجازت بھی نہیں ہو گی۔

سورۃ اعراف میں تو مکمل تصریح موجود ہے کہ خود مرسلین یعنی پیغمبروں سے بھی سوال ہو گا، ارشاد باری تعالی ہے:

﴿فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ﴾ (۳)

---

(۱) سورۃ الحجر:۱۵/ ۹۲-۹۳

(۲) سورۃ المرسلات:۷۷/ ۳۵-۳۶

(۳) سورۃ الاعراف:۷/ ۶

ترجمہ: پھر ہم ان لوگوں سے ضرور پرسش کریں گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے اور ہم یقیناً رسولوں سے بھی (ان کی دعوت و تبلیغ کے ردِّ عمل کی نسبت) دریافت کریں گے۔

یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بہ شمول انبیاء علیہم السلام ہر شخص سے اللہ حساب لیا جائے گا۔

نظریہ حشر اجساد روحانی:

نصاری کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ حشر اجساد مادی کا نہیں ہوگا بلکہ روحانی ہوگا۔ لذات جنت حقیقی نہیں بلکہ معنوی ہوں گے۔ اس لیے ان کو نہ شادی بیاہ کی ضرورت ہوگی اور نہ ہی کھانے پینے کی بلکہ وہ جنت میں مثل فرشتوں کے ہوں گے۔ انجیل متی میں ہے:

"کیُونکہ قِیامت میں بیاہ شادِی نہ ہوگی بلکہ لوگ آسمان پر فرِشتوں کی مانِند ہوں گے "(۱)

اسی طرح انجیل میں کرنتھیوں کے پہلے خط میں لکھا ہے:

"نفسانی جِسم بویا جاتا ہے اور رُوحانی جِسم جی اُٹھتا ہے۔ جب نفسانی جِسم ہے تو رُوحانی جِسم بھی ہے "(۲)

اس میں واضح طور پر مردوں کے جی اٹھنے پر سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ مردے آخرت میں کیسے جی اٹھیں گے تو اس پر جواب دیا ہے کہ ایک نفسانی گوشت پوست کا جسم ہے اور ایک روحانی جسم ہے جس طرح دنیا میں نفسانی جسم ہے اسی طرح آخرت میں روحانی جسم بھی ہوگا، یعنی آخرت میں مردے روحانی جسم کے ساتھ جی اٹھیں گے۔

عقیدہ حشر اجساد روحانی پر تبصرہ:

قرآن کریم کی آیات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا کہ آخرت میں حشر فقط روحانی اجسام کے ساتھ نہیں ہوگا بلکہ جسم وروح کے ساتھ مردے دوبارہ جی اٹھیں گے چنانچہ سورت قیامہ میں ارشاد باری تعالی ہے:

﴿أَيَحْسَبُ الْإِنسَانُ أَلَّن نَّجْمَعَ عِظَامَهُOبَلَى قَادِرِينَ عَلَى أَن نُّسَوِّيَ بَنَانَهُ﴾(۳)

---

(۱) انجیل متی:۲۲:۳۰

(۲) کرنتھیوں کا خط اول:۱۵:۴۴

(۳) سورۃ القیامۃ:۸۵/ ۳-۴

ترجمہ: کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم اُس کی ہڈیوں کو (جو مرنے کے بعد ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جائیں گی) ہرگز اِکٹھا نہ کریں گے۔ کیوں نہیں! ہم تو اس بات پر بھی قادر ہیں کہ اُس کی اُنگلیوں کے ایک ایک جوڑ اور پوروں تک کو درست کر دیں۔

اسی طرح سورت یس میں رفع شبہ کے طور پر ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ * قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ﴾[1]

ترجمہ: اور (خود) ہمارے لئے مثالیں بیان کرنے لگا اور اپنی پیدائش (کی حقیقت) کو بھول گیا۔ کہنے لگا: ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا جبکہ وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں گی؟۔ فرما دیجئے: انہیں وہی زندہ فرمائے گا جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا تھا، اور وہ ہر مخلوق کو خوب جاننے والا ہے ۔

ان آیات میں واضح طور پر ذکر کیا گیا ہے کہ انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم ان کی بکھری ہڈیاں اکٹھی نہیں کریں گے ؟ فرمایا ضرور کرینگے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حشر اجساد صرف روحانی نہیں بلکہ جسمانی بھی ہو گا۔ اسی طرح سورت یٰس کی آیات میں بھی بوسیدہ ہڈیوں کا ذکر ہے کہ ان کو کون زندہ کرے گا؟ جس کے جواب میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالی جب پہلی بار پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔

سورت بقرہ میں اللہ تعالی نے جنت میں اہل جنت کے ازواج اور کھانے پینے کا ذکر فرما کر نصاری کا باطل عقیدہ رد کیا کہ جنت میں ان کی شادیاں نہیں ہوگی اور وہاں کھانا پینا نہیں ہو گا، ارشاد ہے:

﴿وَبَشِّرِ الَّذِين آمَنُواْ وَعَمِلُواْ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الأَنْهَارُ كُلَّمَا رُزِقُواْ مِنْهَا مِن ثَمَرَةٍ رِّزْقاً قَالُواْ هَذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِن قَبْلُ وَأُتُواْ بِهِ مُتَشَابِهاً وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴾[2]

اور (اے حبیب!) آپ ان لوگوں کو خوشخبری سنا دیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کہ ان کے لئے (بہشت کے) باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جب انہیں ان باغات میں سے کوئی پھل کھانے کو دیا جائے گا تو (اس کی ظاہری

---

(۱) سورۃ یٰس:۳۶/ ۷۸-۷۹

(۲) سورۃ البقرۃ:۲/ ۲۵

صورت دیکھ کر) کہیں گے: یہ تو وہی پھل ہے جو ہمیں (دنیا میں) پہلے دیا گیا تھا، حالانکہ انہیں (صورت میں) ملتے جلتے پھل دیئے گئے ہوں گے، ان کے لئے جنت میں پاکیزہ بیویاں (بھی) ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔

حاصل کلام:

کہ قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیات سے نصاری کا یہ باطل نظریہ مکمل وضاحت کے ساتھ رد ہو جاتا ہے کہ قیامت کے دن حساب کتاب حضرت عیسی علیہ السلام لیں گے، بلکہ سورت مرسلات کی آیات سے یہ بھی واضح ہو رہا ہے کہ خود انبیاء سے بھی محاسبہ ہو گا۔ جس میں حضرت عیسی علیہ السلام بھی شامل ہیں۔

اسی طرح قرآن کریم میں تصریحات موجود ہیں کہ آخرت میں مردے صرف روحانی اجسام کے ساتھ نہیں بلکہ جسمانی وجود کے ساتھ بھی جی اٹھیں گے، اور جنت میں جسمانی وجود کے تقاضے بھی پورے ہونگے یعنی بیویاں، کھانا پینا وغیرہ سب کا انتظام ہو گا۔ بلکہ تمام ترملذات وخواہشات کا مکمل انتظام ہو گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ ۖ وَأَنتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾[1]

ترجمہ: اور اس میں جو جی چاہے اور جس سے آنکھ کو لذّت پہنچے اور تم اس میں ہمیشہ رہو گے اور یہ ہے وہ جنّت جس کے تم وارث کیے گئے اپنے اعمال سے۔

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ o نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ﴾[2]

ترجمہ: اور آخرت میں اور تمہارے لیے ہے اس میں جو تمہارا جی چاہے اور تمہارے لیے اس میں جو مانگو مہمانی بخشنے والے مہربان کی طرف سے۔

لہذا نصاری کا یہ باطل عقیدہ قرآن کی مذکورہ بالا آیات سے رد ہو جاتا ہے اور یہ فطری عقیدہ بھی ہے کہ جو کرے گا وہی بھرے گا۔

---

(۱) سورۃ الزخرف:۴۳/ ۷۱

(۲) سورۃ فصلت:۴۱/ ۳۱-۳۲

فصل سوم:

آخرت سے متعلق مشرکین کا عقیدہ

عقیدہ آخرت سے متعلق یہود ونصاری کے نظریات کا قرآنی آیات کے ضمن میں جائزہ لیا گیا اس فصل میں عقیدہ آخرت سے متعلق مشرکین کے عقیدے کا جائزہ لیا جانا مقصود ہے۔ لہذا اس فصل میں اس کا مفصل جائزہ لیا گیا ہے۔

انکار آخرت:

الہامی مذاہب میں یہ بات ثابت ہے کہ عقیدہ آخرت ایک اہم بنیادی عقیدہ ہے، جس سے انکار کفر ہے۔ مشرکین آخرت سے منکر تھے۔ ان کا یہ دعوی قرآنی آیات کے ضمن میں بالتصریح موجود ہے۔ سورت جاثیہ میں مشرکین کا یہ دعوی نقل کیا گیا ہے کہ:

﴿ مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ ﴾[1]

ترجمہ: ہماری دنیوی زندگی کے سوا (اور) کچھ نہیں ہے ہم (بس) یہیں مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں زمانے کے (حالات وواقعات کے) سوا کوئی ہلاک نہیں کرتا (گویا اللہ تعالیٰ اور آخرت کا مکمل انکار کرتے ہیں)۔

مشرکین کہتے تھے اس دنیا کی زندگی کے سوا کوئی دوسری زندگی نہیں، بس یہ ہی ایک جہان ہے۔ جس میں ہمارا مرنا اور جینا ہے۔ جیسے بارش ہونے پر سبزہ زمین سے اگا خشکی ہوئی تو سوکھ کر ختم ہو گیا۔

انکار آخرت پر تبصرہ:

قرآن کریم نے متعدد آیات میں متعدد مقامات پر اس فکر و سوچ کا رد کیا ہے بلکہ جی اٹھنے کو ضروری اور انصاف کا تقاضیٰ قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذَا تُتْلَى عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ إِلَّا أَن قَالُوا ائْتُوا بِآبَائِنَا إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ * قُلِ اللَّهُ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيبَ فِيهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ * وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيومَ تَقُومُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَخْسَرُ الْمُبْطِلُونَ ﴾[2]

---

(۱) سورة الجاثية: ۴۵/ ۲۴

(۲) ایضاً: ۴۵/ ۲۴-۲۷

ترجمہ: اور جب اُن پر ہماری واضح آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو اس کے سوا اُن کی کوئی دلیل نہیں ہوتی کہ ہمارے باپ دادا کو (زندہ کرکے) لے آؤ، اگر تم سچے ہو۔ فرما دیجئے: اللہ ہی تمہیں زندگی دیتا ہے اور پھر وہی تمہیں موت دیتا ہے پھر تم سب کو قیامت کے دن کی طرف جمع فرمائے گا جس میں کوئی شک نہیں ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ۔ اور اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے اور جِس دن قیامت برپا ہوگی تب (سب) اہلِ باطل سخت خسارے میں پڑ جائیں گے۔

قرآن کریم کی ان آیات میں مشرکین کے انکار آخرت کو رد کیا گیا کہ وہ آخرت کا انکار محض گمان کی بنیاد پر کر رہے ہیں ان کے پاس اس کوئی دلیل نہیں، جب ان کے سامنے بعث بعد الموت کی دلائل اس کو سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ میں کسی دلیل کو نہیں مانوں گا بس اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو ہمارے مرے ہوئے باپ دادا کو زندہ کرکے دکھلا دو، تب ہم تسلیم کریں گے، کہ بیشک موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونا حق ہے۔ خداوند نے ان کو جواب دیا کہ جس نے ایک مرتبہ زندہ کیا پھر مارا اسے کیا مشکل ہے کہ دوبارہ زندہ کرکے سب کو ایک جگہ اکٹھا کردے۔[1]

دوباری جی اٹھنے کو بعید سمجھنا:

مشرکین مکہ دوبارہ زندگی کو بعید سمجھتے تھے بلک اس سے انکاری تھے کہ ان کو دوبارہ اٹھایا جائے گا جبکہ وہ بوسیدہ ہڈی ہوچکے ہوں گے۔ سورت سجدہ میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَقَالُوا أَئِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ أَئِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ بَلْ هُم بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ كَافِرُونَ* قُلْ يَتَوَفَّاكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ إِلَى رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ﴾[۲]

ترجمہ: اور کفار کہتے ہیں کہ جب ہم مٹی میں مِل کر گم ہو جائیں گے تو (کیا) ہم اَز سرِ نَو پیدائش میں آئیں گے، بلکہ وہ اپنے رب سے ملاقات ہی کے منکِر ہیں۔ آپ فرما دیں کہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے تمہاری روح قبض کرتا ہے پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

ان آیات کے تحت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

---

(۱) تفسیر عثمانی، شبیر احمد عثمانی، ۲\۱۰۶۸۔

(۲) سورۃ السجدۃ: ۳۲/ ۱۰-۱۱

اور یہ کافر لوگ کہتے ہیں کہ ہم جب زمین میں مل جل کر نیست ونابود ہو گئے تو کیا ہم پھر قیامت میں نئے جنم میں آویں گے اور یہ لوگ اس بعث ونشر پر صرف متعجب ہی نہیں ہیں جیسا کہ ظاہر ان کے عنوان سے معلوم ہوتا ہے بلکہ درحقیقت وہ لوگ اپنے رب سے ملنے کے منکر ہیں اور یہ استفہام ان کا انکاری ہے، آپ جواب میں فرما دیجیے کہ تمہاری جان موت کا فرشتہ قبض کرتا ہے جو تم پر اللہ کی طرف سے متعین ہے، پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹا کر لائے جاؤگے۔[۱]

مطلب ان کا یہ استفہام انکاری تھا وہ درحقیقت آخرت کے منکر تھے اللہ تعالی نے ان کے اس انکار تعنت کو مسترد کیا کہ اس انکار بے دلیل کا علاج موت کا فرشتہ ہی ہے تب یہ جان لوگے کہ بعث بعد الموت حق ہے یا نہیں؟

اسی شبہ واستبعاد عقلی کو سورت یٰس میں بھی ذکر کیا گیا ہے:

﴿أَ أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ * وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ * قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ﴾[۲]

ترجمہ: کیا انسان نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے اسے ایک تولیدی قطرہ سے پیدا کیا، پھر بھی وہ کھلے طور پر سخت جھگڑالو بن گیا۔ اور (خود) ہمارے لئے مثالیں بیان کرنے لگا اور اپنی پیدائش (کی حقیقت) کو بھول گیا۔ کہنے لگا: ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا جبکہ وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں گی؟ فرما دیجئے: انہیں وہی زندہ فرمائے گا جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا تھا، اور وہ ہر مخلوق کو خوب جاننے والا ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالی نے انکار بعث بعد الموت کے شبہ پر اپنی قدرت کا دلیل دے کر رد کیا ہے، کہ تمہیں پہلی مرتبہ کس نے پیدا کیا کہ دوبارہ جی اٹھنے پر تعجب ہو رہا ہے۔

اسی طرح سورت رعد میں اللہ تعالی نے ان کے اس استعجاب کو تعجب خیز قرار دیا ہے:

---

(۱) معارف القرآن، محمد شفیع، ۷\۲۶

(۲) سورۃ یٰس: ۳۶/ ۷۷-۷۹

﴿وَإِن تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ أَئِذَا كُنَّا تُرَابًا أَئِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ أُوْلَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُواْ بِرَبِّهِمْ وَأُوْلَئِكَ الأَغْلاَلُ فِي أَعْنَاقِهِمْ وَأُوْلَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾[1]

ترجمہ: اور اگر آپ (کفار کے انکار پر) تعجب کریں تو ان کا (یہ) کہنا عجیب (تر) ہے کہ کیا جب ہم (مر کر) خاک ہو جائیں گے تو کیا ہم از سرِ نو تخلیق کئے جائیں گے؟ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کا انکار کیا، اور انہی لوگوں کی گردنوں میں طوق (پڑے) ہوں گے اور یہی لوگ اہلِ جہنم ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

سورت نحل میں اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿ وَأَقْسَمُواْ بِاللّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لاَ يَبْعَثُ اللّهُ مَن يَمُوتُ بَلَى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لاَ يَعْلَمُونَ ○ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يَخْتَلِفُونَ فِيهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُواْ أَنَّهُمْ كَانُواْ كَاذِبِينَ ○ إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَن نَّقُولَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴾[2]

ترجمہ: اور یہ لوگ بڑی شدّ و مد سے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ جو مَر جائے اللہ اسے (دوبارہ) نہیں اٹھائے گا، کیوں نہیں اس کے ذمۂ کرم پر سچا وعدہ ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (مُردوں کا اٹھایا جانا اس لئے ہے) تاکہ ان کے لئے وہ (حق) بات واضح کر دے جس میں وہ لوگ اختلاف کرتے ہیں اور یہ کہ کافر لوگ جان لیں کہ حقیقت میں وہی جھوٹے ہیں۔ ہمارا فرمان تو کسی چیز کے لئے صرف اِسی قدر ہوتا ہے کہ جب ہم اُس (کو وجود میں لانے) کا ارادہ کرتے ہیں تو ہم اُسے فرماتے ہیں: "ہو جا" پس وہ ہو جاتی ہے۔

ان آیات کے تحت حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

"يقول تعالى مخبرا عن المشركين أنهم حلفوا فأقسموا بالله جهد أيمانهم أي اجتهدوا في الحلف وغلظوا الأيمان على أنه لا يبعث الله من يموت أي استبعدوا ذلك وكذبوا الرسل في إخبارهم لهم بذلك وحلفوا على نقيضه فقال تعالى مكذبا لهم وردا عليهم

---

(۱) سورۃ الرعد:۱۳/۲-۵

(۲) سورۃ النحل:۱۶/۳۸-۴۰

"بلى" أي بلى سيكون ذلك "وعدا عليه حقا" أي لا بد منه "ولكن أكثر الناس لا يعلمون" أي فلجهلهم يخالفون الرسل ويقعون في الكفر"(۱)

چونکہ کافر قیامت کے قائل نہیں اس لیے دوسروں کو بھی اس عقیدے سے ہٹانے کے لیے وہ پوری کوشش کرتے ہیں ایمان فروشی کرکے اللہ کی تاکیدی قسمیں کھاکر کہتے ہیں کہ اللہ تعالی مردوں کو زندہ نہ کرے گا اللہ تعالی فرماتا ہے کہ قیامت ضرور آئے گی اللہ کا یہ وعدہ برحق ہے، لیکن اکثر لوگ بوجہ اپنی جہالت اور لاعلمی کے رسولوں کی مخالفت کرتے ہیں اللہ کی باتوں کو نہیں مانتے اور کفر کے گڑھے میں گرتے ہیں۔

سورت قیامہ میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿أَيَحْسَبُ الْإِنسَانُ أَلَّن نَّجْمَعَ عِظَامَهُO بَلَى قَادِرِينَ عَلَى أَن نُّسَوِّيَ بَنَانَهُ﴾ (۲)

ترجمہ: کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم اُس کی ہڈیوں کو (جو مرنے کے بعد ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جائیں گی) ہرگز اِکٹھا نہ کریں گے۔ کیوں نہیں! ہم تو اس بات پر بھی قادر ہیں کہ اُس کی اُنگلیوں کے ایک ایک جوڑ اور پوروں تک کو درست کر دیں۔

اس آیت کے تحت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"آگے منکرین بعث پر رد ہے یعنی کیا انسان خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں ہرگز جمع نہ کریں گے، انسان سے مراد کافر اور ہڈیوں کی تخصیص اس لیے کہ اصل عماد بدن یہی ہیں آگے اس انکار کا جواب ہے یعنی ہم ضرور جمع کریں گے اور یہ جمع کرنا ہمکو کچھ دشوار نہیں کیونکہ ہم اس پر قادر ہیں کہ اس کی انگلیوں کی پوریوں تک درست کردیں"۔[۳]

سورت سبا میں اللہ تعالی انکار آخرت پر وعید سنا رہے ہیں:

﴿بَلِ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلَالِ الْبَعِيدِ﴾ (۴)

---

(۱) تفسیر القرآن الکریم، حافظ ابن کثیر، ۲\۶۸۱

(۲) سورۃ القیامۃ:۷۵/ ۳-۴

(۳) معارف القرآن، محمد شفیع، ۸\۶۲۰

(۴) سورۃ السباء:۳۴/ ۸

ترجمہ: بلکہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ عذاب اور پرلے درجہ کی گمراہی میں (مبتلا) ہیں۔

سورت اسراء میں ارشاد ہے:

﴿ وَمَن يَهْدِ اللهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَن يُضْلِلْ فَلَن تَجِدَ لَهُمْ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِهِ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى وُجُوهِهِمْ عُمْيًا وَبُكْمًا وَصُمًّا مَّأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنَاهُمْ سَعِيرًا O ذَلِكَ جَزَآؤُهُم بِأَنَّهُمْ كَفَرُواْ بِآيَاتِنَا وَقَالُواْ أَئِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا ﴾ (۱)

ترجمہ: اور اللہ جسے ہدایت فرمادے تو وہی ہدایت یافتہ ہے، اور جسے وہ گمراہ ٹھہرادے تو آپ ان کے لئے اس کے سوا مددگار نہیں پائیں گے، اور ہم انہیں قیامت کے دن اوندھے منہ اٹھائیں گے اس حال میں کہ وہ اندھے، گونگے اور بہرے ہوں گے، ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، جب بھی وہ بجھنے لگے گی ہم انہیں (عذاب دینے کے لئے) اور زیادہ بھڑکادیں گے۔ یہ ان لوگوں کی سزا ہے اس وجہ سے کہ انہوں نے ہماری آیتوں سے کفر کیا اور یہ کہتے رہے کہ کیا جب ہم (مَر کر بوسیدہ) ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہم از سرِ نو پیدا کر کے اٹھائے جائیں گے؟

"فاحتج تعالى عليهم، ونبههم على قدرته على ذلك، بأنه خلق السماوات والأرض، فقدرته على إعادتهم أسهل من ذلك" (۲)

اللہ تعالیٰ نے ان پر دلیل قائم کی اور ان کو اس اعادہ زیست پر قدرت پر متنبہ کیا، کہ اس ذات نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے تو ان بوسیدہ ہڈیوں کو دوبارہ پیدا کرنا تو اس پر اور بھی آسان ہے۔

حاصل کلام:

ان تمام آیات میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین انکار آخرت اور بعث بعد الموت کے باطل نظریے کو مختلف پیرایوں میں رد فرمایا ہے۔ اور ان کو عقلی دلائل سے متوجہ کیا ہے کہ جو ذات اول مرتبہ پیدا کرنے پر قادر ہے تو وہ دوبارہ پیدا کرنے پر کیوں قادر نہیں ہو گی، اسی طرح یہ حجت بھی ان پر قائم کی کہ جو آسمانوں اور زمین کو وجود بخشنے پر قادر ہے تو

---

(۱) سورۃ الإسراء:۱۷/۹۷-۹۸

(۲) تفسیر القرآن الکریم، ابن کثیر، ۲\۷۹۹

مردوں کو دوبارہ جی اٹھانا تو ان کے لیے اور بھی سہل ہے لہذا ان کا انکار آخرت اور حشر محض ایک گمان ہے جس پر ان کے پاس دلیل نہیں ہے۔

نتائج البحث

ذیل میں بحث کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے کہ مقالہ کن بنیادی سوالات کے جوابات اور قابل ذکر نکات پر مشتمل ہے تاکہ عدیم الفرصت قارئین خلاصہ بحث سے مقالے کے مرکزی نکات سے واقفیت حاصل کرسکیں۔ باب اول میں علم المخاصمہ کی لغوی واصطلاحی تعریفات اور اصول وآداب ذکر ہوئے ہیں اسی طرح دیگر اصطلاحات جدل، مناظرہ مناقشہ اور حوار پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

علم المخاصمہ سے مراد قرآن کریم میں چار مذکور گمراہ فرق یعنی یہود، نصاری، مشرکین، اور منافقین سے بحث ومباحثہ ہے جس میں تبعاً دیگر باطل فرق وادیان بھی شامل ہیں۔ کلام اللہ میں باطل ادیان سے جو مخاصمہ کیا گیا ہے اس میں محض مخالفت نہیں بلکہ دلائل وبراہین سے مخاطبین کو ہمدردی کے ساتھ اصل ہدایت کی طرف دعوت بھی دی گئی ہے۔

مکالمہ کے مقاصد میں سے ایک یہ ہے کہ تبلیغ دین کی نیت سے مخاصمہ کرنا مسلمانوں پر فرض ہے اور اسی فرض کی ادائیگی کا اولین حکم نبی کریم ﷺ اورن کے ذریعہ امت کو اس طرح دیا جارہا ہے۔ کہ جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے وہ لوگوں تک پہنچادو۔ مخاصمہ میں دونوں پہلو اختیار کیے جاسکتے ہیں دفاعی یعنی غیر مسلم مخاصمین کے اسلام پر وارد اعتراضات کا جواب دینا اور اقدامی بھی یعنی ان کے نظریات میں موجود سقم ان پر واضح کرنا۔

علم مخاصمہ میں دو قسم کے موضوعات شامل ہوتے ہیں: ایک باطل عقائد کا رد، دوسرا گمراہ قوموں کے شکوک وشبہات کا رد۔ مخاصمہ اور حوار میں دعوت غور وفکر، نصحت وتذکیر، ترغیب وترہیب، ابطال باطل، التزام حکمت اور خلوص ومحبت جیسے اسالیب کو اختیار کیا جانا چاہیئے۔

باب دوم میں توحید باری تعالیٰ کو بیان کیا گیا ہے اور اس کے متعلق یہود نصاری مشرکین اور منافقین کے نظریات کا جائزہ لیا گیا ہے اور آیات قرآنی کی روشنی میں ان میں موجودہ سقم وبالان کو بیان کرکے اس کا رد کیا گیا ہے۔

یہود کی سب اہم کتاب توارت ہے جو تناخ کا پہلا حصہ ہے، اور دوسرا حصہ نوی ایم یعنی انبیاء کے واقعات، تیسرا حصہ کیتوبیم یعنی ان کے صحائف ہیں۔ دوسری اہم کتاب مشناہ ہے جو ۲۰۰ قبل مسیح اور سن ۲۰۰ء کے درمیان مرتب ہوا ہے۔ یہ علمائے یہود کی تفسیر وتشریحات ہیں اور تلمود اسی سے ماخوذ ہے۔ توحید سے متعلق ان سے اخذ واقتباس کیا گیا ہے۔

توحید کے باب میں یہود کا اول باطل نظریہ عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ قرار دینا تھا۔ جبکہ اس باب میں نصاری کا ایک باطل عقیدہ خدا کو تین مختلف اقانیم میں تقسیم کرنا ہے، جس کو عقیدہ تثلیث کہا جاتا ہے۔ نصاری کا دوسرا باطل عقیدہ یہ ہے کہ وہ مسیح علیہ السلام کو ابن اللہ قرار دیتے ہیں۔

قرآن کریم یہود و نصاریٰ کا ایک مشترکہ باطل نظریہ بیان کرتا ہے کہ وہ اپنے علما کو خدائی کے منصب پر فائز سمجھتے تھے۔ مشرکین مالک الملک اللہ ہی کو سمجھتے تھے، تاہم اس کے ساتھ ساتھ غیروں کی پوجا بھی کیا کرتے تھے جس کی وجہ سے انہیں مشرک گردانا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے متعلق منافقین کا رویہ بے وقوفی پر مبنی تھا۔ وہ اپنے زعم میں خیال کرتے تھے کہ وہ اللہ کو اور رسول اللہ ﷺ اور مؤمنین کو دھوکہ دے رہے ہوتے ہیں قرآن کریم نے ان کے اس باطل نظریے کو واشگاف الفاظ میں رد کیا ہے اور ان کا باطلان ان پر واضح کیا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف فریب کی نسبت کیا کرتے تھے، ارشاد ہے: چنانچہ وہ کہا کرتے تھے: ہم سے اللہ اس کے رسول ﷺ نے فریب کا وعدہ کیا ہے۔

باب سوم میں ملائکہ سے متعلق یہود نصاریٰ اور مشرکین کے عقائد کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں ان کے عقائد کا باطلان ان پر واضح کیا گیا ہے اور ان باطل نظریات کا رد پیش کیا گیا ہے۔ فرشتوں سے متعلق یہود کا رویہ رہا ہے کہ وہ جبریل کو اپنا دشمن سمجھتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ وہی ہماری بربادی کا ذمہ دار ہے۔

یہود فرشتوں کی طرف عصیان کی نسبت بھی کیا کرتے ہیں جیسے ہاروت ماروت کے بارے میں ان کا نظریہ کفر ہے۔ نصاریٰ فرشتوں کو اللہ کے بیٹے تصور کرتے تھے جیسے کہ تورات کے اشارۃ النص سے ثابت ہے۔ جبکہ فرشتوں سے متعلق نصاریٰ کا عقیدہ ہے کہ وہ ابدی مخلوق ہے کبھی مرتے نہیں ہیں لیکن اس کے ساتھ وہ فرشتوں کو گناہ گار بھی خیال کرتے ہیں۔ اس نظریہ کو قرآن کریم نے تصریح کے ساتھ رد کیا ہے۔

نصاریٰ فرشتہ روح القدس کو اقانیم ثلاثہ میں شریک جان کر الوہیت روح القدس کے قائل ہیں۔ مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں سمجھتے تھے اور ساتھ ہی فرشتوں کی شفاعت قہری کے بھی دعویدار تھے۔ اور اسی کے نتیجے میں ان کی مرضی کے حصول کے لیے پرستش بھی کیا کرتے تھے۔

باب چہارم میں الہامی کتب کے حوالے سے یہود نصاریٰ اور مشرکین کے باطل عقائد کا جائزہ لیا گیا ہے جس کے مطابق: تورات پانچ کتب پر مشتمل ہیں: ۱ پیدائش۔ ۲ خروج۔ ۳ احبار۔ ۴ گنتی۔ ۵ استثناء۔ کتاب پیدائش میں تخلیق کائنات کی تفصیلات اور حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام سلام اور بی بی سارہ، ربیکا، لیہ، راشیل بی بی، اور یوسف علیہ السلام کے تا موت واقعات مذکور ہیں۔ کتاب خروج میں حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات سے لیکر موسی علیہ السلام کی قیادت میں مصر سے ہجرت کے واقعات تک موجود ہیں۔ کتاب احبار میں مقدس ٹمپل کے قوانین اور مجاوروں کی ذمہ داریاں صدقات خیرات اور اخوت کے اعمال کا بیان ہے۔ کتاب گنتی میں خروج مصر کے بعد میدان تیہ میں چالیس

سال کے واقعات کا ذکر ہے۔ کتاب استثناء میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے الوداعی خطبات، احکام عشرہ، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات اور نئے پیغمبر جوشوآ کے ظہور کا ذکر ہے۔

یہود کا عقیدہ ہے کہ تورات منزل من السماء ہے اور اس کا حرف حرف آسمانی ہے۔ اگرچہ اسفار موسیٰ خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف بتائی جاتی ہیں لیکن تحقیق جدید کی رو سے ان کے قریب اٹھائیس ماخذ تسلم کیے گئے ہیں۔

تورات میں لفظاو معنی دونوں اعتباروں سے تحریف ہوچکی ہے، جس پر تورات کے داخلی شواہد موجود ہیں۔ سترہ کتب ایسی ہیں جو کسی زمانہ میں موجود تھیں لیکن اب نہیں ہیں۔ یہود تورات میں نسخ کے قائل اس لیے نہیں ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ پر براء لازم آتا ہے۔ انجیل میں تحریفات ہوچکی ہیں جس پر داخلی شواہد گواہ ہیں مثلا انجیل میں درجنوں تضادات پائے جاتے ہیں۔ مشرکین کا ایک گروہ نزول تورات کا قائل تھا لیکن قرآن کو منزل من اللہ نہیں مانتا تھا۔

پانچویں باب میں نبوت ورسالت کے حوالے سے یہود نصاریٰ مشرکین اور منافقین کے نظریات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ جس کے مطابق: یہود انبیاء علیہ السلام کے بارے میں یہ باطل عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ معصوم نہیں، چنانچہ عہد نامہ قدیم میں ایسی تحریفات ملتی جس میں انبیاء کی طرف معاصی کی نسبت موجود ہے۔ یہود کے نزدیک جس طرح مرد نبی ہو سکتا ہے اسی طرح عورتیں بھی نبی بن کر آئی ہیں۔ نصاریٰ الوہیت نبی کے قائل ہیں جیسے الوہیت کو اقانیم ثلاثہ میں تقسیم کرتے ہیں۔ ایک ان میں سے مسیح ہے۔ یہود کی طرح نصاریٰ بھی انبیاء کو معصوم نہیں سمجھتے ہیں۔ یہود ونصاریٰ رسالت کے باب میں متفقہ طور پر نبی آخر الزمان کے منکر پائے جاتے ہیں۔

مشرکین مکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر وجنون اور کہانت وشاعری کا الزام لگاتے تھے۔ مشرکین کا ایک باطل نظریہ یہ بھی تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بلعام رومی سے تعلیم حاصل کرنے کا الزام لگاتے ہیں۔ منافقین رسالت کا ظاہر اقرار کرتے تھے لیکن در پردہ وہ رسالت کے منکر تھے۔

چھٹے باب میں آخرت سے متعلق فرق باطلہ کے گمراہ کن نظریات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ جن کے مطابق : تورات میں قیامت اور آخرت کی کوئی تصریح نہیں ہے۔ البتہ تالمود کے بعض عبارات سے عقیدہ آخرت کی طرف اشارات ملتے ہیں۔ یہود کا آخرت کے بارے میں باطل نظریہ تھا کہ جنت فقط ان کے لیے ہے اور صرف وہی اللہ کے محبوب قوم ہے۔ ان کو اگر عذاب بھی دیا جائے گا تو فقط چند دن کا ہوگا۔

عیسائی خیال کرتے تھے کہ قیامت کے دن حساب کتاب کا اختیار عیسی علیہ السلام کو ہو گا اور جنت صرف ان ہی کے لیے ہے۔ نصاری حشر اجساد کے منکر تھے بلکہ وہ روحانی حشر کے قائل ہیں۔ جہاں تک مشرکین کی بات ہے وہ آخرت کا صاف صاف انکار کرتے تھے۔

واللہ اعلم وباللہ التوفیق

سفارشات

جدید سفری ایجادات اور انٹرنیٹ کی وجہ سے دنیا گوبل ولیج کی صورت اختیار کرچکی ہے، مختلف مذاہب ومکاتب فکر کے وابستہ گان باہم مربوط ہوچکے ہیں، ہر مذہب کے لوگ دوسرے مذاہب سے واقفیت حاصل کررہے ہیں ایسے میں باہمی مکالمہ، اور مجادلہ کی ضرورت ہر چند موجود ہے لہذا اس حوالے درج ذیل سفارشات پیش کی جاتی ہیں۔

- عالم عرب میں علم جدل ومکالمہ اور ادب الخلاف پر کافی کام ہوچکا ہے، تاہم برصغیر پاک وہند میں اس کام ناکافی ہے، اس لیے ان موضوعات پر تحقیقی ومنہجی کام ہونا چاہیے۔
- مکالمہ اور مخاصمہ کی آیات کو ملحوظ رکھ کر اصول مکالمہ اور اصول مخاصمہ سہل انداز میں مرتب کرنے کی ضرورت ہے۔
- اصول کی ترتیب وتدوین کے بعد ادب الخلاف یعنی اختلاف رائے کے آداب اور اسالیب پر شرح وبسط کے ساتھ مقالہ جات لکھوانے چاہیے۔
- عام طور پر مناظرہ اور مکالمہ کو ایک مفہوم میں لیا جاتا ہے اس کے جوہری فروق ومقتضیات کو نمایاں کرنا چاہیے۔
- عام طور پر مدارس دینیہ میں جو مناظرہ کورسز کروائے جاتے ہیں اس میں الزام الخصم کے ٹول کو ترجیح حاصل ہوتی ہے جس سے رویوں میں کافی منفی رجحانات پروان چڑھتے ہیں اس حوالے سے اہل علم کو باہمی ملاقات کا سلسلہ بڑھانا چاہیے تاکہ اس پہلو پر توجہ دلائی جاسکے۔
- مکالمہ بین المذاہب کے لیے ملکی سطح پر ادارہ تشکیل دینا چاہیے اور وہ ادارہ متعلقہ مکاتب فکر کے جید نامور علماء کے اتفاق رائے سے تشکیل دینا چاہیے۔
- اس موضوع پر اردو میں مختلف مجلات ورسائل میں آرٹیکلز چھپنے چاہیے۔
- مختلف یورنیورسٹیز میں اس پر سیمینارز اور ورکشاپس منعقد کرنے چاہیے۔
- خاص کر سوشل میڈیا پر جو آئے روز علم جدلیات کے اقتضاءات سے ہٹ کر مکالمہ کے مظاہر سامنے آرہے ہیں اس پر مذہبی اسکالز کو مین اسٹریم میڈیا پر مدعو کرنا چاہیے اور ویڈیوز بنا کر سوشل میڈیا پر اپلوڈ کرنی چاہیں۔

فہارس

- فہرست آیات
- فہرست احادیث
- فہرست اعلام
- مصادر و مراجع

فہرست آیات

نمبر شمار	آیت	سورۃ	آیت نمبر	صفحہ نمبر
۱.	اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ	الفاتحۃ	۲	۹۶
۲.	الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ	"	۳۔۴	۹۶
۳.	اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ	"	۵	۹۴
۴.	وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ مَا--	البقرۃ	۹	۱۲۳
۵.	يٰاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ --------	"	۲۱،۲۲	۹۷
۶.	وَقُلْنَا يَاآدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا---	"	۳۵	۳۳
۷.	أَفَتَطْمَعُونَ أَنْ يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَسْمَعُونَ ---	"	۷۵	۲۰۰
۸.	فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ ---	"	۷۹	۲۱۷
۹.	قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ	"	۹۷-۹۸	۱۶۳
۱۰.	مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ	"	۹۸	۱۶۳
۱۱.	مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلِهَا أَلَمْ	"	۱۰۶	۲۰۸
۱۲.	وَقَالُواْ لَن يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلاَّ مَن كَانَ هُوداً أَوْ --	"	۱۱۱	۲۷۱
۱۳.	قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ	"	۱۲۴	۳۶
۱۴.	وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا بَلَدًا آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ-	"	۱۲۶	۳۶
۱۵.	الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ وَإِنَّ --	"	۱۴۶	۲۵
۱۶.	وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ	"	۱۶۳	۹۸
۱۷.	اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَار	"	۱۶۴	۹۹
۱۸.	وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ	"	۱۸۶	۳۹
۱۹.	يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ لِلْوَالِدَيْنِ--	"	۲۱۵	۳۹

۲۰.	مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ	؍	۲۵۵	۱۸۸
۲۱.	قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا ---	؍	۲۵۸	۲۸
۲۲.	نَزَّلَ عَلَيْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقاً لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰةَ--	آل عمران	۳،۴	۱۹۸
۲۳.	إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ	؍	۱۹	۶۵
۲۴.	قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ	؍	۳۱	۲۵۲
۲۵.	أَنِّي أَخْلُقُ لَكُمْ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ --	؍	۴۹	۸۱
۲۶.	قُلْ يَاأَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا --	؍	۶۴	۲۰
۲۷.	يَاأَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَأَنْتُمْ ---	؍	۷۰،۷۱	۴۷
۲۸.	وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِندِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِندِ اللَّهِ وَيَقُولُونَ	؍	۷۴	۳۲
۲۹.	كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِبَنِي إِسْرَائِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَائِيلُ عَلَى --	؍	۹۳	۲۰۹
۳۰.	يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا ----	؍	۱۵۶	۱۲۶
۳۱.	اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَ قَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا---	؍	۱۶۸	۲۸
۳۲.	إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ	النساء	۴۵	۳۲
۳۳.	مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ	؍	۴۶	۲۰۲
۳۴.	وَإِذَاحَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوابِالْعَدْلِ	؍	۵۸	۱۷
۳۵.	أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ	؍	۸۲	۵۳
۳۶.	لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِنْ نَجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ --	؍	۱۱۴	۵۴
۳۷.	اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ هُوَ خَادِعُهُمْ	؍	۱۴۲	۱۳۳
۳۸.	مُذَبْذَبِينَ بَيْنَ ذَٰلِكَ لَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ وَلَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ وَمَنْ يُضْلِلِ --	؍	۱۴۳	۱۲۰
۳۹.	اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رُسُلِه وَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا --	؍	۱۵۰،۱۵۱	۱۴۱
۴۰.	وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ	؍	۱۵۷	۸۱

۴۱.	يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ	〃	۱۷۱	۲۲۲
۴۲.	وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ انْتَهُوا خَيْرًا لَكُمْ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ --	〃	۱۷۲	۲۵۱
۴۳.	فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً	المائده	۱۳	۲۰۲
۴۴.	لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ قُلْ	〃	۱۷	۲۲
۴۵.	يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ مِنَ---		۴۱	۱۲۵
۴۶.	وَقَفَّيْنَا عَلٰى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ --	〃	۴۶	۱۹۸
۴۷.	يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ	〃	۶۷	۲۶
۴۸.	إِذْ قَالَ اللَّهُ يَاعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِي عَلَيْكَ ---	〃	۱۱۰	۳۷
۴۹.	حَتَّى إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا	الانعام	۶۱	۱۵۱
۵۰.	وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِذْ قَالُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَى ---	〃	۹۱-۹۲	۲۰۵
۵۱.	وَلَوْ تَرَى إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ---	〃	۹۳	۱۵۴
۵۲.	ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ مِنَ الضَّأْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ قُلْ ---	〃	۱۴۳	۴۰
۵۳.	سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا --	〃	۱۴۸	۱۰۷
۵۴.	وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَى	〃	۱۵۲	۱۷
۵۵.	دِينًا قِيَمًا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ	〃	۱۶۱	۶۰
۵۶.	فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ	الاعراف	۶	۲۸۰
۵۷.	وَاكْتُبْ لَنَا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ إِنَّا هُدْنَا--	〃	۱۵۶	۲۷۱
۵۸.	اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهُ مَكْتُوْبًا ---	〃	۱۵۷	۱۹۹
۵۹.	خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ	〃	۱۹۹	۱۸
۶۰.	هَٰذَا بَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ	〃	۲۰۳	۵۲
۶۱.	لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ	الانفال	۸\۸	۲۲
۶۲.	وَلَوْ تَرَى إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةُ	〃	۵۰	۱۵۱
۶۳.	وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ	التوبة	۳۰	۶۹

۶۴.	ذَلِكَ قَوْلُهُم بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ --	〃	۳۰	۷۲
۶۵.	اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ	〃	۳۱	۹۲
۶۶.	وَ لَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُ---	〃	۶۵	۱۳۸
۶۷.	وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْبِهِ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا	یونس	۱۲	۱۰۸
۶۸.	وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا بِهَا جَاءَتْهَا رِيحٌ --	〃	۲۲	۱۰۹
۶۹.	قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ	〃	۳۱	۱۰۴
۷۰.	فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ	〃	۳۲	۲۵
۷۱.	وَأَوْحَيْنَا إِلَى مُوسَى وَأَخِيهِ أَنْ تَبَوَّآ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوتًا	〃	۸۷-۸۹	۳۷
۷۲.	وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ --	〃	۹۹	۴۹
۷۳.	وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ	〃	۱۰۰	۲۰
۷۴.	وَنَادَى نُوحٌ رَبَّهُ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي وَإِنَّ وَعْدَكَ	ہود	۴۵-۴۸	۳۴
۷۵.	فَلَمَّا رَأَى أَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً --	〃	۷۰	۱۵۳
۷۶.	مَا هَذَا بَشَرًا إِنْ هَذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ	یوسف	۳۱	۱۵۴
۷۷.	وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوحِي إِلَيْهِمْ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى --	〃	۱۰۹	۲۴۶
۷۸.	وَإِن تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ أَئِذَا كُنَّا تُرَابًا أَئِنَّا لَفِي خَلْقٍ	الرعد	۲-۵	۲۸۷
۷۹.	لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ	〃	۱۱	۱۵۲
۸۰.	وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ * سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا--	〃	۲۳-۲۴	۱۵۱
۸۱.	هَذَا بَلَاغٌ لِلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوا بِهِ وَلِيَعْلَمُوا أَنَّمَا هُوَ إِلَهٌ وَاحِدٌ	ابراھیم	۵۲	۲۷
۸۲.	فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ * عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ	الحجر	۹۲-۹۳	۲۸۰
۸۳.	وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ --	النحل	۳۵	۱۰۷
۸۴.	وَأَقْسَمُواْ بِاللّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لاَ يَبْعَثُ اللّهُ مَن يَمُوتُ بَلَى	〃	۳۸-۴۰	۲۸۷

٨٥.	يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ	"	٥٠	١٤٢
٨٦.	وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ لِسَانُ الَّذِي--	"	١٠٣-١٠٥	٢٥٩
٨٧.	وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ --	"	١٢٥	٧
٨٨.	وَقَضَى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ	الإسراء	٢٣	١١٧
٨٩.	قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَى أَن يَأْتُواْ بِمِثْلِ هَذَا --	"	٨٨	٢٢٨
٩٠.	وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى وُجُوهِهِمْ عُمْيًا وَبُكْمًا وَصُمًّا	"	٩٧-٩٨	٢٨٩
٩١.	قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ --	الكهف	٣٧	١١
٩٢.	فَقَالَ لِصَاحِبِهِ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ	"	٣٤	١١
٩٣.	وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا --	الانبياء	٢٥	٧٩
٩٤.	وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ بَلْ عِبَادٌ مُكْرَمُونَ	"	٢٦	١٨٦
٩٥.	بَلْ عِبَادٌ مُكْرَمُونَ * لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ	"	٢٧	١٧١
٩٦.	وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا	الحج	٨	٦
٩٧.	اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ --	"	٧٥	٢٢٨
٩٨.	قُلْ لِمَنِ الْأَرْضُ وَمَنْ فِيهَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ*سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ--	المؤمنون	٨٤،٨٧	١٠٣
٩٩.	قُلْ مَنْ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ --	"	٨٨،٨٩	١٠٥
١٠٠.	وَ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللهِ وَ بِالرَّسُوْلِ وَ اَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ	النور	٤٧/٢٣	١٣٢
١٠١.	وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا	الفرقان	٣٣	٢٢
١٠٢.	وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَoإِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ--	الشعراء	٦٩-٧٤	٤١
١٠٣.	فَأْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُولَا إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَoأَنْ أَرْسِلْ مَعَنَا ---	"	١٦-٢٢	٤٣

۱۰۴.	إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ	"	۱۰۹	۵۴
۱۰۵.	إِذْقَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ أَلَا تَتَّقُونَoإِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ ---	"	۱۷۷/۱۸۸	۴۲
۱۰۶.	بَصَائِرَ لِلنَّاسِ	القصص	۴۳	۵۲
۱۰۷.	وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ	العنکبوت	۴۶	۶
۱۰۸.	كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ	"	۵۷	۱۷۸
۱۰۹.	وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَالشَّمْسَ --	"	۶۱	۱۰۶
۱۱۰.	وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ	"	۶۴	۲۶۷
۱۱۱.	فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا --	"	۶۵	۱۱۳
۱۱۲.	وَإِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُنِيبِينَ إِلَيْهِ	الروم	۳۳	۱۰۸
۱۱۳.	تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ	لقمان	۲	۵۳
۱۱۴.	إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ	"	۱۳	۹۵
۱۱۵.	وَإِذَا غَشِيَهُمْ مَوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ	"	۳۲	۱۰۹
۱۱۶.	يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ	السجدۃ	۵	۱۵۵
۱۱۷.	وَقَالُوا أَإِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ أَإِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ بَلْ هُمْ --		۱۰-۱۱	۲۸۵
۱۱۸.	وَ اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا --	الاحزاب	۱۲	۱۳۵
۱۱۹.	اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ --	"	۱۹	۱۳۵
۱۲۰.	يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُواقَولًاسَدِيدًا	"	۷۰	۱۷
۱۲۱.	بَلِ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلَالِ الْبَعِيدِ	السباء	۸	۲۸۸
۱۲۲.	وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَائِكَةِ أَهَؤُلَاءِ إِيَّاكُمْ ---	"	۴۰-۴۱	۱۸۹
۱۲۳.	جَاعِلِ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا	الفاطر	۱	۱۴۷
۱۲۴.	وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ	یس	۶۹	۲۶۲
۱۲۵.	أَوَلَمْ يَرَ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُبِينٌ --	"	۷۷-۷۹	۲۸۶

۱۲۶.	وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ قَالَ مَنْ يُحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ	″	۷۸-۷۹	۲۸۲
۱۲۷.	فَاسْتَفْتِهِمْ أَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُونَ * أَمْ خَلَقْنَا الْمَلَائِكَةَ --	الصافات	۱۴۹-۱۵۷	۱۸۵
۱۲۸.	وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا	″	۱۵۸	۱۸۲
۱۲۹.	قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ * إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ	ص	۸۲-۸۳	۲۴۵
۱۳۰.	وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ	″	۸۶	۱۸
۱۳۱.	أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ---	الزمر	۳	۱۱۷
۱۳۲.	قُلْ أَفَغَيْرَ اللَّهِ تَأْمُرُونِّي أَعْبُدُ أَيُّهَا الْجَاهِلُونَ	″	۶۴	۲۵
۱۳۳.	وَتَرَى الْمَلَائِكَةَ حَافِّينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ	″	۷۵	۱۵۰
۱۳۴.	الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ	الغافر	۷	۱۵۰
۱۳۵.	وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ	الزخرف	۹	۱۰۸
۱۳۶.	وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَنَّى يُؤْفَكُونَ		۸۷	۱۰۱
۱۳۷.	مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا	الجاثية	۲۴	۲۸۴
۱۳۸.	وَمَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ * وَإِذَا تُتْلَى--	″	۲۴-۲۷	۲۸۴
۱۳۹.	وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَا --	الاحقاف	۱۱	۲۲۷
۱۴۰.	وَّ يُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ --	الفتح	۶	۱۳۵
۱۴۱.	يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ --	الحجرات	۶	۱۹
۱۴۲.	إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقَاكُمْ	″	۱۳	۶۳
۱۴۳.	تَبْصِرَةً وَذِكْرَى لِكُلِّ عَبْدٍ مُنِيبٍ	ق	۸	۵۲
۱۴۴.	إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ --	″	۱۷-۱۸	۱۵۲
۱۴۵.	وَالذَّارِيَاتِ ذَرْوًا * فَالْحَامِلَاتِ وِقْرًا * فَالْجَارِيَاتِ يُسْرًا --	الذاريات	۱-۴	۱۵۲
۱۴۶.	كَذَلِكَ مَا أَتَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا قَالُوا سَاحِرٌ --	″	۵۲-۵۵	۲۵۸
۱۴۷.	عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَى	النجم	۵	۱۵۳
۱۴۸.	كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ* وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ --	الرحمن	۲۶-۲۷	۱۷۸

١٤٩.	قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِي--	المجادله	١	١١
١٥٠.	وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ	الصف	٦	٢٥٦،٢١٢
١٥١.	إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ	المنافقون	١-٣	٢٦٤
١٥٢.	لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ	التحريم	٦	١٧٠
١٥٣.	وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ	الحاقة	١٧	١٥٠
١٥٤.	إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ * وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَا تُؤْمِنُونَ --	؍	٤٠-٤٢	٢٥٩
١٥٥.	أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَلَّنْ نَجْمَعَ عِظَامَهُ * بَلَى قَادِرِينَ عَلَى	القيامة	٣-٤	٢٨١
١٥٦.	هَذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُونَ * وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُونَ	المرسلات	٣٥-٣٦	٢٧٩
١٥٧.	وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ *كِرَامًا كَاتِبِينَ * يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ	الانفطار	١٠-١٢	١٥٢
١٥٨.	لْيَدْعُ نَادِيَهُ * سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ	العلق	١٧-١٨	١٥٢
١٥٩.	قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ * اللَّهُ الصَّمَدُ * لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ --	الاخلاص	١-٤	١٧٦
١٦٠.	قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ	الناس	١	٩٦
١٦١.	مَلِكِ النَّاس	؍	٢	٩٧

فہرست احادیث

صفحہ نمبر	کتاب کا نام	حدیث کا متن	نمبر شمار
۱۵۳	صحیح البخاري	أنه أي النبي ﷺ رأى. إلخ	۱.
۱۶۱	السنن الکبری	إني سائلك عن ثلاث لا يعلمها إلا نبي. إلخ	۲.
۲۷	مسند احمد	بَلِّغُوا عَنِّي وَلَو اٰيَةً. الخ	۳.
۵۰	صحیح مسلم	تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ فِي فُقَرَائِهِمْ . إلخ	۴.
۱۱۱	صحیح البخاری	ثُمَّ عَادُوا فِي كُفْرِهِمْ. إلخ	۵.
۵۰	مشکاۃ المصابیح	حَدِّثِ النَّاسَ كُلَّ جُمُعَةٍ مَرَّةً فَإِنْ أَبَيْتَ. إلخ	۶.
۱۵۷	مسند أحمد	حضرت عصابة من اليهود رسول الله. الخ	۷.
۱۴۹	صحیح مسلم	خلقت الملائكة من نور وخلق الجان. إلخ	۸.
۱۱۶	سنن الترمذی	سِتًّا فِي الأَرضِ وَوَاحِدافِي السَّمَاءِقَالَ. إلخ	۹.
۳۵	سنن ابی داوٗد	شِفَاءُ العَيِّ السُّؤَالُ. إلخ	۱۰.
۲۷۲	صحیح مسلم	فقال السلام عليك يا مُحَمَّد فدفعته. إلخ	۱۱.
۵۹	صحیح البخاری	قَالَ النَّبِيُّﷺ كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ . إلخ	۱۲.
۷۶	جامع الترمذی	قال أما إنهم لم يكونوا يعبدونهم ولكنهم . إلخ	۱۳.
۱۹	صحیح مسلم	كفى بالمرء كذبا أن يحدث بكل ما سمع. الخ	۱۴.
۲۶	سنن الکبری	لاَ تَسْتَضِيئُوا بِنَارِ الْمُشْرِكِينَ. الخ	۱۵.
۱۱۶	مشکاۃ المصابیح	لَعَلَّ اللّٰهَ يَشْفِيهِ عَلَى يَدَيَّ. إلخ	۱۶.
۱۵۴	مسند أحمد	لو تكونون أو قال لو أنكم تكونون. إلخ	۱۷.
۲۷	صحیح البخاری	لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ. إلخ	۱۸.
۲۶	سنن ابی داوٗد	مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ. الخ	۱۹.
۲۴	سنن الدارمی	من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليكرم جاره. الخ	۲۰.

۲۱.	وَلَا أُلْفِيَنَّكَ تَأْتِي الْقَوْمَ وَهُمْ فِي حَدِيثٍ. إلخ	مشکاۃ المصابیح	۵۰
۲۲.	يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا وَبَشِّرُوا وَلَا تُنَفِّرُوا. إلخ	صحیح البخاری	۵۱

فہرست اعلام

نمبر شمار	اعلام	صفحہ نمبر
۱.	ابراہیم علیہ السلام	۲۸،۳٦،۴۲
۲.	ابراہیم مصطفیٰ	۷
۳.	ابن بری	۲۳۵
۴.	ابن تیمیہ	۱۰،۲٦۹
۵.	ابن حزم ظاہری	۲٦۹
٦.	ابن شویرق	٦۷
۷.	ابن عباس رضی اللہ عنہ	۹۰،۴۹
۸.	ابن قیم الجوزیۃ	۱۴٦،۳۱۳
۹.	ابن منظور الافریقی	۳
۱۰.	أبو بکر أحمد بن الحسین بن علي البیهقي	۲٦
۱۱.	ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ	۱۱۴
۱۲.	ابو جہل	۱۱۵
۱۳.	أبو عبد اللہ أحمد بن محمد بن حنبل	۲۷
۱۴.	ابو عبد اللہ قرطبی	۱۳۹
۱۵.	أبو عبد اللہ محمد بن أحمد	۷۴
۱٦.	ابو موسیٰ اشعری	۵۰
۱۷.	ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ	۱۵۴
۱۸.	ابو العلاء محمد اسماعیل	۵۸
۱۹.	ابو الفداء عماد الدین حافظ ابن کثیر دمشقی	٦۷
۲۰.	ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی	۲٦،۳۳

۷۶،۹۳	ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی	۲۱.
۱۱۲،۱۱۳	ابو محمد عبد الملک بن ہشام	۲۲.
۱۱۵	ابی طالب	۲۳.
۲۴	أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي	۲۴.
۱۹۴،۶۰	اسحاق علیہ السلام	۲۵.
۹۴،۶۰	اسماعیل علیہ السلام	۲۶.
۷۴	امام رازی، أبو عبد اللہ محمد بن عمر	۲۷.
۷۳	امام راغب اصفہانی	۲۸.
۷۴	امام فراء	۲۹.
۴۹	امین احسن اصلاحی	۳۰.
۱۱۴	امیہ بن خلف	۳۱.
۲۰۴،۱۹۳	ایف ایس خیر اللہ	۳۲.
۲۴۱،۱۱۴	بلال رضی اللہ عنہ	۳۳.
۴	پروفیسر محمد رفیق چوہدری	۳۴.
۹	پروفیسر بشیر احمد صدیقی	۳۵.
۲۱۳	پطرس	۳۶.
۷۲،۷۱	پیر محمد کرم شاہ الازہری	۳۷.
۲۵۳	تمر	۳۸.
۲۷۲	ثوبان	۳۹.
۱۵۱،۹۱	جبرئیل	۴۰.
۷۵	حذیفہ رضی اللہ عنہ	۴۱.
۲۵۳	حصرون	۴۲.
۵۸	حکیم محمود احمد ظفر	۴۳.

۴۴.	الخلیل بن احمد الفراھیدی	۵
۴۵.	خورشید احمد	۸۰
۴۶.	دکتور طارق بن علی الحبیب	۹
۴۷.	ڈاکٹر، محمد طاہر	۱۲۲
۴۸.	راشیل	۱۹۴
۴۹.	ربیکا	۱۹۴
۵۰.	رحمت اللہ کیرانوی	۲۱۹،۱۹۲
۵۱.	رضی الدین سید	۱۹۴
۵۲.	زارح	۲۵۳
۵۳.	سارہ	۱۹۴،۱۵۳
۵۴.	سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی	۲۲۴
۵۵.	سمعیاہ	۲۰۴
۵۶.	سیبویہ	۱۴۶
۵۷.	سید سلیمان ندوی	۴۸
۵۸.	سیدنا شعیب	۴۲
۵۹.	سیدنا صالح	۴۱
۶۰.	سیدنا لوط	۴۱
۶۱.	سیدنا موسیٰ	۴۱،۳۶
۶۲.	سیدنا ہود	۴۱
۶۳.	سینٹ پال	۸۵،۸۴
۶۴.	شاس بن قیس	۷۱
۶۵.	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	۵۸،۴
۶۶.	شریف جرجانی	۲۳۵،۱۴۷

۶۷.	شمہازی	۱۶۸
۶۸.	شہاب الدین محمود بن عبد اللہ	۱۱۰
۶۹.	عائشہ رضی اللہ عنہا	۱۴۹
۷۰.	عبد الحمید خان سواتی	۳۲
۷۱.	عبد الحمید خان عباسی	۳۱
۷۲.	عبد اللہ بن ابی	۱۲۹
۷۳.	عبد اللہ بن سلام	۱۶۱
۷۴.	عبد اللہ بن عمر	۱۳۸
۷۵.	عبد المطلب	۱۱۵
۷۶.	عبد اللہ بن مسعود	۱۱۱
۷۷.	عدی بن حاتم	۷۶
۷۸.	عزازیل	۱۶۸
۷۹.	عزیر علیہ السلام	۵۷،۶۷
۸۰.	عطا بن رباح	۶۸
۸۱.	علامہ کلبی	۲۳۵
۸۲.	عمر فاروق رضی اللہ عنہ	۱۱۵
۸۳.	غلام رسول چیمہ	۲۱۱،۲۱۴
۸۴.	غلام رسول سعیدی	۶۹،۷۵،۹۰
۸۵.	فارص	۲۵۳
۸۶.	لوقا	۱۴۹،۱۷۸
۸۷.	مالک بن صیت	۷۱
۸۸.	الماوردی اَبوالحسن، علی بن محمد	۱۶۹
۸۹.	مجاہد	۱۳۹

.۹۰	محمد ﷺ	۲۵،۳۰،۱۰۰
.۹۱	محمد امین بن محمد المختار الجلبینی الشنقیطی	۵
.۹۲	محمد بن سعد	۱۱۱
.۹۳	محمد بن محمد بن عبد الرزاق المرتضیٰ الزبیدی	۱۰
.۹۴	محمد بن عبد اللہ خطیب التبریزی	۵۰
.۹۵	مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری	۱۹
.۹۶	معاذ بن جبل	۵۰
.۹۷	مفتی محمد شفیع	۱۱۲،۱۲۷
.۹۸	مقاتل بن سلیمان	۱۸۷
.۹۹	مودودی، ابوالاعلیٰ سید	۴۹
.۱۰۰	مولانا خورشید انور قاسمی	۳۲،۳۳
.۱۰۱	مولانا شبیر احمد عثمانی	۱۱۰
.۱۰۲	مولانا محمد زکریا	۵۵
.۱۰۳	مولوی فیروزالدین	۴
.۱۰۴	مولوی نور الحسن	۹
.۱۰۵	میکائیل	۱۵۱،۱۵۷
.۱۰۶	ہاشم	۱۵۹
.۱۰۷	ہند بنت عتبہ	۱۱۵
.۱۰۸	وحید الزمان کیرانوی	۲۳۳
.۱۰۹	ولید بن مغیرہ	۱۱۴
.۱۱۰	یشع	۲۴۷
.۱۱۱	یعقوب علیہ السلام	۶۰،۱۵۹
.۱۱۲	یوسف علیہ السلام	۱۵۴،۱۹۴

مصادر ومراجع

قرآن مجید

ابو جعفر محمد بن جریری، تفسیر طبری، الطباعۃ والنشر والتوزیع، ۱۴۲۲ھ، ۲۰۰۱ء۔

الآداب الشرعیۃ، عبد اللہ محمد ابن مفلح المقدسی، المکتبۃ الموسسۃ الرسالۃ بیروت 1999

الادب المفرد، ابی عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری، المکتبۃ الاثریۃ لاہور ۱۹۹۴

اردو لغت (تاریخی اصول پر) اردو لغت بورڈ، کراچی، ۲۰۰۲ء۔

اسلام کا تصور توحید، حکیم محمود احمد ظفر، علی فرید پرنٹرز، لاہور، ۲۰۰۸ء۔

اسلامی نظریہ حیات (مذاہب عالم: ایک تقابلی مطالعہ)، خورشید احمد، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، کراچی یونیورسٹی، کراچی۔

اصول تفسیر و تاریخ و تفسیر، عبد الحمید خان عباسی۔

اظہار الحق، رحمت اللہ کیرانوی، مکتبہ دار العلوم کراچی، ۱۴۰۶۔

انسان کامل، ڈاکٹر خالد علوی، الفیصل تاجران وناشران، لاہور۔

انوار التنزیل واسرار التاویل المعروف بتفسیر البیضاوي، البیضاوی، ناصر الدین ابی الخیر عبد اللہ بن عمر الشیرازی، دار احیاء التراث العربی بیروت، ط: ۱۹۹۸۔

التعریفات، علي بن محمد الجرجاني الحنفي، مکتبۃ رحمانیۃ۔

المفردات فی غریب القرآن، أبو القاسم الحسین بن محمد المعروف بالراغب الأصفهانی، دار القلم، دمشق، بیروت، ط، ۱۴۱۲ھ۔

المعجم الوسیط، مجمع اللغۃ العربیۃ بالقاهرة، ابراہیم مصطفیٰ، دار الدعوۃ

المورد الوسیط المزدوج، روحی البعلبکی، مکتبہ دار العلم للملایین، لبنان 1998

المورد الوسیط (مزدوج)، دار الملائیین، بیروت۔

الموسوعۃ الفقھیۃ، الجزء التاسع والثلاثون، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۲۰ھ۔

الندوۃ العالمیۃ للشاب الاسلامی فی اصول احوار، الریاض، الندوۃ العالمیۃ، ۱۴۱۵ھ۔

النکت والعیون، الماوردی أبو الحسن، علی بن محمد بن حبیب البصری البغدادي، طبعہ اولی۔

أيسر التفاسير اسعد محمود حومد، الطبعة الرابعة، ٢٠٠٩م، المكتبة الشاملة۔
بائبل سے قرآن تک، رحمت اللہ کیرانوی، مکتبہ دار العلوم کراچی، طبعہ پنجم۔
تاج العروس من جواهر القاموس، محمّد بن محمّد بن عبد الرزّاق الحسيني، مرتضى، الزّبيدي، المكتبة الشاملة۔
تاج العروس، محمد بن محمد بن عبد الرزاق المرتضیٰ الزبیدی، طبعۃ الکویت۔
تبلیغی نصاب، مولانا محمد زکریا، تاج کمپنی لمٹیڈ، کراچی۔
تبیان القرآن، علامہ غلام رسول سعیدی، فرید بک سٹال، اردو بازار لاہور، ط، سادس، ۲۰۰۸ء۔
تفسیر حقانی، علامہ عبد الحق حقانی، الفیصل ناشران و تاجران کتب، اردو بازار، لاہور۔
تفسير مقاتل بن سليمان، أبو الحسن مقاتل بن سليمان بن بشير الأزدي البلخى، دار إحياء التراث – بيروت، الطبعة الأولى – ۱۴۲۳ھ۔
تفہیم القرآن، مودودی، ابو الاعلیٰ سید، مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور، ۱۹۵۴ء۔
جامع البیان عن تأویل آي القرآن (تفسیر طبری)، محمد بن جریر بن یزید الطبری، دار المعرفہ، بیروت۔ لبنان، ۱۴۰۹ھ۔
جامع ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، دار احیاء التراث العربی۔
جامع لاحکام القرآن (تفسیر قرطبی)، أبو عبد الله محمد بن أحمد بن أبي بكر بن فرح الأنصاري الخزرجي شمس الدين القرطبي، دار الكتب المصرية، القاهرة، ط، ثاني، ۱۹۶۴ء۔
جواہر اللغات، پروفیسر بشیر احمد صدیقی، کتابستان پبلشنگ کمپنی، لاہور ۲۰۰۱ء۔
جیوش انسائیکلوپیڈیا۔
حاشیہ قرآن، مولانا شبیر احمد عثمانی، دار الاشاعت اردو بازار کراچی۔
حجۃ اللہ البالغہ، امام شاہ ولی اللہ دہلوی، (مترجم، مولانا ابو العلاء محمد اسماعیل)، حنیف اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۹۹ء۔
دعوت دین اور اس کا طریقہ، امین احسن اصلاحی، مکتبہ جماعت اسلامی لاہور۔
روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، شهاب الدين محمود بن عبد الله الحسيني الألوسي، دار الكتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ۔
روضة المحبين ونزهة المشتاقين، ابن قيم الجوزية، دار عالم الفوائد للنشر والتوزيع، ط: ۱۴۳۱۔
سنن ابی داؤد، ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، دار الکتاب العربی، بیروت۔
سنن الدارمي، عبد الله بن عبد الرحمن أبو محمد الدارمي، دار الكتاب العربي – بيروت، ط، اولیٰ، ۱۴۰۷ھ۔

سنن کبری، أبو بکر أحمد بن الحسین بن علي البیهقي، مجلس دائرۃ المعارف النظامیۃ الکائنۃ في الھند بلدۃ حیدر آباد، ط، اولیٰ، ۱۳۴۴ھ۔
سیرت ابن ہشام، ابو محمد عبد الملک بن ہشام، مطبوعہ مصر۔
سیرت النبی، سید سلیمان ندوی، مطبع معارف اعظم گڑھ، ۱۲۳۲ھ۔
شرح الولدیۃ فی آداب البحث والمناظرۃ، محمد امین بن محمد المختار الجکینی الشنقیطی، دار علم الفوائد
صحیح البخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری، دار طوق النجاۃ، ۱۴۲۲ھ۔
صحیح جامع بیان العلم وفضلہ، ابن عبد البر الاندلسی، مکتبۃ ابن تیمیہ القاھرۃ ۲۰۱۶
صحیح مسلم، مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری، دار المعارف، بیروت۔
ضیاء القرآن، پیر کرم شاہ ازہری، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور، ۱۹۹۵۔
ضیاء القرآن، جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، جمادی الثانی، ۱۴۰۳ھ۔
علمی اردو لغت، وارث سرہندی، علمی کتاب خانہ، لاہور ۲۰۰۴ء۔
عہد نامہ جدید۔
عہد نامہ قدیم۔
عون الخبیر شرح الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، عبد الحمید خان سواتی۔
فتح الباری، أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي، دار المعرفۃ - بیروت، ۱۳۷۹ھ۔
فروق اللغویۃ، الحسن بن عبد اللہ بن سھل بن سعید أبو ھلال العسکري، مکتبۃ دار العلم والثقافۃ للنشر والتوزیع بیروت، ۲۰۱۴
فوز العظیم اردو شرح الفوز الکبیر، مولانا خورشید انور قاسمی۔
الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، مترجم پروفیسر محمد رفیق چوہدری، مکتبہ قرآنیہ، لاہور۔
فیروز اللغات، الحاج مولوی فیروز الدین، فیروز سنز لمٹیڈ، لاہور۔
قاموس الکتاب (لغات بائبل) ایف ایس خیر اللہ، مسیحی اشاعت خانہ لاہور، ۱۹۹۳ء۔
قاموس مترادفات، وارث سرہندی، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۲۰۰۱ء
کتاب العین، الخلیل بن احمد الفراھیدی، دار الکتب العلمیہ، لبنان، ۱۴۲۴ھ۔
کیف تحاور، دکتور طارق بن علی الحبیب، دار السلام للنشر والتوزیع، ط اولیٰ، ۱۴۱۴ھ، ۱۹۹۴ء۔
لباب التأویل فی معانی التنزیل، الخازن، أبو الحسن علی بن محمد عمر الشیحی۔
لسان العرب، ابن منظور الافریقی، دار صادر، بیروت، لبنان۔

مانامہ المائدہ، لاہور، ۳۱دسمبر ۱۹۵۹ء۔

ماہنامہ دارالعلوم، شمارہ ۷، جلد: ۸۹ ، جمادی الاول، جمادی الثانی ۱۴۲۶ ہجری مطابق جولائی ۲۰۰۵ء۔

مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر، محمد بن مکرم الشہیر بابن منظور، دارالفکر، بیروت۔

مدارک التنزیل وحقائق التأویل، النسفي، أبو البرکات، عبد اللہ بن أحمد، الطبعة الخامسة، المکتبة الشاملة۔

مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، چوہدری غلام رسول چیمہ، علم وعرفان پبلیشرز ۲۰۰۶۔

مسند احمد، أبو عبد اللہ أحمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن أسد الشيباني، دار موئسسۃ الرسالة، ۱۴۲۱۔

مشکاۃ المصابیح، محمد بن عبد اللہ خطیب التبریزی۔

معارف القرآن، مفتی محمد شفیع، ادارۃ المعارف، کراچی، ۲۰۰۸ء۔

مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر)، أبو عبد اللہ محمد بن عمر بن الحسن بن الحسین التیمي الرازي الملقب بفخر الدین الرازي خطیب الري، دار احیاء التراث العربی، ط، ثالث، ۱۴۲۰ھ۔

مقاییس اللغة، ابن فارس، دار الکتب العلمیة، بیروت۔

مناهج الجدل في القرآن الکریم، زاهر عواض الألمعین، مکتبة نور بیروت، ۲۰۱۸

موسوعة الحقائق الکتابیة، برسوم میخائیل، دار الإخوة للنشر، الطبعة الثالثة، ۲۰۰۴۔

یہودی مذہب مہد سے لحد تک، رضی الدین سید، بیت السلام، ۲۰۱۰۔

https://www.merriam-webster.com/dictionary/Torah

Sandiki, Legends and Narratives of Islam, Kazi Publications , Chicago , 2000 , PP. 235 – 236 . citing , Louis Ginzbery , Legends of the Jews , III , P 247.

The Holy Bible / English, Bible Cumbridge University Press. Oxford University Press- 1970

Fishbane, Michael A. *Judaism: Revelation and Traditions.* San Francisco: HarperCollins, 1987. p. 41

Corrigan et al. *Jews, Christians, Muslims: A Comparative Introduction to Monotheistic Religions.* Upper Saddle River: Prentice Hall, 1998. pp. 7-12

Population, by Population Group. Israel Central Bureau of Statistics. 2016

Major Religions of the World Ranked by Number of Adherents

Della Pergola, Sergio (2015). World Jewish Population, 2015. Berman Jewish Data Bank -

Louis Jacobs.The Book of Jewish Belief. USA: Behrman House, Inc, (1984)